گر چلے جاؤ کسی پاس کبھی بھولے سے
تو اُسے دیکھ کے وحشت بھی ہوا کرتی ہے

جانتا ہے کہ فقط آئے ہیں سُن گُن لینے
کہ یہاں اُس کی ضرورت بھی ہوا کرتی ہے

جیتے جی یہ نہ سمجھتے تھے کہ رہنے کی جگہ
کہیں ہم صورتِ تربت بھی ہوا کرتی ہے

میل ملّت کا تصوّر ہو جہاں پر مفقود
اُن میں اس طرح کی خلقت بھی ہوا کرتی ہے

ہے عبث شکوۂ بے مہریِ اغیار ظریفؔ
جبکہ اپنوں سے شکایت بھی ہوا کرتی ہے

درحقیقت ہے غریب الوطنی ایک بلا
یوں تو راحت بھی مصیبت بھی ہوا کرتی ہے

ایضاً

تعداد ابیات ۱۱

بحر رمل مثمّن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

خیمہ پھلواری میں رہنے کو جو ہمیں پایا
للّٰہ الحمد انیسِ شبِ تنہائی ہے

دہنِ تنگ سے معشوق کے تھوڑا چھوٹا
عمر میں گنبدِ گرداں کا بڑا بھائی ہے

کہیئے ٹھنڈک میں اُسے قطبِ شمالی کا چچا
سر زمیں خطّۂ کشمیر کی ماں جائی ہے

اس صفت میں تو یہ ہے حجلۂ جنّت بالکل
گرد و پیش اُس کے کہیں صحنِ انگنائی ہے

اِس طرف میں ہوں اُدھر مور کے بچّوں کا قفس
کششِ ہموطنی ایک جگہ لائی ہے

بعد مدّت کے ہوا ساتھ ہمارا اُن کا
کیوں نہ ہو دونوں میں ہمدردیِ آبائی ہے

کبھی اِک ساتھ نکالے گئے تھے جنّت سے
اتفاقات سے اب موقعِ یکجائی ہے

پر کجا مجھ سا گنہگار کجا خلدِ بریں
کوئی سُن لے تو یہ کہدے گا کہ سودائی ہے

فیض سے صحبتِ علّامۂ زنجانی کے
اسطرح جنّت دنیا مرے ہاتھ آئی ہے

خدمتِ عالمِ دیں کا یہ نتیجہ ہے ظریفؔ
ابن طاؤس کے پہلو میں جگہ پائی ہے

نوٹ۔ یہ قطعہ محمود آباد میں راجہ صاحب کی مسند نشینی کے زمانے میں جب مہمانوں کے خیمے پھولواڑی میں قلعۂ معلّی کے اندر نصب ہوئے تھے۔ ظریف مرحوم نے اپنی جائے قیام کے متعلق نظم کرکے سُنایا تھا اور سب کو بے حد پسند آیا تھا۔ قسمی عفی عنہ

ایضاً

تعداد ابیات ۲

ایک غوطے میں گنہگاروں کی غائب ہر بدی
کم نہیں گنگا سے وہ ہو نربدا یا نربدی

لڑ نہیں سکتی بالآخر چوندھیا جائے گی آنکھ
شرط گر خورشید عالمتاب سے مسٹر بدی

نظم بطورِ مثنوی

تعداد ابیات ۱۴

۵۷ رجزِ مزاحیہ بزبانِ فارسی

بحر متقارب مثمّن مقصور یا محذوف
ارکان۔ فعولن فعولن فعولن فعول یا فعل

منم آں یلے نامور در جہاں
کہ از گرزِ خود بشکنم خشک ناں

من آں مردِ میداں کہ در کارزار
نہم زخم خنجر بہ قلبِ خیار

بہ میدان ہیجا چوں نعرہ کنم
تنِ پنبہ را پارہ پارہ کنم

سناں گر بہ پہلوے حلوا زنم
بقوت ز مشقاب برافگنم!

ہدف چوں زنم تاب دادہ برت
مشبّک شود تانۂ عنکبوت

شدہ گشتہ غربال از تیرِ من
سرِ شیر زخمی ز شمشیرِ من

بکنم قطع از قوتِ بے نظیر
ز دندانِ سرتیز قاشِ پنیر

بہ نیروے بازو چو کشتی بہ زنم
بصد ضرب خشخاس را بشکنم

به نیروے سر پنجۂ زور مند | پریشاں کنم دانہ ہاے پند
کنم روز زن از تیر خود اندر آب | ذرم کا غذ کہنہ دقت عتاب
تبر را کنم گر بہ سرعت رہا | سر پشہ گردد ز گردن جدا
اگر مشت بر روئے مو شگ زنم | بزدر خودش بر تفا افگنم
من آں پہلوانم کہ برقت خشم | بصد زور از جا کنم موئے
بہ بیند اگر شش پرم مور پیر | زمیدان ہیجا شود قلعہ گیر

۵۲ **ایضاً** **تعداد ابیات ۱۱**

ظرافت کا چورن

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف | ارکان ۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

ظریف آئے ہو تم اس لئے الہ آباد | کہ بنچ و بار کو دو مژدۂ مبارک باد
یہاں سٹریک ڈنر بنچ و بار کل ہوگا | بلند چار طرف تہنیت کا غل ہوگا
ہمیں بھی شرکت دعوت کی دی گئی تھی خبر | ہے چیف جسٹس ذیجاہ کی طرف سے ڈنر
سجی ہوئی ہے تکلف سے میز کھانے کی | اُسی طریق سے جو رسم ہے زمانے کی
کباب قورمہ قلیہ پلاؤ بورانی | فزوں شمار سے فہرست جنکی طولانی
ہزاروں نعمتیں ہر ایک مہماں کے لیئے | صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کیلئے
جسے بھی کھانے پہ جس چیز کی ہوئی خواہش | نظر کے سامنے فی الفور آگئی وہی ڈش
کھڑے ہوئے ڈنر اسپیچ کو اُدھر احباب | نکالا جیب سے ہم نے بھی نسخۂ نایاب

غذا کے بعد ظرافت کا چاہیے چورن
کریں پسند اگر صاحبان ذوق سخن

بحر متدارک مخبون شانزدہ رکنی۔ ارکان فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن

اِس پہلو بھی اُس پہلو بھی بس کروٹ پر کروٹ ہی تھی
سب رل کے خرّاٹے لیتے وہ سوتے ہم جاگا کرتے

بیمارِ محبت کو ایذا دیتے جو مریضانِ الفت
ہم عیش محل کے جنرل وارڈ میں بھرتی ہو کر کیا کرتے

نوٹ ع: اس وزن میں مخبون اور مخبون مسکنّ کا اجتماع ہر جگہ جائز ہے۔

نوٹ۔ یہ نظم چودھری اختر حسین صاحب ایڈووکیٹ کی شادی میں بمقام الہ آباد دعوت کے موقع پر ظریف مرحوم نے پڑھی تھی۔ صفی عفی عنہ

۵۳ ایضاً تعداد ابیات ۲۰

فلسفۂ رقص بہ صنعتِ ادبِ لطیف

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

بر ربط زرپاش دے لے ساقی بادہ بدوش
رقص کی تعریف کرنے کا اُٹھا ساغر میں جوش

رقص کیا ہے روح کے نغمے کے کولوں کی لچک
پیکرِ تصویرِ خاکی کی اُچٹتی سی جھجک

حُسن کے اندامِ نازک کی رگوں کا ارتعاش
میکدے کے جامِ بلوریں کا جلوہ کیف پاش

دُھوپ کے دریا کی موجوں میں ترنم خیز ناؤ
نغمۂ جامد کے نازک جسم کا باریک گھاؤ

اک ادائے دلربا تصویر بے آواز کی
دلنشیں ٹھوکر ستاروں نے خرامِ ناز کی

مرمریں حوروں کی زلفِ عنبریں کے داؤں پیچ
اور لچکیلی کلائی کی ترنم زا کھڑ پیچ

رقص دونوں پر حکومت کی چڑھا کر تیوریاں
روح کو کولا ہلا کر حکم دیتا ہے کہ ہاں

لے بتا بھی دوں تجھے پلوادے مہوے کی شراب
رقص میں کس وقت آجاتا ہے دورِ انقلاب

ٹھنکھناہٹ جام کی لیتی ہے کب انگڑائیاں
قامتِ موزونِ رقصیت میں ہو ہو کر نہاں

اور صبا کی سنسناہٹ اُس پہ کرتی ہے اثر
رقص ہوتا ہے کہیں اُس وقت جاکر جلوہ گر

درحقیقت رقص ہے دورِ جوانی کا گھماؤ
حسن کی باگوں کا دستِ عشق سے ہلکا کھنچاؤ

خواہشِ بیجا کی اک تصویرِ عریاں کی ادا!
جامۂ انسانیت کے چاک ہونے کی صدا

مختصر شرحِ ہم آغوشی و تکمیلِ وصال
شہوت آگیں حسنِ عریاں کی فریب آمیز چال

جب رگوں میں دوڑتا ہے خونِ موسیقی کا رنگ
ہوتی ہے اعصاب سے باہم محبت خیز جنگ

دورِ برنائی اُٹھیں لہروں کو دیکر پیچ و تاب
رقص کی صورت میں دیتا ہے سکونِ اضطراب

موقلم پلکوں کا لیکر آنکھ بھر دیتی ہے رنگ
قامتِ موزونِ رقاصہ میں اُٹھتی ہو اُمنگ

رقص کرنے دے سکونِ قلبِ عشرت ساز کو
بربطِ موسیقیت پردے میں رکھ آواز کو

ابروؤں کی گفتگو ذوقِ تمنا میں شدید
آنکھ کی انگڑائیوں کے کچھ خیالاتِ جدید

نطق کے پردے میں مُنہ ڈھانکے ہوئے گونگے کا خواب
لرزش آگیں یا شعاعوں کا مچلتا آفتاب

دل کی دھڑکن مچھلیوں کا اضطرابِ رقص زا
شبنمستانِ چمن کی کیف زا ٹھنڈی ہوا

نوٹ :۔ صنعتِ ادبِ لطیف میں یہ نظم کہی گئی تھی۔ مصفی عفی عنہٗ۔

۵۴ **ایضاً** **تعدادِ ابیات ۹**

رقعۂ مجلس منجانب گوہر جان کلکتہ

بحر خفیف مسدس مخبون مقصور یا محذوف
ارکان۔ فاعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

خامۂ غم طراز کر تحریر
حالِ عباسؑ عاشقِ شبیر

آجکل ہے جہاں میں موسمِ غم
شرما شرمی سے کیوں نہ رو دیں ہم

سب ہیں فرطِ الم سے سینہ فگار　　جیسے باجی کو کر دیا مختار
ہے زبس موسم عزاداری　　کالی باڈی ہے اور یہ ساری
ہیں بصد عجز سب سے عرض کناں　　وہی کلکتے والی گوہر جاں
تیرہؔ تاریخ کو محرّم کی　　پہلے جو آئے اُسکی ہے باری
چوک میں بیچ کی سراہے جہاں　　ورنہ جس جا پہ آپ آئیں وہاں
شام کیوقت لائیں سب تشریف　　سب کو کافی ہے یہ نحیف وضعیف

آئیں مجلس میں صاحبِ اعزاز
چھانٹ لوں گی جو ہونگے سب میں گداز

نوٹ۔ گوہر جان کلکتے والی نے بذریعہ چودھرائن طوائف لکھنؤ میں ایک مجلس کی تھی اُسکی طرف سے یہ فرضی رقعہ ظریفؔ مرحوم نے لکھا ہے۔ صفی عفی عنہ

۱۱ نوحہ

مسماۃ صافی مادرِ منگا بمرگِ دختر　　تعداد ابیات ۱۷

بحر ہزج مثمّن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف مستزاد　　ارکان۔ مفعولُ مفاعیلُ مفاعیلُ فعولن۔ مفعولُ فعولن

رو رو کے بیاں کرتی تھی یہ مادرِ منگا، ہے ہے مری منگا
غسّالہ نے بٹیا ترا مُردہ کیا ننگا، ہے ہے مری منگا
اس رنج والم نے مجھے فرصت نہ ذرا دی، مجبور ہوں بیٹی
لے جاتی جنازے کو ترے میں سُوِ گنگا، ہے ہے مری منگا
صدقہ بھی علالت میں کوئی دینے نہ پائی، نے فال دکھائی

بیماری میں تجھ پر سے اُتارا نہ جھنگا ، ہے ہے مری منگا
اِس پیری میں روٹی کا سہارا تھا تجھی سے، اب فاقہ کشی ہے
قسمت نے مری تجھ کو نہ ہونے دیا چنگا ، ہے ہے مری منگا
نے تخت نہ کھٹیا نہ دری ہے نہ بچھونا ، نے چادرِ کہنہ
سونے کو فقط میرے رہا ایک جھلنگا ، ہے ہے مری منگا
چالیسویں کی جلدی میں جوڑا دیا ایا ، میں کیا کروں بٹیا
پاجامے کی تھا گوٹ پہ جھکے نہ شلنگا ، ہے ہے مری منگا
اِس سن میں یہ واری گئی بیباک تھی ایسی ، تو ڈرتی ہی کب تھی
خطرے میں ترے آتا تھا کب کوئی کڑنگا ، ہے ہے مری منگا
کیا تیرا تحمل تھا سمجھتی تھی تو یکساں ، اُن دونوں کو اے جاں
دُبلا ہو کوئی یار ترا یا کہ دَبنگا ، ہے ہے مری منگا
رنگریز بھی روتے ہیں ترے واسطے واری، کیا جلد سدھاری
اب کس کو اڑھائینگے دوپٹہ وہ دورنگا ، ہے ہے مری منگا
وہ بھی تو بھلا تجھ پہ نظر آتا تھا بیٹی ، کچھ ایسی پھبن تھی
پاجامہ اگر پہن لیا تو نے اُٹنگا ، ہے ہے مری منگا
دُبلے تو ہیں کیا موٹوں کو چت کر دیا تو نے ، روکا نہ کسو نے
سنبھلا نہ جسے تو نے دیا ایک اَڑنگا ، ہے ہے مری منگا
جب جیتی تھی یاروں کو جلاتی تھی ہمیشہ ، اب مرنے پہ بٹیا
جلتا ہے تری قبر پہ خود آ کے پتنگا ، ہے ہے مری منگا
یاروں نے یہاں تک تجھے ایجان ستایا ، وہ ناچ نچایا

آخر کو چھپی قبر میں تو اُن سے بہ تنگ آ ، ہے ہے مری منگا
سمجھاتی ہوں اُن سب کو کہ کیوں لڑتے ہو واری ، ٹپیا تو سدا ہاری
جب کرتے ہیں یار آ کے ترے کوٹھے پہ دنگا ، ہے ہے مری منگا
گھوڑ دوڑ میں ٹپیا تری جیتیں رہے باجی ، تو بھی سنتی ہے باجی
کہتا ہے یہ پٹیالے کے راجہ کا تلنگا ، ہے ہے مری منگا
کرڈالوں ترے دیسے کی مجلس بھی کسی دن ، یہ شرط ہے لیکن
پڑھ دیویں حدیث آ کے جو سیّد علی چھنگا ، ہے ہے مری منگا
ہو نوچا کھسوٹی نہ فرشتوں سے وہاں پر ، ہاں فی کو یہ ہے ڈر
پھٹ پھٹ کے کفن تیرا نہ ہو تار تلنگا ، ہے ہے مری منگا

نوٹ۔ ۵ماہ فروری ۱۸۹۲ء سول سروس کپ کے سلسلے میں بمقام لکھنؤ گھوڑ دوڑ تھی مہاراجہ صاحب پٹیالہ اپنے گھوڑ دوڑ ی گھوڑے لے کر گھوڑ دوڑ میں شرکت کی غرض سے خدم وحشم کے ساتھ بادشاہ باغ میں اُترے ہوئے تھے۔ اسی فروری کی اٹھارہ ویں کو اپنی فرودگاہ پر مہاراجہ صاحب موصوف نے شب کے وقت رقص وسُرود کا ایک جلسہ قرار دیکر لکھنؤ کی نامی اور مشہور طوائفوں کو محض مجرے کے لئے بلا بھیجا۔ چنانچہ شام سے آدھی رات تک ناچ گانا ہوتا رہا، اس کے بعد خلاف معاہدہ ان سے ہم آغوشی کا مطالبہ کیا گیا۔ اُنھوں نے یہ عذر کیا کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ پھر کیا تھا ؎ گر نہ ستانی بہ ستم میرسد
فوراً بزن بول دیا گیا ؎

صلائے عام ہے یارانِ "قدرداں" کے لئے۔ رات بھر خوب دھاچوکڑی رہی گلشنِ حُسن کی ایک ایک کیاری پر گلچینی کے لئے بیسیوں سر پہ گھاس کا گھٹّا لادے گھسیارے ٹوٹ پڑے صبح ہوتے ہوتے ان بیچاریوں کی بھور ہو گئی۔ عدالت فوجداری میں شاید ان کی طرف سے

استغاثہ بھی دائر ہوا مگر ایک والیِ ملک کے مقابلے میں اُن کی کون سنتا۔ اسی جنگ مغلوبہ کے زک اُٹھائے ہوؤں میں مسماۃ منگا بھی تھی۔ اس شعر میں اُسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

صفی عفی عنہ

دیوانِ ظریف

حصّہ سوم

فہرست منظومات ظریف (دیوانجی حصہ سوم)

نمبر سلسلہ	سنہ تصنیف	نام نظم	صراحت مضمون	صفحہ نمبر	تعداد اشعار	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱	سنہ ۱۹۰۰ء	طاعونی آلھا	واقعات ہنگامہ آرائی باشندگان شہر لکھنؤ۔	۲۰۰	۲	
۲	سنہ ۱۹۰۵ء	سیاحت ظریف	سفر عراق	۲۰۳	۴۱۷	
۳	فروری سنہ ۱۹۰۵ء	خط منظوم ع۱	از بندر عباس بنام محمد صاحب	۲۲۷	۶۹	
۴	مارچ سنہ ۱۹۰۵ء	تضمین بر رباعیات	ضمیمہ خط ع۱ بنام محمد صاحب	۲۴۲	۲۵	
۵	ستمبر سنہ ۱۹۰۵ء	خط منظوم ع۲ مع استغاثہ بحضرت امیرالمومنینؑ	بنام نواب بڈھن صاحب	۲۴۵	۳۴	
۶	۲۴ اپریل سنہ ۱۹۰۶ء	خط منظوم ع۳	بنام محمد صاحب از کاظمین	۲۴۸	۷۵	
۷	ایضاً	ایضاً ع۴	بنام نواب بنے صاحب بجواب خط موصوف	۲۵۳	۲۳½	
۸	۷ مئی سنہ ۱۹۰۶ء	خط منظوم نمبری ع۵	بنام نواب بڈھن صاحب	۲۵۵	۷	
۹	جون سنہ ۱۹۰۶ء	خط منظوم نمبری ع۶	ایضاً	۲۵۶	۳۱	
۱۰	ستمبر سنہ ۱۹۰۶ء	خط منظوم نمبری ع۷	بنام محمد صاحب	۲۵۸	۱۴۲	
۱۱	۲۷ اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء	نظم فارسی	تاریخ قتل اعجام	۲۶۶	۱۷	
۱۲	دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء	خط منظوم نمبری ع۸	بنام مرزا مقبول حسین پٹیالہ	۲۶۸	۱۸	

فہرست منظومات ظریف

نمبر سلسلہ	سنہ تصنیف	نام نظم	صراحت مضمون	نمبر صفحہ	تعداد اشعار	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱۳	جنوری سنہ ۱۹۰۷ء	خط منظوم نمبری ۹	بنام حکیم سید جعفر حسین مع قطعہ شادی نواب حامد علیخاں	۲۷۰	۶۳	
۱۴	سنہ ۱۵ ۱۹ء	افیونیوں کا رجز	متعلق جنگ جرمن	۲۷۵	۳۲	
۱۵	نومبر سنہ ۱۹۱۵ء	سیلاب	شدت بارش و انہدام مکانات شہر لکھنؤ	۲۷۸	۱۴	
۱۶	سنہ ۱۶ ۱۹ء	لکھنؤ میونسپلٹی میں پانی کی قلت	حال اذیت باشندگان شہر لکھنؤ	۲۷۹	۱۹	
۱۷	سنہ ۱۷ ۱۹ء	ارکان شیعہ کالج	شیعہ کالج کا اساسی جلسہ	۲۸۱	۳۰	
۱۸	سنہ ۱۷ ۱۹ء	تقویم پارین	تذکرۂ عقد ثانی مریض نفسانی	۲۸۳	۹۹	
۱۹	سنہ ۱۷ ۱۹ء	ہوم رول مع قطعہ	حالت ابنائے وطن	۲۹۰	۷۱	
۲۰	سنہ ۱۸ ۱۹ء	ہوم رول لرس	نتائج تعلیم مغربی	۲۹۶	۱۲۵	
۲۱	سنہ ۲۰ ۱۹	سیاسی بگن	ایک مسلم لیڈر کی حالت	۳۰۳	۵	
۲۲	سنہ ۲۲ ۱۹ء	اپیل منجانب ایتام	بخدمت مستورات شیعہ	۳۰۴	۲۲	
۲۳	سنہ ۲۴ ۱۹ء	نظم یتیم خانہ مع قطعہ	تحریک ملاحظۂ یتیم خانہ	۳۰۹	۴۲	
۲۴	سنہ ۲۴ ۱۹ء	جواب قطعہ	تقلید کورانہ	۳۱۲	۲۷	
۲۵	سنہ ۲۵ ۱۹ء	دوستانہ شکایت	تحفۂ مہاراجہ کو جزیہ سمجھنا	۳۱۶	۷	

فہرست منظومات ظریفؔ

نمبر سلسلہ	سنہ تصنیف	نام نظم	صراحت مضمون	صفحہ نمبر	تعداد اشعار	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۲۶	سنہ ۱۹۲۵ء	آزیری	بیقدری قومی خدّام	۳۱۷	۱۹	
۲۷	سنہ ۱۹۲۵ء	توصیف قطعہ	متعلق تاریخ جناب احسن	۳۱۹	۱۲	
۲۸	سنہ ۱۹۲۵ء	آشوب اسلام	متعلق انہدام قبور جنت البقیع	۳۲۱	۱۰۹	
۲۹	سنہ ۱۹۲۵ء	سعود پرستی	سعودی ایجنٹوں کا پروپیگنڈا	۳۲۹	۲۲	
۳۰	سنہ ۱۹۲۵ء	خلعتِ سرفرازی	اجرائے اخبار سرفراز	۳۳۱	۳۷	
۳۱	سنہ ۱۹۲۵ء	قطعۂ تاریخ اخبار سرفراز	بے ثباتی اخبارات شیعہ	۳۳۴	۱۲	
۳۲	سنہ ۱۹۲۵ء	نظم متعلق ستارہ	ضرورت اخبار	۳۳۶	۱۵	
۳۳	سنہ ۱۹۲۵ء	طلوع ستارہ	"	۳۳۷	۵	
۳۴	سنہ ۱۹۲۵ء	افسانۂ حجاز	حالت غدّاران اسلام مع رباعی	۳۳۸	۷۹	
۳۵	سنہ ۱۹۲۶ء	چمنستانِ ظرافت	اخبار کی پالیسی پر تبصرہ	۳۴۴	۲۱	
۳۶	سنہ ۱۹۲۶ء	حق اخبار	دوستانہ نصائح و شکایت غلط نویسی کاتب	۳۴۶	۱۸	
۳۷	سنہ ۱۹۲۶ء	رضاکاران جنت البقیع	قومی انحطاط کی حالت	۳۴۸	۳۳	
۳۸	سنہ ۱۹۲۷ء	مثنوی بادِ ہوائی	سودمند نصائح	۳۵۱	۱۲۰	
۳۹	سنہ ۱۹۲۷ء	ڈھوا منگل	ایک دوست کا عقد ثانی	۳۶۳	۶۳	

فہرست منظومات ظریف

فہرست منظومات ظریف

نمبر سلسلہ	سنہ تصنیف	نام نظم	صراحت مضمون	نمبر صفحہ	تعداد اشعار	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۵۳	سنہ ۱۹۳۰ء	کونسل الکشن ریس	کونسل الکشن کی جوڑوں کا ذکر	۴۰۰	۹	
۵۴	سنہ ۱۹۳۰ء	انوی ٹیشن کارڈ	دعوت انطار صوم کا رقعہ	۴۰۲	۱۵	
۵۵	سنہ ۱۹۳۰ء	ہوسِ شہرت	امیدواران خطاباتِ سرکاری	۴۰۴	۱۲	
۵۶	سنہ ۱۹۳۰ء	مغرب پرستی	مغرب زدگی کا طوفان	۴۰۶	۵۵	
۵۷	سنہ ۱۹۳۱ء	ہمارے لیڈر	لیڈروں کے اقسام اور انکے کردار	۴۱۰	۱۲۰	
۵۸	سنہ ۱۹۳۱ء	الکشن چوک وارڈ	تضمین شعر میر و دیگر قطعات	۴۲۰	۲۴	
۵۹	سنہ ۱۹۳۱ء	شکر پارہ	حیات محمد حلوائی امیدوار ممبری میونسپلٹی	۴۲۴	۲۱	
۶۰	سنہ ۱۹۳۱ء	بندۂ زر	ایک مسلم لیڈر کے صفات	۴۲۶	۹	
۶۱	سنہ ۱۹۳۲ء	شامت الکشن	مختلف ووٹروں کے کردار	۴۲۷	۱۰۸	
۶۲	سنہ ۱۹۳۲ء	پیام اُردو	بنام سرکار نظام دکن	۴۳۵	۲۱	
۶۳	سنہ ۱۹۳۲ء	نوید مراجعت	متعلمین لندن کے حالات	۴۳۷	۱۵	
۶۴	سنہ ۱۹۳۲ء	شاعر کی سوسو	مرچوں کی شکایت	۴۳۹	۲۵	
۶۵	سنہ ۱۹۳۲ء	عرض مقبول	عرضداشت بحضور سید الشہداءؑ	۴۴۱	۲۴	
۶۶	سنہ ۱۹۳۳ء	اسمبلی کی اسپیچ	سرحد کی بمباری کے متعلق سوال وجواب	۴۴۳	۹	

فہرست منظومات ظریف

نمبر سلسلہ	سنہ تصنیف	نام نظم	صراحت مضمون	صفحہ	تعداد اشعار	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۶۷	سنہ ۱۹۳۴ء	زلزلۂ بہار	ہندوستانیوں کی بے حسی	۴۴۴	۸	
۶۸	سنہ ۱۹۳۴ء	شعر آشوب	شاعروں کی بہتات	۴۴۵	۲۲۷	
۶۹	سنہ ۱۹۳۴ء	اونٹیالوجی	خواص اشخاص اشتر قد	۴۶۰	۱۳	
۷۰	سنہ ۱۹۳۴ء	فغان لکھنؤ	ساکنان لکھنؤ کی کمزوریاں	۴۶۲	۸۰	
۷۱	سنہ ۱۹۳۴ء	برق تکلم	رقعہ بنام بہادر مرزا صاحب انجینئر	۴۶۷	۱۳	
۷۲	سنہ ۱۹۳۴ء	الکشن سرکس	تضمین شعر آتش مرحوم	۴۶۹	۱۱	
۷۳	سنہ ۱۹۳۵ء	آزمائش ممبران کونسل	ہوس تقرب گورنر	۴۷۰	۲	
۷۴	سنہ ۱۹۳۵ء	گرانباری مصارف تعلیم	کثرت طلبہ و قلت مصارف	۴۷۰	۵	
۷۵	سنہ ۱۹۳۵ء	لکھنؤ یونیورسٹی کا جانورخانہ	طلاب کی بد تمیزیاں	۴۷۱	۱۱	
۷۶	سنہ ۱۹۳۶ء	مہاجن نوازی	شکایت سود خواران	۴۷۲	۴۸	
۷۷	سنہ ۱۹۳۶ء	ساکنان محمود آباد سے خطاب	اصلاحات ریاست کا ذکر	۴۷۶	۳۶	
۷۸	سنہ ۱۹۳۶ء	آلھا	محمود آباد کی رعایا کو نصائح	۴۸۰	۴۱	
۷۹	سنہ ۱۹۳۶ء	بیفکری شیعیان ہند	مطالبۂ اصلاح عزاداری	۴۸۵	۱۷	
۸۰	سنہ ۱۹۳۷ء	تنقید شیعہ ادارات	ملت شیعہ کی کمزوریاں	۴۸۸	۱۵۸	
۸۱	سنہ ۱۹۳۷ء	دہلی امامیہ ہال	نصب سنگ بنیاد امامیہ ہال	۵۰۰	۲۶	

ڈیوانگی حصّہ (سُوّم)

نوٹ ۔ وبائے طاعونی کا ۱۸۹۶ء سے بمبئی میں آغاز ہوا اور رفتہ رفتہ یہ مرض کل اقطاع ہند میں پھیلتا رہا چنانچہ شہر لکھنؤ میں انیسویں[19] صدی کے آخر آخر یہ بلا آئی اور اس کے متعلق یہ آلھا ہے۔ تفصیلی نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو۔ صفی عفی عنہ

نظم نمبر   سنہ ۱۹۰۰ء   تعداد اشعار ۱۲

طاعونی آلھا

سمبت انیسّ سو چھپّن ماں بھئی ماندگی بمبئی بھائے
شہرن شہرن پھیلن لاگی گورنمنٹ تب کینہہ اُپائے
وَہے سمیّا دَہے اَو سہرَان ڈاکٹر بھیئے مکرر آئے
تنّاٹ ماندگی جانے پاوَیں ترتے تاکا دینہہ پھُنکائے
یہہ دُکھ بیاپا سہر بھرے ماں پرجا کہے کری کون اُپائے
لکھنؤ سہر کے رجگاری سب دینہہ دکانیں بند کرائے
اُہن دکانیں رہے سب کھوالو کانسٹیبل کہے سمجھائے
نہئیں کمیٹی سہر بیناماں چھوٹ بڑے سب پہونچے جائے
کہے مولبی تب سنورے بھائی ارجی ایک لیو لکھوائے
سترا انتھونی ہکدا نل سے اپنی بتیا کہو سب جائے

دیا جوائی ہیچ آ نر کا سری رام سے کہن بلائے
تُرتے جاؤ سہ مینا میں ہمری بات کہو سمجھائے

دِھیرج راکھیں سب من ماں ہی تنکو کو ؤ نا گھبرائے
سری رام تب یہہ سب باتیں تُرتے کہن سبھا ماں آئے

جو آنند سندیس سُنی ہے سُو اب من ماں ناہ سمائے
جو من بھاوا سُو ہی پاوا گھر گھر کھوسی بھئے سب جائے

یہہ دُکھ تے جب چُھٹّی پائن اَورو ایک سُنو رے بھائے
ہو واسب کے بند کراوے جِہہ ماں کیچڑ سب بہہ جائے

گھر گھر سب کے سبھا کراوے سنڈاسن کا دِیہہ کھُدائے
کہے کَد مچے رے بنواؤ دُو ئی دُو ئی ناندھ دیو دھرائے

بیچ کَد مچہ ناندھ دھر کے "تار کول کا دِیو پُتائے
یا ہی لکھ اک کاگج ماں سب کے گھراں دِہن بجائے

یہہ مالک جو نا بنوائی اُد ہیکا ہوئی بڑھی سجائے
ارے گُسیّاں اب کا ہوئی یہہ دُکھ ہمسے سہا نہ جائے

نوٹ۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں جب وبائے طاعون لکھنؤ میں آئی سر انتھونی مکڈانل لفٹنٹ گورنر کا عہدِ حکومت تھا کونسل کے ممبروں میں باؤ سری رام صاحب بھی ایک ممبر تھے۔ اس زمانے میں ایک شخص مولوی ہدایت رسول اہلسنت کے خاندان سے تھے وہ شہر لکھنؤ میں گول دروازے کے قریب اکثر شیعوں اور گورنمنٹ کے مخالف وعظ کہتے رہتے تھے سُنی عوام النّاس پر ان کا اچھّا خاصہ اثر تھا وبائے طاعون کے دفعیّے کی غرض سے جب حکام سرکاری کیطرف سے اور منجانب میونسپلٹی یہاں انتظام شروع

ہوا تو چند ڈاکٹر بنا بر نگرانی مرضائے طاعون مقرر کئے گئے اور آبادی سے علیحدہ میدان میں چھپر وں کے مکان بنوا دیئے گئے تاکہ طاعونی مریض وہیں رکھے جائیں مکانات کے سنڈاسوں کے بند کئے جانے اور تارکول سے پُتے ہوئے گملے قدمچوں میں رکھے جانے کے احکام صادر ہوئے اِن جدیداحکام کیوجہ سے پبلک میں ایک عام بےچینی رونما ہوئی۔ مولوی ہدایت رسول نے اسکے متعلق تقریریں کرکے ایک روز مکمّل ہرتال کرادی شہر بھر کی دکانیں بند ہوگئیں اور جوق جوق لوگ جاکر شاہ مینا کے میدان میں جمع ہوئے۔ چنانچہ حکومت کو اسکی خبر ہوئی اور اُس نے بابو سری رام کو بھیجکر عوام کے جذبات کو ٹھنڈا کرایا۔ اُنھیں واقعات کے متعلق ظریف مرحوم نے زبانِ ہندی میں یہ نظم بطور "آلھا" کہی تھی۔

(صفی عفی عنہ)

اس مبسوط نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے

سنہ ۱۹۰۵ء

نظم نمبر ۲ — **سیاحت ظریف** — تعداد اشعار ۱۴

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان مفعولُ فاعِ لاتُ مفاعیلُ فاعِ لات یا فاعلن

۱۔ مقبول جب وطن سے سفر کو بلا چلے — ہمراہ سب عزیز چلے آشنا چلے
کچھ لوگ ساتھ کان میں پڑھ کر دعا چلے — خواہش کسی کی یہ تھی کہ ساتھی چلا چلے
پہونچے جو ریل گھر پہ بڑا اژدحام تھا
مائل معانقے پہ ہر اک خاص و عام تھا

۲۔ آثار غم ہر ایک کے چہرے سے تھے عیاں — باچشم تر کھڑا تھا الگ کوئی نوجواں
بولے بزرگ بھیجنا جلدی سے خط میاں — کوئی لپٹ کے بولا کہ جاتے ہو بھائی جاں
گھنٹے روانگی کے جو کم ہوتے جاتے تھے
کچھ ٹھنڈی سانسیں بھرتے تھے کچھ روتے جاتے تھے

۳۔ بولا کوئی خدا کہیں جلدی وہ دن دکھائے — لینے کو آپ کے یوہیں ہر شخص یاں پھر آئے
ہر ایک چاہتا تھا دوبارہ گلے لگائے — کوئی بسورتا تھا تو منہ تھا کوئی بنائے
جب لے چکے ٹکٹ تو سبھوں کا یہ حال تھا
ظاہر ہر ایک چہرے سے رنج و ملال تھا

۴۔ کچھ ریل گھر کا حال کروں مختصر بیاں — وہ نونجے کا وقت وہ ہنگامے کا سماں
قلیوں کا لاد لاد کے لانا وہ پیٹیاں — بجنا وہ گھنٹیوں کا وہ انجن کی سیٹیاں
گڑبڑ مسافروں کی بھی اک یادگار تھی
عورت پہ مرد مرد پہ عورت سوار تھی

۵
القصہ ریل جب سوئے جھانسی رواں ہوئی | اور شکل لکھنؤ کی نظر سے نہاں ہوئی
جو تھرڈ میں تھے انکے لئے بھی اماں ہوئی | بنچوں پہ دھکے کھا کے جگہ کچھ عیاں ہوئی
پہونچی جو کانپور تو پھر گڑبڑی ہوئی
ٹھہری جو تھوڑی دیر تو پھر چل کھڑی ہوئی

۶
ٹھہری اوری میں جھانسی میں پھر جا کے دم لیا | بینا میں پانی پینے کو چلا کے دم لیا
بھوپال تال پہونچی تو گھبرا کے دم لیا | واں سے اٹارسی میں جگہ پا کے دم لیا
کھنڈوے میں تھوڑی دیر ٹھہر کر رواں ہوئی
منماڑ میں جو صبح کو پہونچی اذاں ہوئی

۷
واں سے اگت پوری پہ ذرا سا کیا قیام | کلیان جا کے تھوڑے ہی عرصے ہوا مقام
تھا تیسرا پہر نہ بخوبی ہوئی تھی شام | چھوٹا جو ساتھ ریل کا ہم سب سے والسلام
یعنی سوادِ بمبئی اُسدم نظر پڑا
ٹھہری ٹرین اک ایک مسافر اُتر پڑا

۸
ساقی کر ایک چائے کا سنگل عطا مجھے | اور رَوس بھی گزک کی جگہ تو کھلا مجھے
دینا نہ پتی پونے کی دے ماندڑا مجھے | لیمو کی باٹلی کا چکھا دے مزا مجھے
بیڑی وہ دے کہ دودِ جگر کا مزا ملے
کچھ تو یہاں کے سیر و سفر کا مزا ملے

۹
لے چل اپالو کی طرف اب مجھکو بہر سیر | گھبرا رہا ہے دل مرا چوپاٹی کے بغیر
دکھلا دے پون چکی مجھے تیرے دم کی خیر | لے چل ٹریموے پہ نہ جاؤں گا پیر پیر
وکٹوریا پہ مجھ کو چڑھا کر پھرا کہیں
جلدی گرانٹ روڈ کی صورت دکھا کہیں

۱۰

کچھ بمبئی کا حال کروں مختصر بیاں — چوڑی سڑک دو رویہ کئی منزلے مکاں
ہر سو ملوں کا شہر میں پھیلا ہوا دھواں — ہر ایک مالے کے لیئے دس بیس سیڑھیاں
کمرہ ہر ایک کاٹھ کا پنجرا سلا ہوا
ہر ایک مکیں پھندیت ہو جیسے پلا ہوا

۱۱

بیٹھے اُٹھے وہیں پہ وہیں کھانا بھی پکائے — منہ ہاتھ دھوئے چاہے وہیں بیٹھکر نہائے
سونے کے واسطے نہ مسہری اگر بچھائے — پھیلیں نہ پیر گنڈلی جو مارے تو واں سمائے
ایسی جگہ پہ گر کہیں رہنے کو جا ملے
انساں کو زندگی میں لحد کا مزا ملے

۱۲

یوں دیکھنے کو شکل میں انساں ہزار ہا — دس بیس آدمی ہیں تو حیواں ہزار ہا
ایماں فروش صاحبِ ایماں ہزار ہا — پیرِ مُغاں کے چیلے مسلماں ہزار ہا
جن کو نہیں تمیز عذاب و ثواب کی
کرتے ہیں پیروی دلِ خانہ خراب کی

۱۳

کچھ روز بمبئی میں ہمارا ہوا قیام — خط بھیجے واں سے لکھنؤ سب دوستوں کے نام
جس کے لیئے قیام تھا جب ہو چکا وہ کام — اُمراؤ مرزا بھی گئے گھر آکے والسّلام
کونسل سے پاسپورٹ کا سرٹیفکٹ لیا
مختار نامہ ہو کے مکمّل ٹکٹ لیا

۱۴

اشیا سفر کیواسطے کچھ مختصر سے لائے — کمرہ بھی خود جہاز پہ ہم جا کے دیکھ آئے
جانے کو پنجشنبہ کی ٹھہری جو سب کی رائے — بدلا لباس خط بنا حمام میں نہائے
شب بھر یہی خیال رہا نیند اُچٹ گئی
کچھ سوئے کچھ نہ سوئے یوہیں رات کٹ گئی

۱۵
بائیس فروری کی سحر جب عیاں ہوئی اُٹھے سویرے جیسے ہی ظلمت نہاں ہوئی
گو سب ضرورتوں سے فراغت کہاں ہوئی مُنہ ہاتھ دھونے پائے تھے ہم جب اذاں ہوئی
اسباب باندھ بوندھ کے ہشیار ہو گئے
گاڑی بُلائی چلنے کو تیار ہو گئے

۱۶
گودی پہ جب کہ پہونچے تو دیکھا یہ ماجرا انبار چار سمت ہے اسباب کا لگا
بیٹھا ہے اور کوئی مسافر کھڑا ہوا کوئی یہ کہہ رہا ہے قلی سے کہ جلد لا
دس بج چکے تھے دن کے ہر اک بیقرار تھا
بس ڈاکٹر کے آنے ہی کا انتظار تھا

۱۷
اک سائبان جست کا ہو گھاٹ پر پڑا گویا مسافروں کے ٹھہرنے کی ہے وہ جا
ہے اک طرف کو اسمیں کٹہرا لگا ہوا اک سمت کو ہے ٹاٹ کا پردہ علیحدہ
مردوں کو ٹھہرنے کی جگہ اک جُدا ملی
پردے میں عورتوں کو اقامت کی جا ملی

۱۸
شوہر سے زوجہ زوجہ سے شوہر الگ الگ بھائی بہن سے بھائی سے خواہر الگ الگ
مادر سے بیٹا بیٹے سے مادر الگ الگ بیٹی سے باپ باپ سے دختر الگ الگ
ہے اصل یہ بجا نہ کسی کے بھی ہوش تھے
یہ حال دیکھتے تھے مگر سب خموش تھے

۱۹
لو ڈاکٹر بھی آ گیا قصہ ہوا تمام اک میم ساتھ ساتھ لیئے باصد احترام
باہر بچھا کے میز اُنھوں نے کیا قیام پردے میں لیڈی آئی تعجب کا ہے مقام
بیکار اتنے وقت کو برباد کر دیا
ہر اک کی نبض دیکھ کے آزاد کر دیا

۲۰

پہلے اُنھیں دیا گیا اک سارٹیفکٹ اوّل دوم جہاز میں جن کا کہ تھا ٹکٹ
پھر تھرڈ والے جتنے تھے اُنسے ہوئی جھپٹ چڈھے ٹٹولے سینے کو دیکھا اُلٹ پُلٹ
بیچارے تھرڈ والوں کو پرچے کہاں دیے
بھیڑوں کی طرح آدمیوں پر نشاں دیے

۲۱

ہنگامہ وہ جہاز پہ چڑھنے کا الحذر تھے پاس پر کسی کو کسی کی نہ تھی خبر
پُل تختہ لاکے رکھدیا پانی میں تربتر کانسٹبل کھڑا تھا جہاں سے تھی رہگذر
جو بے نشاں تھے اُن کو نہ بڑھنے کا حکم تھا
جن کے نشان تھے اُنھیں چڑھنے کا حکم تھا

۲۲

پہونچا ہر اک جہاز پہ جس طرح ہو سکا لیکن کہیں پہ ملتی نہ تھی بیٹھنے کی جا
اسباب چار سمت تھا پھیلا پڑا ہوا سُنتا نہ تھا کوئی جو کوئی تھا پکارتا
بُرقع میں عورتیں تھیں مگر غیر حال تھا
ریلا وہ تھا قدم کا ٹھہرنا محال تھا

۲۳

کچھ کھنڈ ہیں بھرے گئے اسباب کی طرح کچھ بیقرار ہو گئے سیماب کی طرح
اِک جا پہ کچھ سما جو گئے آب کی طرح کچھ گھومتے ہی رہ گئے گرداب کی طرح
جب تک چلا جہاز نہ ممکن اماں ہوئی
لنگر اُٹھا تو شکل فراغت عیاں ہوئی

۲۴

گودی میں جتنی دیر کہ ٹھہرا رہا جہاز سب بھر گیا مسافروں سے ڈاک کا جہاز
ہر اک کی جان کے لیے تھا اک بلا جہاز سیٹی ہوئی نشان چڑھا، لو چلا جہاز
گڑبڑ مٹی تو شکل فراغت نظر پڑی
لنگر اُٹھا تو جائے سکونت نظر پڑی

۲۵

اسباب بھی قرینے سے ہونے لگا تمام
رو کے ہوئے تھا بیٹھنے کی جو کہ جا تمام
جن کا کہ پھرتے پھرتے بس اب کام تھا تمام
گھس پل کے بیٹھ ہی گئے قصہ ہوا تمام
صندوق بھی قرینے سے سب نے لگا لیئے
اور لیٹنے کے واسطے بستر بچھا لیئے

۲۶

بیٹھے ہوے سبھوں کو نہ گزرے تھے دوپہر
پہونچا جہاز قبے کے اندر ہوا گذر
موجوں کا اُٹھنا اور وہ تلاطم کہ الحذر
بیخود ہوئے یہ سب کہ نہ اپنی رہی خبر
قے سے مسافروں کا بہت غیر حال تھا
چکر وہ تھا کہ سر کا اُٹھانا محال تھا

۲۷

اُو اُو کی آرہی تھی ہر اک سمت سے صدا
سر پکڑے کوئی بیٹھا تھا کوئی پڑا اہا
کپڑے لتھڑ پتھڑ تھے کسی کا یہ حال تھا
کوئی یہ کہہ رہا تھا خبر لو کہ میں چلا
مُنہ تو کھُلا ہوا تھا، مگر آنکھیں بند تھیں
چاروں طرف سے قے کی صدائیں بلند تھیں

۲۸

بیٹھے سے اُٹھ کھڑا ہو کسی میں نہ حال تھا
مُنہ دھونا کیسا کُلی کا کرنا وبال تھا
کیسا ہی تندرست ہو لیکن نڈھال تھا
حد ہو گئی تھی بات کا کرنا محال تھا
قے کے سوا دہن سے نکلتی صدا نہ تھی
بھوکے تھے سب کسی کو میسر غذا نہ تھی

۲۹

انگریز کرتے رہتے ہیں دریا کا گو سفر
دیکھو اگر تو انکو تلاطم سے کیا ضرر
لیکن یہاں یہ حال تھا قبے میں آن کر
صاحب سے میم میم سے صاحب تھے بے خبر
کمرے میں وہ پڑی تھی یہ کرسی پہ لیٹے تھے
رومال اپنی جیب کا مُنہ سے لپیٹے تھے

۳۰
القصہ ایک حال میں تھے خورد اور کلاں   کوئی پڑا تھا اوندھا یہاں پر کوئی وہاں
چلا رہا تھا کوئی کہ فریاد و الاماں   کوئی تڑپ رہا تھا تو تھا کوئی نیمجاں
عشاق جاں بلب تھے وہ سرگرم ناز تھا
معشوق کے لباس میں ڈِمرا جہاز تھا

۳۱
شکرِ خدا کہ مجھ پہ نہ مطلق اثر ہوا   اسواسطے کہ میں کہیں بیٹھا نہ ایک جا
گھوا جو سر بھرنے سے اُٹھا چلا پھرا   ٹہلا کبھی اِدھر تو کبھی اُسطرف گیا
ہوش و حواس ٹھیک تھے قائم مزاج تھا
چلنا ہوا تھا نسخہ مناسب علاج تھا

۳۲
کچھ مانڈوے میں دوسرے دن دوپہر ڈھلے   ٹھرا جہاز جن کو اُترنا تھا وہ چلے
ڈر تھا یہی کہ اور مسافر کہیں نہ لے   اُٹھ بیٹھے وہ بھی جو کہ پڑے تھے مَلے دَلے
ہوش و حواس سب کے ٹھکانے یہاں ہوے
دو گھنٹے یاں قیام کیا پھر رواں ہوئے

۳۳
کچھ مانڈوے سے چلکے کراچی میں ایکبار   اِک دن کے بعد سب کو میسّر ہوا قرار
لندن کی ڈاک کا جو یہاں پر تھا انتظار   دو روز تک کھڑا رہا ڈمرا بصد وقار
اُس جا پہونچ کے تازہ مصیبت میں سب پڑے
یعنی قرانطینے کی آفت میں سب پڑے

۳۴
اُترے مسافر اور قرنطینے میں چلے   دکھلایا ڈاکٹر کو سبھوں نے کھڑے کھڑے
چھاپے گئے دوبارہ مسافر جہاز کے   انجن میں بعض لوگوں کے کپڑے دیے گئے
القصہ دیکھ بھال کے داں سے رہا ہوئے
پھر آکے سب جہاز پہ یاں ایک جا ہوئے

۳۵
تھیں جن کے ساتھ عورتیں اُنکا نہ پوچھو حال
لے جانا اور لانا تھا اک جان کا وبال
سیڑھی سے اُن کو لے کے اُترنا تھا اک کمال
بے پردگی کا دھیان نہ پردے کا تھا خیال
یہ پردہ داری جان کے اوپر عذاب تھی
اِن عورتوں سے مردوں کی مٹی خراب تھی

۳۶
کہتی تھی کوئی لومرا برقع اٹک گیا
ہے ہے نیا تھا تین جگہ سے مسک گیا
صاحب سنبھالو سر سے ڈوپٹہ کھسک گیا
لو پائنچہ اُلجھ گیا مقنع سرک گیا
کیا گت بنی ہے سب کی نگوڑے جہاز پر
پھسلن ہے کس غضب کی نگوڑے جہاز پر

۳۷
لو بیوی پاندان کا ڈھکنا بھی گر گیا
آفت پڑے جہاز پہ کتھا بھی گر گیا
توبہ ہے میرے بچے کا بوا بھی گر گیا
اے لو نگوڑے طوطے کا پنجرا بھی گر گیا
کشتی پہ بقچی رہ گئی ہے ہے غضب ہوا
بٹیا کی ٹوپی بہ گئی ہے ہے غضب ہوا

۳۸
لو گو مرے مقابہ کی ڈبیا کدھر گئی
کجلوٹی میرے بچے کی خالا کدھر گئی
ا جی بتاؤ لڑکے کی آنا کدھر گئی
کھیلے گی بچی کا ہے سے گڑیا کدھر گئی
چیزوں پہ پانی پھر گیا کیسا ستم ہوا
لو میرا بٹوا گر گیا کیسا ستم ہوا

۳۹
چاندی کی لو سلائی مری کھو گئی موئی
ہلڑ نگوڑ مارا یہ کا ہیکا ہے دوئی
ہے ہے نکالی کس نے تیلے دانی سے سوئی
ناخون کاٹنے کی مری قینچی کیا ہوئی
لڈن کے گھونگرو بٹو کی چھاگل بھی گر گئی
لو میرے سر کے تیل کی بوتل بھی گر گئی

۴۰

کیا جھوٹی سیڑھیاں ہیں نگوڑی خدا کی مار ایسا جہاز نوج ہو در گور دور پار
ہلتی بھی ہیں نگوڑیاں جن کو نہیں قرار رسّی میں ڈنڈے باندھ دیے ہیں گجے پانچ چار
زینہ نگوڑ ماروں نے کیسا بنایا ہے
یہ تو مُوؤں نے نٹ کا تماشا بنایا ہے

۴۱

کپتان سے کوئی نہیں کہتا کہ کیوں موئے بھر مُٹھی دام تو نے تو ہم سب سے لے لیے
روکا وہاں جہاز کنارے کو چھوڑ کے آ آ کے جس جگہ پہ ستاتے ہیں رکہ چڑھے
بیوی کی جھاڑو ایسے موئے بدمعاش پر
اُترے یہاں پہ کوئی کہاں اُس کی لاش پر

۴۲

ننھی سی یہ کولکیا اور اتنی بڑی چڑھائی پیروں سے نکلی جاتی ہے پھسلن سے زیرپائی
ہے ہے نگوڑی بھیگ گئی سب نئی رضائی بیوی وہ بندی ایسی زیارت سے باز آئی
قربان جاؤں اے مرے مولا بچائیے
لونڈی کو اپنی آن کے آقا بچائیے

۴۳

پہونچوں گی ابھی گرچہ اصل خیر سے میں گھر بیوی اُینٹھے کان کرونگی نہ پھر سفر
قسمت میں کھانا ٹھوکریں لکھا تھا در بدر ہچکولے مجھکو یاد رہیں گے یہ عمر بھر
وہ کون لوگ ہیں کہ جو آتے ہیں بار بار
سچ ہے بلا کہ گھر ہے غنیمت ہزار بار

۴۴

ہو جان بھاڑ جس کو وہ ایسا سفر کرے دیدے کا پانی جس کے ڈھلا ہو نہ وہ ڈرے
اور پڑنے والی تو موئی بے موت ہی مرے یا تو اُٹھا کے پڑے ہی کو طاق پر دھرے
مردوں کا حوصلہ نہ جہاں پر وفا کرے
نکلی نہ ہو جو گھر سے بچاری وہ کیا کرے

۴۵
اک اور قافلہ تھا اسی پر خدا کی شان
چھوٹے بڑے منجھولے برابر خدا کی شان
مادائیں جن کی شانیاں نر خدا کی شان
ہیں جن کے گھر کے چوہے چھچھوندر خدا کی شان
گر ہم سے پوچھتے ہو تو انسان کون تھا
دو بی بی ڈالا یا درہا شان کون تھا

۴۶
دس بارہ چھوٹے چھوٹے شتو بچے بھی ہمرکاب
دو چار شانیوں کے منہ پر پڑی نقاب
کچھ نیلی بھوری بڑھیاں لگائے ہوئے خضاب
حلقے میں ان سبھوں کے تھے وہ آسمان جناب
غُلّہ سی آنکھیں اُنہیں بھی کاجل گھُلا ہوا
کلّے میں تھی گلوری مگر مُنہ کھُلا ہوا

۴۷
چیں پیں وہ بال بچّوں کی وہ اُن کا انتشار
لے لیکے گود میں اُنھیں چڑھنا وہ بار بار
سیڑھی پہ بیٹھ بیٹھ کے چیخ چیخ کے پکار
میلا لبادہ چھینٹ کی کہنہ سی اک ازار
ٹوپی دو پلّی خاک میں بالکل اَٹی ہوئی
اس سے بھی بے خبر کہ میانی پھٹی ہوئی

۴۸
غل بل وہ گفتگو میں وہ سچ جس میں لاکھ جھوٹ
وہ پیک کا نگلنا کہ شربت کے جیسے گھونٹ
رُک رُک کے بات کرنا کہ جملہ نہ جائے چھوٹ
دو بی بیاں تو ساتھ مگر اُن میں ایسی پھُوٹ
اک اپنا راگ گاتی تھی اک اپنا گاتی تھی
روتی تھی ایک دوسری طبلہ بجاتی تھی

۴۹
دو چار بکس چیڑ کے ہمراہ بے کڑے
گھٹے لحاف تو شکیں دس بیس پوتڑے
دریاں چٹائی ٹاٹ مگر سب سڑے سڑے
برتن تمام گھر کے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے
چولھا بھی تھا انگیٹھی بھی ہمراہ آئی تھی
پھُکنی تو اتھا دست پناہ اور کڑھائی تھی

۵۰
لڑتی تھیں بی بیاں میاں کھانا پکاتے تھے
بچوں کا جا کے آپ ہی گو بھی دُھلاتے تھے
اور بی بیوں کو گاہ سمندر دکھاتے تھے
خود اپنے مُنہ سے آپ ہی فرماتے جاتے تھے
کھانے کا سب پکانا یہ میرے ہی ہاتھ ہے
جی ماشاء اللہ میرا بڑا اچّا ساتھ ہے

۵۱
ہر اک کو یہ سُناتے بھی جاتے تھے بارہا
ممکن ہوئی نہ جنس بہت ڈھونڈھتا رہا
چھٹ پن سے مجھکو شوق اسی بات کا رہا
کھانے پکانے آتے ہیں مجھکو ہزار ہا
زردہ پلاؤ کھیر پر اچھے پکاتا ہوں
اور میں کباب بیس طرح کے پکاتا ہوں

۵۲
چٹنی اچار کا تو بنانا ہے میرا کھیل
حلوائیوں میں بیٹھوں تو کھا جائیں مجھسے میل
بڑھ جائے گھی سے کھانے میں ڈالوں اگرچہ تیل
پاجاؤں جنس گر تو ہو کھانے کی ریل پیل
سو نعمتیں میں روز کھلاتا چلا چلوں
اب دیکھئے گا آپ ذرا کربلا چلوں

۵۳
راویِ معتبر نے ہمیں دی ہے یہ خبر
رہنے تو سال بھر یہ یہاں آئے تھے مگر
تعجیل سے پلٹ گئے اسواسطے یہ گھر
شانِ خدا اسے دل میں سمایا ہوا تھا ڈر
نوروز کے زمانے میں ٹکنا محال ہے
بُرجِ حمل میں زوجہ کے اک نونہال ہے

۵۴
راہیں بلند و پست ہیں بیگم ہیں ناتواں
ڈولی فنس کا منزلوں ملتا نہیں نشاں
جھکڑے سے ہیں خراب جو چلتی ہیں گاڑیاں
ہے چڑھ اُتر میں اُنکو اِسی بات کا گماں
گاڑی کے جھٹکے کھا کے نہ بچہ پھسل پڑے
ایسا نہ ہو کہیں یہ شنوچہ نکل پڑے

۵۵
پھر کیا کروں گا گھٹی کہاں سے میں لاؤں گا　　دائی کہاں سے وقت پہ جا کر بلاؤں گا
کس کونے میں زچہ کو یہاں میں بٹھاؤں گا　　کس جا سے نال کاٹنے کا چاقو پاؤں گا
خنجر سے کاٹوں نال تو وسواس آتا ہے
دیکھوں خدا سفر میں مجھے کیا دکھاتا ہے

۵۶
گو گھر سے باندھ لائی تھیں بیگم یہ پوٹلی　　کھا کر ہوا جہاز کی کچھ اور بڑھ گئی
مشکل اُٹھانا ہو گیا جب وہ بڑی ہوئی　　بیگم پہ بوجھ ہے مرا گھبرا رہا ہے جی
برقع میں گو چھپائے ہیں لیکن وبال ہے
اس سے زیادہ اُن کو تحمل محال ہے

۵۷
بچے کو اشتیاقِ زیارت سمایا ہے　　ننھے میں ماں کے پیٹ کے بہہ کر یہ آیا ہے
اس نے قرانطینہ زیادہ اُٹھایا ہے　　اب آٹھواں مہینہ ہے یہ بوکھلایا ہے
گھبرا رہا ہے اس سے مچلنے کو کہتا ہے
وہ رو رہی ہیں اور یہ نکلنے کو کہتا ہے

۵۸
اوّل تو اس سبب سے پلٹنا اِنھیں پڑا　　اور دوسرے وہ کام بھی انجام پا گیا
جس کا اُٹھا کے آئے تھے بیڑا یہ باحیا　　یعنی نکاح ارضِ مقدس پہ ہو مرا
صیغہ مکاں پہ جو ہوا اسکی سند نہیں
ہندوستاں کی بات کوئی مستند نہیں

۵۹
میں کربلا جو قصدِ زیارت سے جاؤں گا　　پچھلے گناہ جوڑے کے سب بخشواؤں گا
دولہن نئے سرے سے دوبارہ بناؤں گا　　سب کی نکاح نامے پہ مہریں کراؤں گا
خادم وہ جس کو مشق ہو عقد و نکاح میں
میری مدد کریگا اس امرِ مباح میں

منت بھی عقد زوجہ ثانی سے گر ہوا — میں کربلا تو خیر نجف کو نہ جاؤں گا
پلٹوں گا کاظمین جو بر آیا مدّعا — ٹھہروں گا پھر کہیں نہ اگر عقد ہوگیا

سیدھا یہاں سے اپنے وطن ہی کو جاؤں گا
سب کو نکاح نامہ کا کاغذ دکھاؤں گا

۹۱

حمّالۃ الحطب کی دو ورقی میں ہے لکھا — قبل از نکاح بیوی کا انکی یہ حال تھا
یعنی کبھی کبھی انھیں شک تھا اس امر کا — پہلے سے تنکل پیٹ کی کچھ ہے علیحدا

یارب کہیں نکاح کا جلد انتظام ہو
ڈر ہے متاعی والا نہ بچے کا نام ہو

۹۲

اللہ رکھے نسل میں دھبا نہ آنے پائے — یہ کربلائی ہولیں تو جننے کی بار آئے
جھیلیں مصیبتیں نہیں یاں تک اسی سے لائے — عزت کب انکی ہوئے گی بے عقد کے پڑھائے

کہتا ہے عدل یہ بھی نہ محروم یوں رہے
پہلی سے بیوی دوسری کیوں سرنگوں رہے

۹۳

رکھے حسین آباد کو آباد کبریا — جس کے سبب سے آگیا میں تا بہ کربلا
رہبر بھی عقد کے لیئے دلخواہ ملگیا — اب کیوں نہ عقد ہو مجھے کرنا ہے صرف کیا

جب ہو ٹکا گرہ میں نہ فیاضی ہے فضول
دو دل اگر ہیں راضی تو پھر قاضی ہے فضول

۹۴

بیوی ہے ساتھ مفت کی اور مولوی ہو مفت — ہر سو ضیائے دیں کی یہاں روشنی ہے مفت
سارے گواہ مفت کے تحریر بھی ہے مفت — ایام اربعین ہیں یہ دلگی ہے مفت

اب بھی نہ عقد ہو تو بڑا بد نصیب ہے
بچہ ملے گا مفت ولادت قریب ہے

۶۵
ساقی پلا دے جائے کا فنجان اَب مجھے
بجام دے جگارہ پلا، یا شطب مجھے
صیغہ پڑھوں نکاح کا ہے مستحب مجھے
مجبور کر رہے ہیں احبا بھی سب مجھے
گو خوف ہے کہ واقعے میں طول ہو نہ جائے
بارِ گراں یہ قصۂ مقبول ہو نہ جائے

۶۶
اَنکحت کرلا بائی علی مہر ڈیڑھ لاکھ
پڑھ کر قبلت شان نے کہا مہر ڈیڑھ لاکھ
صیغہ پڑھا یوہیں جو بندھا مہر ڈیڑھ لاکھ
ہم نے بھی راویوں سے سُنا مہر ڈیڑھ لاکھ
آیا ہے یہ حدیث میں سنت قلیل ہے
ہو جب کثیر مہر تو عورت ذلیل ہے

۶۷
اب کچھ نکاح نامے کے جملے کروں ادا
من بعد حمدِ حضرتِ خلّاقِ دوسرا
نعتِ جنابِ احمدِ سردارِ انبیا
مدحِ علیؑ وصیِّ نبیؐ دستِ کبریا
اِک شان والا چھوٹا سا مردِ سخی ہوں میں
اقرار ہے صحیح کہ بیشک وہی ہوں میں

۶۸
میں شان ابنِ شان ہوں میرے چچا بھی شان
ننھیال کا بھی شان ہوں ددھیال کا بھی شان
ہے شان سارے کنبے میں خالو پھوپھا بھی شان
اس گھر کا چھوٹا شان تو بوڑھا بڑا بھی شان
ہے شن شناہٹ ایسی کہ واقف جہان ہے
سارے جہاں کی میرے ہی حصے میں شان ہے

۶۹
بندہ اسی سبب سے پریشان حال ہے
یا شان چار سمت سب اسباب ڈال ہے
کاشان کے قریب مری نانہال ہے
ہے اِک نشانِ جہل یہ مجھ میں کمال ہے
افشان ماتھے پر مری بیگم لگاتی ہیں
گویا یہ میری شان کی صورت دکھاتی ہیں

۶۰

اللہ رکھے عقد کیا کربلائی سے	اور مہر ڈیڑھ لاکھ یہ باندھا صفائی سے
موقع پہ بخشواؤں گا سب آنے پائی سے	مجھ سے نہ کچھ ہوا تو مدد لوں گا بھائی سے

پہلے تھا جبر اب مجھے منظور ہے ضرور
اس دن سے بندہ بیوی کا مزدور ہی ضرور

۶۱

چاہے لگائیں جوتے میں بے عذر کھاؤں گا	مجھکو نکالیں گھر سے بھی تو میں نہ جاؤں گا
گر یہ سوار ہوں تو میں ڈولی اٹھاؤں گا	تا عمر اِنکے واسطے کھانا پکاؤں گا

حمام یہ کریں تو میں نہلاؤں گا اِنھیں
گھبرائے انکا جی تو میں بہلاؤں گا اِنھیں

۶۲

دیویں طلاق یہ مجھے پر میں نہ چھوڑوں گا	اِن کے پڑوں گا پیروں پہ اور ہاتھ جوڑوں گا
میں ان سے اتحاد کا رشتہ نہ توڑوں گا	یہ کاٹیں میری ناک میں لیموں نچوڑوں گا

جو چاہیں یہ کریں مجھے منظور ہے تمام
دُکھڑا نکاح نامہ میں مسطور ہے تمام

۶۳

لکھا نکاح نامہ ہوا عقد بھی تمام	ہندوستان ہوتا تو تھا ڈومنی کا کام
ٹونے وہ گاتی بنتے یہ بیوی کے خود غلام	مصری بھی کھاتے جوتی پہ رکھ کر یہ تلخ کام

سہرا بندھا نہ کنگنا میسّر یہاں ہوا
جلدی میں ہائے آرسی مصحف کہاں ہوا

۶۴

گر پوچھتے ہیں آپ تو کہتا ہوں صاف صاف	دو بار ایک ہی سی ملی لذّتِ زفاف
دولھا بھی بے حجاب ہے دولہن بھی خوش غلاف	ایسا نکاح ہو گا بہت کم خطا معاف

پہلے جو مستحب تھی وہی اب مباح ہے
انگریز جس پہ رشک کریں وہ نکاح ہے

۷۵ اس قافلے کا حال تو سب ہو چکا رقم — سچ تو یہ ہے بجائے خوشی کے ہوا الم
دنیا میں ایسے لوگ بہت ہی ملیں گے کم — حرمت کا جن کو پاس نہ بے عزّتی کا غم
ہم ایسے ہی شریفوں کی حالت پہ روتے ہیں
جو اپنے اہلِ شہر کی عزّت ڈبوتے ہیں

۷۶ تھے اور بھی جہاز پہ اک مردِ نوجواں — کچھ عورتیں بھی ساتھ انھیں لے آئے تھے میاں
دیہاتی پن تھا آپ کے چہرے ہی سے عیاں — بوکھل پنا بڑھا ہوا اتنا کہ الاماں
ہم دل میں سوچتے تھے بھلا کیا کہیں انھیں
اللہ میاں کی گائے کا بچھڑا کہیں انھیں؟

۷۷ سر پر تھے تھوڑے تھوڑے کبیر کی طرح بال — وہ میٹھی میٹھی باتیں حماقت کے وہ سوال
کولے ہلا ہلا کے وہ چلنا مٹک کے چال — تھے بیوقوف یہ کہ سراپا تھے گول مال
میلا سا کرتا اس کا گریباں کھلا ہوا
کوڑی سے دانت آنکھوں میں کجلا گھلا ہوا

۷۸ رہتے الہ آباد کے نزدیک ہیں حضور — یہ بھی خبر نہیں کہ کہاں پر ہے کانپور
نکلے مکان سے نہ کبھی تا سنِ شعور — وحشت میں سوجھی یہ کہ چلے آئے اتنی دور
اس طرح پر کہ عورتیں بھی ساتھ لائے تھے
اسباب اتنا جس سے کہ خود بوکھلائے تھے

۷۹ دو چار اور ساتھ تھے حضرت کے بانگڑو — ہوتا تھا لطف کانوں کو سن سن کے گفتگو
دیہاتی پن ٹپکتا تھا ہر شئے سے مو بمو — الّو کی طرح سب نگراں تھے چہار سو
مالک کے ساتھ اُن کے ملازم تھے اس طرح
گھگھو کے گرد الّو کے پٹھے ہوں جس طرح

٩٠ کہتا تھا کوئی اِن سے اَرے کاکہی میاں — ایسا سُسر جہاج نہ دیکھا نہ ہم سُناں
گُمرے رہے کا ٹھور یہاں اور ہم ہُواں — لیٹی کہاں یہ جائے کے بیٹھی کہو کہاں
عَربن کے بیچ ٹھونس دِہن ہم کا جائیکے
ہم کا بہت کلیس بھوا ساتھ آئیکے

٩١ ٹھہرا رون کا کمرے کے بھیتر نہیں گجار — گرمی ماں بکسی جات ہیں آوت نہیں بیار
تھوڑا سا ٹھور اُہ ماں گھسیٹرن ہیں پانچ چار — چھ سو پہ پانی بھر گوا اوپر کھُدا کی مار
کھلّا سین تاں کون سُنَت ہمری باتئے
کپتان سے کہی تو سسُر بھاڑ کھاتئے

٩٢ اِن سب میں اُن کے ایک مُلازم تھے ہوشیار — تھا تجربہ کہ پہلے بھی آئے تھے ایک بار
اس طرح ایک حبشی سے جاکر ہوئے دوچار — سنتا ہے بھائی کام کرے گا جو تم ہمار
تم کو طلب ملے گا اگر تم رہے گا ساتھ
تم نوکری کرے گا ہمارے چلے گا ساتھ

٩٣ بولا یہ سُنکے حبشی کہ شت گلی اے ہنود — مَا تَعرِفُ لِسَانَكَ رُح اَیُّهَا الجُهُوْد
ہوش اِن کے ایسے اُڑ گئے بھاگے وہاں سے کُود — کہنے لگے میاں سے کہ پڑھتا ہے وہ دُرود
چپکے الگ کھڑا ہوا میں بھی سُنا کیا
یہ اپنی ہانکتے تھے وہ اپنی کہا کیا

٩٤ القصّہ جب جہاز کراچی سے بھی چلا — میں نے دیا جو تار جواب اُس کا بھی مِلا
مسقط میں پہونچا دوسرکر دن اُہاں ٹھہر گیا — دو تین گھنٹے بعد ہی لنگر اُٹھا دیا
پچھلا پہر تھا اس کی کسی کو خبر نہ تھی
بوشہر پہونچا جس کی کسی کو خبر نہ تھی

۵۵
واں سے چلا تو بصرے میں آکر کیا مقام | یہ پٹنے کی جا ہے مصیبت کا ہے مقام
چھوٹا بڑا جہاز سفر ہو گیا تمام | داخل قرانطینے میں اب ہوں گے خاص و عام

یہ وہ جگہ ہے جس سے کسی کو مفر نہ تھا
بے پانچ دن گزارے کسی کا گزر نہ تھا

۵۶
مارچ کی دوسری کی سحر جب ہوئی عیاں | ٹھہرا جہاز آنے لگیں چھوٹی کشتیاں
آیا قرانطینے سے لینے کو پاسباں | کشتی پہ سب سوار ہوئے خورد اور کلاں

لے جا کے سب کو ایک ہی جا بند کر دیا
آزاد جو کہ تھے اُنھیں پابند کر دیا

۵۷
دریا کنارے چند مکانوں کی ہے قطار | ڈربے میں جس طرح سے سکونت گزیں چمار
سیلن غضب کی اور کثافت کا کیا شمار | پاخانہ جس کے سامنے شفاف و آبدار

چوہوں کی طرح پابہ گِل اہلِ زمیں تھے سب
تھے بُلبُلس مکان تو مہتر مکیں تھے سب

۵۸
لمبا سا سائبان چٹائی سے اک پٹا | سوراخ جا بجا تو کہیں سے بہت پھٹا
اونچی کہیں زمیں کسی جا پہ اک گڑھا | اہلِ قرانطینہ کے ہے دیکھنے کی جا

پہلے ہر ایک جا کے وہاں پر کھڑا ہوا
صندوق سب کے کھولے گئے جائزہ ہوا

۵۹
کچھ دیکھا کچھ نہ دیکھا کسی پر نشاں دیا | جو جی میں آیا بھاپ میں دینے کو لے لیا
پھر سب کو ایک لین میں سیدھا کھڑا کیا | کھڑکی کے پاس آؤ سبھوں سے کہا گیا

جو چاہا لے لیا نہ حساب و کتاب تھا
سرٹیفکٹ کا ملنا نہ تھا اِک عذاب تھا

۹۰ کونے پہ ایک چھوٹا سا دڑبا بنا ہوا / کچھ ٹوٹی پھوٹی کرسیاں میز اک بڑا سا تھا
چادر کے بدلے تولیہ اس پر تھا اک پھٹا / جس پر پرانا ردّی رجسٹر مریضوں کا
پوچھا اگر مکان یہ کس جانور کا ہے
سب نے کہا یہی تو مطب ڈاکٹر کا ہے

۹۱ کھوسٹ اک آدمی تھا نہایت دماغ دار / ترکی لباس چہرے سے نخوت تھی آشکار
دو اک جوان چیلے بھی تھے بہر کاروبار / افسر قرنطینے کا تھا یہ ہی نابکار
سُسرا ہوں بُو علی کا اُسے یہ خیال تھا
نخوت پکارتی تھی بڑا بے کمال تھا

۹۲ کاغذ کے ٹکڑے بانٹ کے جب لے چکا وہ زر / ہر اک کو تب یہ حکم سُنایا بہ کرّ و فر
کپڑے ہیں جن کے صاف وہ ٹھہرے رہیں ادھر / جن کے لباس میلے ہیں وہ سب چلیں اُدھر
جس جا ہے اک پرانا سا انجن کھڑا ہوا
اک گھونسلے میں ٹاٹ کا پردہ پڑا ہوا

۹۳ اس جا پہ سب کے کپڑے اُتروا لیئے گئے / لنگی کی جا پہ باندھنے کو چیتھڑے دیئے
سب کے لباس بھاپ میں انجن کے تر کیئے / اور مہتمم بھی دیکھ رہے تھے کھڑے کھڑے
کوشش سے ان کی سب کے مرض دُور ہو گئے
ننگا کھڑا جو دیکھا تو مسرور ہو گئے

۹۴ جب ہو چکے تمام یہ جھگڑے صفائی کے / اک مہتمم نے سب کو ٹھکانے بتا دیئے
سب اپنا اپنا آپ ہی سامان لے چلے / جس طرح مال جیل کے قیدی لیئے ہوئے
زندانیوں کو قید میں رہنے کی جا ہوئی
میعاد پانچ روز کی سب کو عطا ہوئی

۹۵
ہم نے قرنطینے میں پایا تھا جو مکاں
دروازہ ایک ایک طرف دو تھیں کھڑکیاں
تھی بورئیے کی چھانپ تو خرمے کی دھنیاں
چونا کبھی پھرا نہ بتاتے تھے یہ نشاں
رنگین شیشے بستوں کے کیا پُر بہار تھے
دیوار و در پہ جالے کے نقش و نگار تھے

۹۶
اک خانہ باغ چھوٹا سا تھا کھڑکیوں کے پاس
جس میں کبھی بہار نہ آتی تھی بارہ ماس
خرما ببول اور اسی طرح آم گھاس
کچھ چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں بھی اس میں سو پچاس
تھی بھٹکٹیا نرگس بیمار کی جگہ
کانٹوں کے ڈھیر پھولوں کے انبار کی جگہ

۹۷
تھوہڑ کے کچھ درخت تھے سرو سہی کی جا
طائر سوائے مکھیوں کے کوئی بھی نہ تھا
اور جائے آبشار تھا کیچڑ کا اک گڑھا
بد بو کے بقے اٹھتے یہ فوارہ تھا نیا
انساں کا جس کو دیکھ کے دل خود اداس ہو
وحشت نہ کیوں بڑھے جو چمن ایسا پاس ہو

۹۸
خالی نہ تھی وہاں کی تو حکمت سے کوئی بات
سردی یہ کھائیں اسلئے بے گھر تھے پانچ سات
کنڈی نہ گھر میں تھی کہ ہوا آئے ساری رات
اسباب و مال کی بھی حفاظت تھی واہیات
سو جائے ساری رات کوئی کیا مجال تھی
پہرا تھا پسوؤں کا بڑی دیکھ بھال تھی

۹۹
پسو ہر ایک ترکِ ستمگار کی طرح
چڑھ چڑھ کے خون پیتا تھا خونخوار کی طرح
پامال جسم کرتا تھا رہوار کی طرح
اکثر گلے پہ پھرتا تھا تلوار کی طرح
ڈنک اس کا تیز تھا کہیں مژگانِ یار سے
بسمل بنائے دیتا تھا ہر ایک وار سے

۱۰۰
کاٹا کمر میں دوڑ کے پہلو پہ آگیا   پسلی پہ ڈنک مار کے بازو پہ آگیا
پنڈلی پہ سر سرایا تو زانو پہ آگیا   چٹخا وہاں سے کاٹ کے گیسو پہ آگیا
گدّی پہ ایک ٹیپ جما کر نکل گیا
مثل خیال سر میں سما کر نکل گیا

۱۰۱
پہرا جو تھا پولس کا تو اُس کی یہ شکل تھی   رومال سر پہ اُس پہ اک انڈوی سی تھی چڑھی
وردی پرانی چیتھڑا بالکل سڑی گلی   رائفل میں جائے تسمے کے رسّی بندھی ہوئی
اوڑھے عبا تھا اور کوئی رنگے پیر تھا
کپڑا درست ایک بھی ہو یہ بخیر تھا

۱۰۲
شکل شریف ایسی کہ کنجر نثار ہو   صاف اسقدر صفائی کا مہتر نثار ہو
وہ حرکتیں کہ دیکھکے بندر نثار ہو   کپڑوں میں اتنی بو کہ چھچھوندر نثار ہو
دیکھا جو غور سے تو یہ وجہ تباہی ہیں
جنکے کو نام رکھدیا ایسے سپاہی ہیں

۱۰۳
ڈیوٹی کو اس طرح سے وہ کرتے تھے سب ادا   گہ بیٹھکر زمین پہ سگرٹ پیا گیا
بندوق دیکے اور کو گہ کوئی سو رہا   دیکھا کسی کو گرہے گلی ڈنڈا کھیلتا
بندوق رکھ کے ہاتھ سے یہ بھی جھپٹ پڑے
کشتی لڑی کسی نے تو یہ بھی لپٹ پڑے

۱۰۴
وہ ساتویں کی صبح رہائی کا وہ خیال   تکلیف جھیلنے پہ بھی چہرہ ہر اک بحال
اسباب کا سمیٹنا چیزوں کی دیکھ بھال   ہر اک کا قول شکر ہے اے ربِّ ذوالجلال
صدقہ دیا تو ہو گئی ردِّ بلا چلے
سب پسّوؤں کو دیدیا جب خوں بہا چلے

۱۰۵
جب دم قرانطینے سے قیدی ہوئے رہا — جس کا جہاں ٹھکانا تھا وہ اُس جگہ گیا
ہمراہ ہم حبیب کے آئے سوئے سرا — لیکن سرا میں رفع ضرورت کی تھی نہ جا
وہ لوگ اِس سرا میں رہے تھے جو آن کر
لینڈی ہر ایک شخص کی تھی آسمان پر

۱۰۶
ہوتا ہے اس سرا میں مسافر کا گر قیام — کوٹھے کی چھت سے لیتا ہے بیت الخلا کا کام
پیشاب کے لیئے بھی نہیں ہے کوئی مقام — گھٹیں سرا کہیں تو مناسب ہے اُسکا نام
پیشاب جائے آب تو مٹی براز ہے
اِس آب و گل سے ساری سرا سرفراز ہے

۱۰۷
کاٹے وہاں بھی سات پہر جس طرح ہوا — جب یہ سُنا کہ رومی جہاز آج آئیگا
تاخیر کے لحاظ سے فوراً ٹکٹ لیا — اسباب بھی جہاز پہ لیجا کے رکھ دیا
موصل برائے نام تھا صورت حرام تھا
ترکوں کا اُس جہاز پہ سب انتظام تھا

۱۰۸
جب ترک منتظم ہوں صفائی رہے کہاں — پاسنجروں کی پھنس گئی آفت میں آکے جاں
کثرت مسافروں کی تھی اتنی کہ الاماں — اور پھر کثافتوں کا وہاں کی ہو کیا بیاں
جو تھا سوار اُسپہ وہ از حد تبنگ تھا
صاف اسقدر جہاز تھا کیچڑ کا رنگ تھا

۱۰۹
پہلے پہل جہاز دُخانی جو تھا بنا — انجن اُسی زمانے کا اسمیں ہو شک ہی کیا
پُرزوں میں زنگ رسّی سے کوئی بندھا ہوا — ٹیمی جلائی جاتی ہے داں روشنی کی جا
کوئلہ برائے نام ہی اس میں جلاتے تھے
چلتے نہ تھے تو ہاتھ سے پُرزے چلاتے تھے

١١٠

انجینیر وہ ہند کا جیسے گدھا لُہار　　اوزار ٹوٹے پھوٹے وہ جن پر خدا کی مار
روغن کی جا یہ پانی کی ہر پُرزے پر پھوہار　　کپتان وہ کثیف کہ جیسے کوئی چمار
کپتانوں کا وہ نام ڈبوتا تھا رات دن
بہتا تھا خود جہاز وہ سوتا تھا رات دن

١١١

ہنگام شب جہاز چلائے یہ کیا مجال　　آندھی ہو اور ٹھہر وہ جائے یہ کیا مجال
سیٹی وہ رات دن نہ بجائے یہ کیا مجال　　پہونچے گا کب بھلا وہ بتائے یہ کیا مجال
پھنس جائے گر تو واں سے نکلتا تھا خود جہاز
اُسکو چلاتا کون تھا چلتا تھا خود جہاز

١١٢

کپتان سے زیادہ معلّم تھا ہوشیار　　دن بھر میں دیکھتا تھا ٹکٹ پانچ چار بار
کمرے میں اپنے بیٹھ کے پیتا تھا پھر سگار　　گہ راستہ ہی چلنے میں وہ کھیلتا شکار
بندوق لے کے داغنے لگتا تھا دائیں دائیں
گولی لگائی گر تو گئی آئیں بائیں شائیں

١١٣

کرمچ کی پال چھت پہ پڑی تھی اسی لیئے　　شبنم سے اور دھوپ سے انسان تا بچے
کیا کہیئے اُسکا حال زرا سُنیئے غور سے　　سائے میں کھولی جائے وہ جب دھوپ میں بندھے
برعکس اُسکو روز وہ مصرف میں لاتے تھے
دن بھر تو دھوپ رات کو شبنم کھلاتے تھے

١١٤

تھا دھوپ اور اوس سے سب کا عجیب حال　　بارش اگر ہوئی تو ہوا قہر ذوالجلال
تروا تمام کپڑے ہوئے بھیگا سارا مال　　مل جائے، جائے امن کسی کو یہ کیا مجال
تکلیف دھوپ کی تھی کبھی خوفِ آب تھا
سارا جہاز جان پہ سب کی عذاب تھا

۱۱۵
تنگی سے پائخانے کی کیوں قبض ہو نہ جائے — ڈبلا بھی ہو تو پھنس کے بمشکل وہاں سمائے
پیشاب آپ ہی کرے اور آپ ہی نہائے — وہ تیز بو دماغ پھٹے جس سے ہائے ہائے
چڑھ جائے دن تو بند اجابت کا باب ہو
جاؤ نہ رات ہی سے تو مٹی خراب ہو

۱۱۶
بیٹھا ہے ایک چین سے اک پیٹتا ہے در — لوٹا لیے ٹہلتے ہیں دو اک اِدھر اُدھر
دو اک ہگاسے بلطنے سے دو تڑپے بھد بھد — بولایا ایک آدھ تو ایسا کہ الحذر
القصہ روز شکل یہ پچھلے پہر سے تھی
کھٹ کھٹ اِدھر سے ہوتی تھی ہوں ہوں اُدھر سے تھی

۱۱۷
مشکل پڑی کسی کو تو یوں جا کے ہگ دیا — دروازے تک پہونچتے ہی گھبرا کے ہگ دیا
آخر کو انتظار سے تنگ آ کے ہگ دیا — دیکھا نہ پائخانے کو بولا کے ہگ دیا
پاخانے سے جو نکلا تو اُس کا یہ حال تھا
جوتا بھرے نہ گُو میں یہ امر محال تھا

۱۱۸
اکثر ہوا سے خستہ جو ہوتا تھا خود جہاز — خلاصی پھر دوبارہ بھگوتا تھا خود جہاز
قسمت پہ اپنی آپ ہی روتا تھا خود جہاز — تُرکوں کی آبرو کو ڈبوتا تھا خود جہاز
اس طرح بھیگ بھیگ کے گلتا تھا آپ ہی
کیچڑ سے خود جہاز پھسلتا تھا آپ ہی

۱۱۹
مارچ کی آٹھویں کو غرض چل کھڑا ہوا — پہونچا عمارے نو کو تعجب بڑا ہوا
دس کو علیٔ غربی میں دیکھا پڑا ہوا — گیارہ کو تھا نخیلے میں جیسے اڑا ہوا
بارہ کو راستے میں نہ ٹھہرا چلا گیا
بغداد پہونچا تیرہ کو شکر خدا کیا

۱۲۰

وہ راستے کا پھیر وہ چکّر کہ الحذر　　گھومو تمام روز مگر طے نہ ہو سفر
یعنی نشان سحر کو جو آئے کوئی نظر　　تا شام صدقے ہوتے رہو تم اِدھر اُدھر
اور پھر سحر کو دیکھو اسی جا پہ پاؤ گے
گھومو گے چار سمت کہیں بھی نہ جاؤ گے

۱۲۱

وہ صبح تیرھوؔیں کی وہ سردی کا زور شور　　ہر اک کا مُنہ چھپانا ہوا سے کہ جیسے چور
ٹکتے نہ تھے کہیں پہ قدم یہ ہوا میں زور　　پالا پڑا ٹھٹھر سے ہوئی ہم سبھوں کی بھور
اُٹھنا سبھوں پہ سخت تھا بیمار کی طرح
ہر ایک کانپتا تھا گنہگار کی طرح

۱۲۲

جو کچھ تھا جس کے پاس وہ اوڑھے ہوئے تھا سب　　گٹھڑی کی طرح لپٹا ہوا تھا بصد تعب
لیکن ہوا کا قول تھا دکو نہ مجھکو اب　　ہوئے دو پار جسم کے معلوم ہو گا تب
سردی کی فوج ساتھ ہے کچھ مجھکو ڈر نہیں
آخر کہاں چھپو گے جو میرا گذر نہیں

۱۲۳

کی بات بھی تو تا بہ دہن آ کے جم گئی　　سینے میں آہِ سرد جگہ پا کے جم گئی
پہونچی ہوا جو جسم پہ گھبرا کے جم گئی　　کی جس طرف نگاہ نظر جا کے جم گئی
اتنا ہوا میں اور بُرودت میں ساز تھا
قفلی تھے لوگ برف کی مٹکی جہاز تھا

۱۲۴

بغداد میں پہونچتے ہی موصل یہ جم گیا　　لنگر کیا کنارے یہ آتے ہی تھم گیا
لو خاتمہ سفر کا ہوا سب الم گیا　　قُفّے کا سامنا ہوا جو دو قدم گیا
دیکھا تماشا خوب عجائب نظارہ تھا
قُفّہ نہیں تھا بھان متی کا پٹارہ تھا

۱۲۵

رُفقہ نہیں تھا اصل میں دُجلے کی تھی وہ کانچ   اِکدم سے اُسمیں کُود پڑے لوگ چار پانچ
ہُلڑ تھا چڑھنے والوں کی کرتا تھا کون جانچ   یوں ناچتے بدن میں تھے گویا لگے کَوانچ
لٹّو کی طرح لوگ چلے گھومتے ہوئے
سر پھر گیا تھا اُترے تو سب جھومتے ہوئے

۱۲۶

پُل سے ہوا عبور جو ہے راہِ مستقیم   تھی جس کے اک سرے پہ اُمید اک سرے پہ بیم
تھا ہر قدم پہ دل تہ و بالا خدا علیم   پُل ہے یہ تنگ و پست کہ جیسے دلِ لئیم
مضبوط اسقدر ہے کہ سب راہ چلتے ہیں
کیچڑ بس اتنی ہوتی ہے اکثر پھسلتے ہیں

۱۲۷

اس پر ہجوم وہ کہ نہ ملتا تھا راستا   خچّر اُدھر سے آیا اِدھر سے گدھا چلا
انسان سو پچاس تو حیواں ہزارہا   دھکّا لگا کسی کے کوئی لات کھا گیا
سچ تو یہ ہے کہ جان ہر اک کو عزیز تھی
انسان اور گدھوں میں نہ مطلق تمیز تھی

۱۲۸

پُل سے ہوا عبور جو با حالتِ تباہ   بازار اتنا صاف نظر آیا واہ واہ
دو کانیں دیکھنے میں کرے خیرگی نگاہ   اتنا اندھیرا دن کو کہ اندھا ہو جیسے چاہ
ممکن نہ تھی تمیز کہ دن ہے کہ رات ہے
اندھیر ہے عراق میں بس اتنی بات ہے

۱۲۹

واں سے گذر کے آئے جہاں ہے ٹرموے   پھسلے کئی مقام سے اکثر گرے پڑے
اس طرح راہ کاٹی کہ کچھ ٹھیرے کچھ چلے   کچھ دھکّے کھائے راہ میں کچھ اوروں کو دیے
دیکھا ابھی جو دیر ہے گاڑی کے جانے میں
آخر کو جا کے بیٹھ گئے قہوہ خانے میں

۱۳۰

سُنیے ٹریوے کو جو ہے تا بہ کاظمین — اس واسطے کہ پائیں مسافر کچھ اُس سے چین
چلتی ہیں چار گاڑیاں گو ایک ہی ہے لین — تیز اتنی، گاڑی اور ہے چھکڑے کے بین بین
اس پر بھی جھٹکا وہ کہ ٹھہرنا محال تھا
کرتا تھا اُٹھّا بیٹھی ہر اک کا یہ حال تھا

۱۳۱

گاڑی دو منزلی وہ پُرانی سڑی ہوئی — ناپا جو قد سے اونٹ کے تھوڑی بڑی ہوئی
کہتی تھی خود چلاؤ نہیں ہوں جڑی ہوئی — چون و چرا جو کی تو کبھی چل کھڑی ہوئی
چلنے پہ لوگ چڑھ گئے ٹھہرے اُتر پڑے
اس چڑھ اُتر میں ہم کو تو اکثر نظر پڑے

۱۳۲

وسعت تھی اتنی گرچہ مسافر ہوں دس سوار — تب تو یقین ہے نہ کسی کو ہو ناگوار
لیکن جب اس قدر ہوں کہ ممکن نہ ہو شمار — آخر ہر ایک شخص کا نکلے نہ کیوں اچار
اسباب اور جان کے اوپر وبال تھا
ہر اک کا کشمکش سے غرض غیر حال تھا

۱۳۳

گاڑی چلی تو لونڈوں کی پیچھے تھی اک برات — چڑھ آئے دس تو کود پڑے دس سے پانچ سات
کوئی کسی کو جڑتا تھا ٹیپ اور کوئی لات — ڈھیلا جمایا پھٹ سے کہی گر کسی نے بات
اکثر چُھلی چُھلّیا تھی اکثر کلیل تھی
گاڑی نہیں تھی اصل میں لڑکوں کا کھیل تھی

۱۳۴

دیکھ کر ہمارے تو جاتے رہے حواس — نیچے اگر ہیں بیس تو چھت پر چڑھے پچاس
اٹکل نہ بوجھ کی تھی نہ کثرت کا کچھ قیاس — لوگوں پہ مثل سقف کے چھایا ہوا ہراس
چھت پھٹ پڑے اگر تو سنبھلنا محال ہو
ایسے دبیں کہ دم کا نکلنا محال ہو

۱۳۵

اور منتظم وہ جن سے نقیروں کو شرم آئے — نازل ہوئے بلا کی طرح چیتھڑے لگائے
کاغذ کے ٹکڑے ہاتھ میں اک تھیلی بھی دبائے — اُنکے ٹکٹ کا بانٹنا پوچھو نہ ہائے ہائے

بوڑھوں سے آدھا بچّوں سے سارا وہ لیتے تھے
جو دے چکا ہو اُس سے دوبارہ وہ لیتے تھے

۱۳۶

روٹی کسی نے دی تو کہا اس سے بیٹھ جاؤ — بسکٹ کسی نے دور سے دکھلائے بولے آؤ
چڑھ آیا راستہ سے تو اس سے کہا کہ لاؤ — اُس نے جگارہ دیدیا یہ بولے ہاں چلاؤ

یہ سب ٹکٹ کلکٹروں کے بھائی بند تھے
جتنے ٹکٹ تھے اس سے مسافر دوچند تھے

۱۳۷

پٹری کہیں یہ ٹوٹی اگر ہے ہوا کرے — گاڑی جو ٹوٹ جائے مرّمت بلا کرے
پہیوں میں تیل کس کو غرض ہے دیا کرے — چوں چوں کرے کہ آگ لگے بس چلا کرے

دو قمریوں کے لینے سے اُن کو تو کام تھا
وہ جانیں جن کے سب یہ سپرد انتظام تھا

۱۳۸

بس اے ظریف چپ ہو قصّہ ہوا تمام — اب پہونچے کاظمین ادب کا ہے یہ مقام
مانگو دُعا خدا سے کہ اے ربِّ ذوالکرام — ترکوں پہ رحم کر ہیں مسلماں برائے نام

کچھ ان کو انتظام کی جانب خیال ہو
رشوت ستانی چھوڑیں رعیت بحال ہو

۱۳۹

ہمدردی ان کے دل میں ہو اے ربِّ دوجہاں — یہ غیر قوموں کی نہ بس اُٹھائیں جو تیاں
تہذیبِ نفس و علم و عمل سے ہوں کامراں — محتاج غیر کے نہ رہیں خُرد اور کلاں

جائے نفاق ملک میں امن و اماں رہے
اسلام کا جہاں میں الٰہی نشاں رہے

نوٹ ۔ یہ سفرنامہ ظریف مرحوم نے اس موقع پر نظم کیا ہے جب وہ دوسری بار کربلائے معلےٰ گئے تھے مولوی سید اصغر حسین صاحب مرحوم نواب زہی (لکھنؤ) اور شاہزادہ مرزا سلیمان قدر بہادر مرحوم سے نہایت ربط و ضبط تھا۔ موصوف کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اُن کی ریاست کے انتظامات کو اپنے حسن تدبیر سے درست کرے لہذا اُنھوں نے شاہزادے صاحب سے باصرار یہ خواہش کی کہ ظریف کو وہ اُنھیں دیدیں۔

شاہزادے صاحب نے بادلِ ناخواستہ اسے منظور کر لیا۔ اور انگریزی بیسویں صدی کے آغاز سے ظریف زہی کی سرکار میں مدار المہام ہو گئے۔ نواب صاحب موصوف کی کچھ جائداد غیر منقولہ عراق میں تھی جس پر اور لوگوں نے قبضہ کر لیا تھا اسی جائداد کے حصول کی غرض سے اُنھیں عراق کا سفر کرنا پڑا یہ عراق کا دوسرا سفر تھا، چنانچہ جہاز پر دو قافلے جو اُن کے ہم سفر تھے ان میں ایک لکھنؤ کے ذی شان نواب صاحب تھے دوسرے نواح الہ آباد کے رہنے والے ایک زمیندار۔ دونوں کے ساتھ عورتیں بھی تھیں۔ نظم میں نہایت خوبی سے ہر قافلے کے افراد کی صورت کشی کی گئی ہے نیز کار پردازانِ جہاز اور عمالِ حکومت ترکی کے پوست کندہ حالات دکھائے گئے ہیں۔

مختلف اشخاص کے کردار بول چال انکا لب و لہجہ باوجود قیودِ نظم کی سختیوں کے جس روانی کیساتھ ظریف نے نظم کیا ہے اسکی تعریف میں زبان قاصر ہے۔ مکمل واقعات بیان کیے گئے ہیں اور نظم میں کہیں جھول نہیں آنے پایا۔ یہ نظم ظریف مرحوم کی ذہانت کا پہلا شاہکار ہے۔ اس نظم میں اکثر شرح طلب الفاظ آگئے ہیں لہذا حاشیہ انکے متعلق لکھدیا گیا ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

حواشی

بند نمبر ۲و ۳ میں اُرئی۔ جھانسی۔ بینا۔ بھوپال تال، اٹارسی۔ کھنڈوا۔ منماڑ۔ اگتپری۔ کلیان۔ یہ ریلوے اسٹیشنوں کے نام ہیں، جو لکھنؤ سے بمبئی جاتے ہوئے راہ میں پڑتے ہیں۔

بند نمبر ۸ میں سنگل کے لفظ سے مراد آدھی چائے کی پیالی ہے یہ بمبئی کا روزمرّہ ہے، ورنہ انگریزی میں سنگل کے معنی ہیں تنہا۔ رُوَس = اصطلاح بمبئی میں تورے یا بُھنے ہوئے گوشت کو کہتے ہیں۔ غالباً یہ انگریزی لفظ روسٹ سے تراشا گیا ہے۔ پُونے کی پتّی۔ اہل بمبئی اُس پان کی گلوری کو کہتے ہیں جو سفید رنگ کا پُونا سے آتا ہے اور اس میں ایک سبز پتی جو لعاب دار ہوتی ہے مسالے کے ساتھ ڈال دی جاتی ہے۔ آنڈوا = ایک قسم کا دیسی پان سبز رنگ کا دبیز اور خستہ بہت چوڑا اکیلا ہوتا ہے جیسے مہوبے کا پان۔ یہ پان اوّل الذکر پان کے مقابل زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ لیموں کی باٹلی = لمنڈ کی بوتل کو کہتے ہیں بمبئی میں بوتل کو باٹلی ہی کہتے ہیں۔ بیڑی سگریٹ کی طرح پی جاتی ہے۔ اب تو اس کا رواج اس صوبے میں بھی عام ہو گیا ہے۔

بند نمبر ۹ میں اپالو۔ چوپاٹی سمندر کے کنارے مشہور تفریح گاہوں کے نام ہیں۔ پَون چکّی بھی اسوقت (۱۹۰۸ء) میں غالباً کوئی سیرگاہ ہوگی نام سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چکّی ہوا کے زور سے چلتی ہوگی کیونکہ پَون ہندی میں ہوا کو کہتے ہیں۔
ٹریموے وہ گاڑی جو لوہے کی پٹریوں پر چلتی ہے۔ وکٹوریا = وہ بگھّی جس میں ایک گھوڑا جوتا جاتا ہے۔
گرانڈ روڈ = بمبئی کی ایک لمبی چوڑی سڑک کا نام ہے غالباً صحیح نام گرینڈ روڈ ہوگا کیونکہ انگریزی میں گرینڈ کے معنی ہیں عظیم الشان۔

بند نمبر ۱۰ میں مالا بمعنی منزل ہے۔ سلا ہوا۔ جڑا ہوا۔ پھندیت۔ ان کُریز بٹیروں کو کہتے ہیں جو پنجروں میں بند کر دئے جاتے ہیں۔ اور اُن پنجروں پر غلاف چڑھا دیا جاتا ہے یہ پنجرے ایک جھڑ میں اس مقام پر لٹکا دیئے جاتے ہیں جہاں، بٹیروں کا شکار کھیلا جاتا ہے یہ بٹیر رات بھر بولا کرتے ہیں اور اُن کی آواز پر جنگلی بٹیر آکر جال میں پھنس

جاتے ہیں اور یہ جال اکثر ارہر کے کھیتوں میں لگایا جاتا ہے۔

بند نمبر ۱۶ میں گودی اس مقام کو کہتے ہیں جہاں سمندر کے کنارے ایک پلیٹ فارم بنا ہوتا ہے اور جہاز وہیں آکر ٹھہرتے ہیں۔ اسباب اسی پلیٹ فارم سے جہاز پر لادا جاتا ہے۔ اور مسافر بھی یہیں سے جہاز پر سوار ہوتے ہیں۔

بند نمبر ۲۳ میں کھنڈ جہاز کا وہ حصہ جس میں اسباب بھرا جاتا ہے۔ جہاز کا یہ حصہ زیریں ہوتا ہے۔

بند نمبر ۲۶ میں قبہ سمندر کا وہ حصہ جو بہت گہرا ہوتا ہے اور وہاں تموج زیادہ رہتا ہے۔ اس کے بعد نمبر ۳۲ تک اُس حالت کی صورت کشی کی گئی ہے جو طوفان کی حالت میں جہاز پر اُن لوگوں کی ہوا کرتی ہے جن کو بحری سفر کا اتفاق کم پڑا ہو۔ اور یہ منظر بہت خوب نظم میں دکھایا گیا ہے۔

بند نمبر ۳۳ میں نانڈہ اکراچی مقامات کے نام ہیں جہاں بمبئی سے چلکر جہاز کچھ دیر قیام کرتا ہے ڈمرا جہاز کا نام ہے جس پر ظریف مرحوم سوار تھے قرنطینہ وہ مقام جہاں مسافروں کا ڈاکٹری معائنہ ہوتا ہے اور مطابق تجویز ڈاکٹر جتنی مدت تک ٹھہرنے کی ضرورت ہو مسافر وہاں ٹھہرائے جاتے ہیں۔

بند نمبر ۳۴ تا ۴۰ میں معائنہ ڈاکٹری اور جہاز پر پردہ دار عورتوں کے سوار ہونے کی حالت، اُنھیں کی زبان میں ان کی گفتگو نہایت خوش اسلوبی سے نظم کی گئی ہے۔ لکھنؤ کی شرفا عورتوں کی بول چال کا اور اُن کے طرز معاشرت کا فوٹو کھینچا گیا ہے۔

بند نمبر ۴۵ لغایتہ ۵ ۰ میں لکھنؤ کے ایک نواب صاحب کا حال ہے جو ظریف مرحوم کے ہمسفر تھے۔ اور اہل لکھنؤ میں خاندان عظیم الشان و رفیع الشان کی ایک فرد تھے۔ اس لئے اُن کے نام نامی میں بھی لفظ "شان" بطور جزو لاینفک شامل تھا۔ اسی لحاظ سے بطور براعتہ الاستہلال ظریف مرحوم نے لفظ شان کو مختلف عنوان سے استعمال کیا ہے اور اپنی طباعی اور ذہانت

سے شان کے چند مشتقات بھی اختراع کئے ہیں مثلاً ان کی عورتوں کے لیے شانیاں، بچوں کے لئے شونچ۔ (شان کی تصغیر) نواب صاحب موصوف کی گفتگو، وضع قطع کا چربہ بھی اُتارا گیا ہے نظم سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے ساتھ اُن کی دو بیویاں بھی آئی تھیں جن میں باہمدگر کمال رنجش تھی۔ نواب صاحب کے ساز و سامان سفر کا حال اور اُنکی قابلیت بحث دیز ان سب باتوں کو نہایت خوبی سے نظم میں ظاہر کیا ہے۔ ان بندوں سے اِس کا بھی پتا چلتا ہے کہ نواب صاحب کی دونوں بیویوں میں ایک بیاہتا اور دوسری متاعی تھیں یعنی ممتوعہ۔ اور یہ حاملہ بھی تھیں نواب صاحب انھیں صرف اسلئے ہمراہ لائے تھے کہ ارض مقدس پر اُن کے ساتھ دوبارہ صیغۂ نکاح جاری کرا لیا جائے اور پھر فوراً گھر پلٹ جائیں تاکہ مولود متاعی والا نہ کہا جائے اور دونوں بیویوں کی عزت میں مساوات قائم رہے۔

۶۱ ویں بند میں حمالۃ الحطب کی دو ورتی بہت بلیغ نقرہ ہے۔ نقرہ حمالۃ الحطب سے مراد ابولہب کی زوجہ ہے جسکا ذکر سورۂ "اللھب" میں آیا ہے۔ ترسٹھویں بند میں وقف حسین آباد کا تذکرہ ہے جہاں سے حج و زیارت کے لیئے مومنین کو رقم ملتی ہے۔ اس بند اور اسکے بعد والے بند سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب کے ساتھ کوئی مولوی صاحب بھی بغرض رہبری موجود تھے اور کربلا میں غالباً ضیاء الدین خادم کے یہاں نواب صاحب ٹھہرے تھے اور وہیں اربعین کے زمانے میں ممتوعہ سے عقد النکاح عمل میں آیا۔ ۶۶ ویں بند میں کربلائی سے اشارہ انھیں ممتوعہ کیطرف ہے مہر کی مقدار ظاہر کردی گئی ہے اور ڈیڑھ لاکھ کی رقم قلیل سمجھکر قرار دی گئی ۶۷ ویں بند سے نکاح نامہ شروع ہوا ہے۔ ۶۸ ویں بند میں نسب نامہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور شنشاہٹ کے لفظ سے چار چاند لگائے گئے ہیں اور شان کی پوری گرداں گردانی گئی ہے یہ گردان ۶۹ ویں بند پر ختم ہوئی ہے اور ستّرویں بند سے ایجاب و قبول میں شرائط نکاح کا ذکر ہے۔ یہ شرائط ۷۲ ویں بند پر تمام ہوئے ہیں۔ ۷۳ ویں بند میں دیت و رسم کا کچھ ذکر ہے ۷۴ ویں بند میں جدت نکاح کی تعریف ہے اور ۷۵ ویں بند میں شاعر نے اِن حرکات پر اظہار تاسف کیا ہے نظم میں جس صراحت اور خوش اسلوبی سے تمام واقعات بیان ہوئے ہیں اس سے

بہتر غالباً نثر میں بھی نہیں لکھے جا سکتے۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔

بند نمبر ۶۷ سے دوسرا سین شروع ہوا ہے اور بند نمبر ۸۳ پر جا کے ختم ہوا ہے۔ چنانچہ ۶۷ ویں اور ۷۷ ویں میں تو ان زمیندار صاحب کا حلیہ شریف ہی جو ہم سفر تھے ۸۰ ویں ۹ ۷ ویں میں اُن کی حماقت مآبی کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ پھر بند نمبر ۸۰ سے ۸۳ تک چار بندوں میں اُن کے ملازمیں کی دیہاتی زبان میں گفتگو عجیب پُرلطف طریقے پر نظم کی گئی ہے ۸۳ ویں بند میں حبشی کا عربی میں زمیندار صاحب کے ملازم سے کچھ کہنا اور اس کا اُسے دُردود سمجھنا عجب دلچسپ نکتہ ظرافت ہے۔

بند نمبر ۸۴ لغایتہ ۸۶ میں کراچی سے جہاز کی روانگی سقط، بوشہر، ہوتے ہوئے بصرے پہونچنا وہاں بڑے جہاز کے سفر کا اختتام اور قرنطینے میں پانچ دن تک قیام ان باتوں کا تذکرہ ہے۔

بند نمبر ۸۷ لغایتہ ۹۴ میں معائنہ ڈاکٹری، مطب ڈاکٹر اور خود ڈاکٹر صاحب کی ہیئت کذائی، انجن کی بھاپ میں میلے کپڑوں کا تر کیا جانا اور پانچ روز کی میعاد قرنطینہ ان واقعات کو شاعرانہ خوبیوں سے ادا کیا ہے

بند نمبر ۹۵ لغایتہ ۱۰۳ میں مکان قرنطینہ کا منظر وہاں کے سازوسامان، پولیس کے سپاہیوں کا حال ظریفانہ انداز سے دکھایا گیا ہے۔

بند نمبر ۱۰۴ میں قرنطینے سے رہائی کا ذکر ہے۔

بند نمبر ۱۰۵ و ۱۰۶۔ میں اس سرا کی تعریف ہے جہاں قرنطینے سے نجات پاکر عارضی قیام کرنا پڑا۔

بند نمبر ۱۰۷ لغایتہ ۱۲۳ میں موصل نامے رومی جہاز اس کے کپتان اور معلّم کا حال۔ اس دُخانی جہاز کی سُست رفتاری اسکے بیت الخلا کی کثافتوں کا ذکر، جہاز کا عمارے علی غربی، لعیلے اسٹیشنوں کو طے کرکے بغداد تک پہونچنا شرح و بسط سے درج ہے۔

بند نمبر ۱۲۴ و ۱۲۵ میں جہاز سے اُتر کے قُفّے میں سوار ہو کر براہ دجلہ دریائے بغداد کے پل تک سفر کرنے کا حال

شاعرانہ خوبیوں سے لبریز ہے قُفّہ ایک گہرے ٹوکرے کی شکل کا ہوتا ہے۔ کھجور کے درخت کی شاخوں یا بید وغیرہ سے بناکر اس پر رال چڑھا دیتے ہیں تاکہ اُسکے اندر پانی نہ آسکے۔

بند نمبر ۱۲۶ و ۱۲۷ میں پل کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ بند نمبر ۱۲۸ و ۱۲۹ میں بازار مسقف کا۔

بند نمبر ۱۳۰ لغایۃ ۱۳۷ میں اس ٹریموے کا ذکر ہے جو بغداد سے کاظمین۔ مسافروں کو لیجاتی ہے اس ٹریموے کی شکل اُس کی رفتار اُس کی انتظامیوں کو جس خوبی سے ظریفؔ مرحوم نے نظم کیا ہے اُس کی تعریف ہو نہیں سکتی قلم توڑ دیا ہے۔

بند نمبر ۱۳۸ و ۱۳۹ میں ترکوں کے حق میں کاظمین پہونچکر دعا کی ہے اور مسدس کو ختم کر دیا ہے۔

صفی عفی عنہ

نظم نمبر (۳) فروری ۱۹۰۵ء تعداد اشعار ۶۹

خط منظوم نمبر ۱

از مقام بندر عبّاس

بنام محمد صاحب

نوٹ۔ بمقام بندر عباس جہاز جب پہونچا وہاں سے یہ نامہ منظوم ظریف مرحوم نے اپنے دوست شیخ اظہر حسین عرف محمد صاحب کے نام روانہ کیا۔ محمد صاحب داروغہ شیخ جعفر حسین مرحوم کے چھوٹے بیٹے تھے ظریف مرحوم کے ہم عمر۔ بڑے بیٹے کا نام شیخ اصغر حسین تھا داروغہ صاحب کی دو بیٹیاں تھیں ایک بیٹی کے صاحبزادے دلارے مرزا صاحب تھے۔ چھوٹی بیٹی نواب ببّنے صاحب کو بیاہی تھیں۔ محمد صاحب کے سالے کا نام امراؤ مرزا صاحب تھا۔ جنکا تذکرہ نظم موسوم بہ سیاحت ظریف میں ہے۔ ان سب لوگوں میں بے حد ربط و ضبط تھا، روزانہ آمد و رفت نشست و برخاست رہتی تھی داروغہ موصوف کا قیام بمقام پاٹا نالہ چھوٹی شہزادی کی ڈیوڑھی پر تھا۔ کیونکہ وہ اسی سرکار میں مدار المہام تھے چھوٹی شہزادی صاحبہ حضرت واجد علیشاہ کی حقیقی بھانجی اور بہو تھیں بیوہ ہونے کے بعد لکھنؤ میں آکر سکونت پذیر ہو گئیں۔ بلحاظ قرابت شاہزادہ میرزا سلیمان قدر بہادر مرحوم کی بھی یہ بھانجی اور بھتیج بہو ہوتی تھیں۔ اسلئے شاہزادے صاحب وہاں اکثر جایا کرتے تھے اور ان کے ہمراہ اُن کے معتمد خاص مولانا سید فضل حسین مرحوم ظریف مرحوم کے پدر بزرگوار بھی ہوتے تھے۔

لہذا دونوں سرکاروں کے معتمدین میں باہمد گر دوستانہ تھا اور اُن کی اولاد میں بھی وہی رشتۂ اُخوت مُدّت العمر قائم رہا اسی بنا پر یہ خط منظوم اثنائے سفر میں ظریف مرحوم نے محمد صاحب کے نام روانہ کیا اور اس میں اپنے رفیق سفر احمد حسین کی بے اعتنائیوں کا حال درج کیا ہے۔ اُن کا مختصر حال اس نوٹ میں

تحریر ہے جو متعلق منظومات مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۰۵ء دیا گیا ہے۔

(صفی عفی عنہ)

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

خوش رہے دورِ فلک میں یہ کسی کی کیا مجال — ایک ساعت چین سے گزرے یہ ہے امرِ محال

اصل میں دیکھو تو پھر ہے یہ شکایت ہی فضول — مانتے ہو کجروی جب آسماں کی اصل چال

جس پہ جو گزری وہ اپنے طور پر سب کہہ چکا — حال دورِ چرخ کا ہر شاعرِ نازک خیال

یہ وہ قصہ ہے کہ جس کی انتہا کوئی نہیں — تم لکھو اس کو ظریف اتنی تمھاری ہے مجال؟

جانتے ہو خود حقیقت اپنے علم و فضل کی — کیوں کرو وہ حوصلہ حاصل ہو جس سے انفعال

اک زمانے کے قضیوں کو بھلا لکھو گے کیا — اس سے بہتر ہے جو گزرے تم پہ کچھ لکھ دو وہ حال

موجزن پاتے ہو گر طبعِ رواں کے بحر کو — ہاتھ منہ دھو لو کہ کم ہو جائے کچھ گردِ ملال

فی الحقیقت قابلِ افسوس ہے وہ بدنصیب — ہجر میں جس کو ستاتا ہو احبا کا خیال

اس پہ طرّہ یہ کہ خوگر بھی نہ تنہائی کا ہو — ایک دن کی بھی جدائی کو وہ سمجھے ایک سال

رات دن احباب کے حلقہ میں ہو جس کی جگہ — دفعتہً ہو جائیں ساری صحبتیں خواب و خیال

فرقتِ احباب سے ہو جس کا سینہ چاک چاک — اور نمک بھی اس پہ چھڑکے دوریِ اہل و عیال

گھر کے جلنے کا قلق حب الوطن کا غم جدا — اتنے صدموں سے طبیعت رہ سکے کیونکر بحال

ایسے نازک وقت میں خط بھی اگر مل جائے زود — تو بھی تسکینِ دلِ مغموم ہوتی ہے کمال

یا کہ غربت میں کوئی ہمراہ ہو ایسا رفیق — جو کہ تکلیفوں میں رکھے کچھ تو راحت کا خیال

شومیِ قسمت سے یہ دونوں نہیں ہم کو نصیب — اب کہو انصاف سے کیا ہو گا دل کا اپنے حال

خط بھی پہونچے گا اگر ہم کو تو دو ہفتے کے بعد — وہ بھی کھا جائے گا جب ڈاک کا بالکل خیال

اور ساتھی وہ خدا دشمن کو دے ایسا نہ ساتھ — باعثِ تکلیف و ایذا موجبِ رنج و ملال

سست و کاہل بے وقوف و بد دماغ و بدتمیز
دوستِ ناداں کی زیبا جس پہ سرتاپا مثال

سست ایسا اہل کے پانی بھی نہ خود جو پی سکے
ایسا کاہل جس کو اُٹھنا بیٹھنا بھی ہو محال

بے وقوف ایسا کہ کھانا بھی نہ آتا ہو جسے
بد دماغ ایسا کہ عسرت میں ہوں شاہانہ خیال

بدتمیز ایسا کہ چاروں سمت اگر پائے غلیظ
اُس کو سرکا کر ذرا بیٹھے بھلا یہ کیا مجال

دوستِ ناداں بھلا کیونکر نہ پھر اُس کو کہیں
جو چھپا سکتا نہ ہو اغیار سے بھی دل کا حال

گر دیانت کی صفت ہو بھی تو وہ کس کام کی
جان پر بن جائے جب بیکار ہے پھر حفظِ مال

سنیئے ہمدردی کا اِن کی مختصر سا واقعہ
یہ کراچی کے قرنطینے کا ہے تھوڑا سا حال

گھاٹ پر سے ہے قرنطینہ اقلاً آدھ میل
پھیر کھا کر جانے میں ہوتی ہیں تکلیفیں کمال

گو کہ تھا ہمراہ اپنے بھی بچھونا مختصر
ہو گیا لیکن ہماری جان کو وہ بھی وبال

جاتے وقت اک گھاٹ پر مزدور مجھ کو مل گیا
لاد کر اس پر وہ گٹھری لے گیا میں خستہ حال

مختصر یہ ہے قرنطینے سے جب فرصت ہوئی
حکم رخصت ڈاکٹر سے مل گیا بے قیل و قال

جبکہ پلٹا اتفاقاً تھا نہ کوئی آدمی
جس پہ بستر لاد کر ہوتا سہولت کا خیال

میں نے دیکھا چار جانب جب نگاہِ یاس سے
میرے ہی پہلو میں حضرت بھی کھڑے تھے گول مال

میں اگر کہتا اُٹھانے کو تو پا جاتا جواب
اس سے بہتر تھا خموشی سے اُٹھا لینا ملال

الغرض کندھے پہ اپنے لاد کر بارِ گناہ
طے کیا وہ راستہ با حسرت و رنج و ملال

آپ بھی ہمراہ تھے میرے مگر سائے کی طرح
مجھ سے تھوڑے فاصلے ہی پر بصد جاہ و جلال

گو کہ خالی ہاتھ تھے اک اِن کا کمبل تھا فقط
پر نہ فرمایا گیا جھوٹوں کہ اُو برگشتہ حال

ٹھہر جا دیدیں سہارا ہم تجھے او بدنصیب
لاد کر سر پر چلا ہے بوجھ کیوں اے بدخصال

جسقدر ذلت اُٹھانی تھی اُٹھائی خوب سی
اور بھی اہلِ وطن دیکھا کیے میرا یہ حال

جتنی جنٹلمینیت تھی خاک میں سب مل گئی
بن گئے پورے قلی تھا دید کے قابل وہ حال

پہونچے کشتی تک غرض جس طور سے پہونچا گیا
بیٹھ کر کشتی کے اندر دل میں یہ آیا خیال

ان سے کہدیں اب خدا حافظ ہی لیجے اپنی راہ
دل میں ہمراہی کا میری اب نہ رکھیے گا خیال

پر میاں شیطان نے فوراً پڑھایا یہ سبق
بیوقوفی پر تمھاری ہوگی یہ تجویز دال

تم کو یہ نادان بن کر اس طرح عاجز کریں
اور وطن بھیجو انھیں تم ٹھنڈے ٹھنڈے ہو کمال

ایسے موقع پر تو دو کاندھی کہ یہ بھی رکھیں یاد
سختیاں یہ بھی تو کچھ جھیلیں اُٹھائیں کچھ ملال

یعنی بصرے کے قرنطینے میں جا کر چھوڑ دو
دو نہ ہم اُن کی طرف سے تذکرہ بھی جاؤ ٹال

اُن سے کہدو فکر کیجے اپنی اب بندہ نواز
مجھ میں اب طاقت اُٹھانے کی نہیں بارِ ملال

ٹھنڈے ٹھنڈے جایئے اب کربلا یا لکھنؤ
یا جہاں کا آپکے دل میں ہو لے حضرت خیال

ساتھ میں میرے اُٹھائی آپنے ایذا بہت
اب مجھے آزاد کیجے از برائے ذوالجلال

جو دوا سوچی ہے میں نے کر گئی تاثیر اگر
فی الحقیقت کم بہت ہو جائے گا وردِ ملال

اب رہا وہ دردِ بے درماں ہوں جس میں مبتلا
یعنی ہجرِ دوستان و فرقتِ اہل و عیال

طولِ مدت سے میں اُس کی آپ ہی ہوں بے خبر
ٹھیک میں خود ہی بتا سکتا نہیں وقتِ زوال

دھیان آتا ہے پلٹنے کا تو یہ کہتا ہے دل
خبط ہے گر ابتدا میں انتہا کا ہو خیال

تو گرفتارِ مصیبت ٹھہر جا کچھ دم تو لے
باندھ ہمت ہو گیا ہے تو ابھی سے کیوں نڈھال

تجکو طے کرنا ابھی باقی ہیں وہ وہ منزلیں
خواب میں بھی تو نہ آتا ہو گا جن کا کچھ خیال

تیرے اس صبر و تحمل کی ذرا دیکھیں تو سیر
تو تھا دعویدار ہمدردیِ انساں کا کمال

گر کیا دعویٰ تو لازم ہے تجھے دینا ثبوت
امتحاں گاہِ مصیبت میں نہ ہو افسردہ حال

حسبۃً للہ جو باندھی ہے کمر ہمت کی چست
خود مدد فرمائے گا تیری خدائے ذوالجلال

نقدِ ہمت کا خزانہ کم نہ ہوگا یاد رکھ
صرف کر بہرِ خدا پھر دیکھنا اُس کا مآل

شاہدِ عزت کی خاطر جھیلتا ہے دُکھ اگر
فضلِ خالق سے میسر ہو ہی جائیگا وصال

ہاتھ اُٹھا بہرِ دعا کیوں ہے ہراساں اسقدر
آیۂ لاتقنطوا کا بھی نہیں تجھ کو خیال

بار الٰہا اُس مسافر ہی کا تجھ کو واسطہ
اُمّتِ عاصی کے خاطر جس نے جھیلے ہیں ملال

ننھے ننھے بچے جسکے تین دن پیاسے رہے
جس کے ہاتھوں پر ہوا بے شیر تک کا انتقال

ایک ہی رسّی میں جسکے قید تھے سب اہلبیتؑ
عابدِ بیمار کا جس کے بہت تھا غیر حال

اقربا انصار جس کے ہو چکے تھے سب شہید
تھا وہ تنہا اور عدو آمادہ تھے بہرِ قتال

لاش بے گور و کفن جسکی رہی چالیسؔ روز
جس کے ماتم میں نہ بیٹھے ایک جا اہل و عیال

لاڈلی بیٹی نے جس کی رنج و غم اتنے سہے
قید خانے میں ہوا آخر کو اُسکا انتقال

جس کے سر کو رکھ کے نیزے پر پھرایا تا بہ شام
جسمِ اطہر کو کیا گھوڑوں سے جس کے پائمال

کر خزانے سے الٰہی تو مجھے اپنے عطا
دین و دولت تندرستی معرفت اکلِ حلال

صحّتِ خویش و احبّا نعمتِ علم و عمل
کر عطا فضل و کرم سے اپنے مجکو ذوالجلال

یا الٰہی جس لیے میں نے کیا ہے یہ سفر
حسبِ خواہش کام سب بن جائیں ہو جاؤں نہال

عافیت کے ساتھ پھر پلٹوں وطن کی سمت کو
خیریت کے ساتھ پاؤں دوست اور اہل و عیال

نظم نمبر ۴ — ۱۹۰۵ء — تعدادِ اشعار ۲۵

ضمیمۂ خط منظوم نمبری ۱ ۱۶ مارچ کو محمد صاحب کے پاس بھیجا گیا

تضمینیں اور رُباعیاں متعلق روانگی احمد حسین سمت لکھنؤ

نوٹ ۔ ۱۹۰۵ء میں بقصد سفر عراق ظریفؔ مرحوم جب لکھنؤ سے روانہ ہوئے تو ایک صاحب احمد حسین جن کا پیشہ پہلوانی اور معماری تھا ساتھ ہولیے اِن کے تمام مصارف ظریفؔ ہی کے ذمّے تھے لیکن یہ رفیقِ سفر بجائے یارِ شاطر ہونے کے بارِ خاطر ثابت ہوئے اور بے حد احسان فراموش کار دبار میں ان سے کوئی مدد نہ ملی لہٰذا تنگ آکر ظریفؔ مرحوم نے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور ۱۶ مارچ ۱۹۰۵ء کو وہ لکھنؤ روانہ ہوگئے یہ تضمینیں اور رباعیاں اُنھیں کی شان میں ہیں جو عراق میں کہی گئی تھیں ۔ صفیؔ عفی عنہ

تضمین نمبر (۱)

تھے ساتھ سفر میں جو ندیم جانباز ۔۔۔ معلوم ہوا مجھے جب اُن کا انداز
پوشیدہ نہ رکھ سکیں گے یہ میرا راز ۔۔۔ "این نکتہ شنیدم ز بزرگانِ حجاز"
"صحبت کہ موافق نبود دوری بہ"

تضمین نمبر (۲)

کیوں سعادت ملے جب اصل ہو بد ۔۔۔ راہِ حق سے نہ کیوں پھرے مرتد
نانگھہ بھی جائے گرچہ ہند کی حد ۔۔۔ "خرِ عیسیٰ اگر بہ مکہ رود"
"چوں بیاید ہنوز خر باشد"

(رُباعی)

کُشتی لڑنا تھا اور نہ تعمیر کا کام
کس چیز کو بیچارے یہ دیتے انجام
بیکار انھیں پھنسا کے میں کیا کرتا
اب اِن کی مصاحبت کو کرتا ہوں سلام

خدمت بھی یہ کر دیتے تھے حتّی المقدور
وہ ہو نہ مفید یہ حماقت کا قصور
یہ مجمع اضداد ہیں ماشاء اللہ
اچھوں میں برے بُرے نہیں اچھے ہیں ضرور

تھا اِن کی حماقتوں کا مجھ پر یہ اثر
آئینے کی شکل ہو گیا تھا ششدر
خدمت مری کی اِنھوں نے اس صورت سے
جس طرح کوئی زخم کریدے بندر

قُدرت نے حماقت کا جو حصّہ بانٹا
افضل سمجھا انھیں بہت کچھ بخشا
دس لاکھ گنا ملا سبھوں سے اِنکو
اُلّو گھگھو گدھوں کو تھوڑا تھوڑا

تیزی ہے زباں میں درست دیا مٹھے ہیں
بیری ہے قریب گو مگر پھٹے ہیں
گاڑو اِنھیں یا ابھی پڑا رہنے دو
بے ترشے ہوئے سانکھو کے یہ لٹھے ہیں

پہونچے گا گہر کہ تہ کا یہ سچّا ہے
کلیاں ہیں سفید گو مگر بچّا ہے
گو ہند سے اُڑتا ہوا پہونچا ہے عراق
گردان بنا مگر ابھی کچّا ہے

کرسی کے لوگ اِن کے آگے ہشیار
گر اِن کو گدھا کہوں گدھوں کو بھی ہو عار

اُلّو دانا ہیں اِن سے گُھگّو عاقل　　ناداں محل کے ہیں یہ افضل معمار

خدمات سے ہر طرح میں مشکور رہا　　کام اِن سے ہر ایک تا بہ مقدور رہا
وحشت کو مری ہوئی ترقّی اتنی　　خود ساتھ کے چھوڑنے پہ مجبور رہا

مل جائے کوئی ایسا کہ ہنسا لا دے　　پیاسا ہو تو ماں بھی کوئی پلوا دے
بغداد سے بے دودھ چلا ہے بچہ　　اللہ اِسے خیر سے گھر پہونچا دے

جھٹکے وہ دیئے شیشۂ دل توڑ دیا　　بغداد سے آ کے ہم نے منہ موڑ دیا
طاقت نہ رہی بارِ گنہ لادنے کی　　بھاری پتھر کو چوم کر چھوڑ دیا

نظم نمبر ۵ — تعداد اشعار ۳۴

خط منظوم نمبر ۲ مورخہ ستمبر ۱۹۰۵ء مع ضمیمہ استغاثہ بحضرت امیر المومنین

نوٹ ۔ نواب بڈھن صاحب مرحوم جن کا اسم گرامی نواب محمد شفیع علیخاں اور تخلص شیدا تھا خاندان نیشاپور کے ایک رئیس تھے بیحد خوش اخلاق، دوست نواز اور وضعدار ۱۹۰۵ء میں ظریف مرحوم جب کربلا گئے ہیں تو نواب صاحب وہیں تھے اور کئی مہینے تک صحبت شعر و سخن گرم رہی۔
نواب صاحب وسط ۱۹۰۵ء میں لکھنؤ چلے آئے ظریف شروع ۱۹۰۶ء تک وہیں رہے اور اس اثنا میں خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ یہ خط منظوم غالباً نواب صاحب موصوف کے خط کا جواب ہے۔ گو نواب صاحب کا نام اس میں کہیں نہیں ہے مگر قرائن اور سیاق عبارت سے یہی ظاہر ہوتا ہو کہ مکتوب الیہ غالباً نواب صاحب مرحوم ہی ہیں نواب صاحب کے نام ایک اور بھی خط منظوم مورخہ، مئی ۱۹۰۶ء ظریف مرحوم کے مسودات میں ملا جس میں تقریباً ۹۰ شعر ہیں مگر ابتدائی چند شعروں کے سوا کل اشعار پر نمی نے بہو نچکر پانی پھیر دیا ہے شعر پورے پڑھے نہیں جاتے لہذا وہ ناتمام خط بہ نمبر ۵ ناظرین کو درج ملے گا۔ ابتدائی چند شعر جو پڑھے جا سکے لکھد یئے گئے۔ صفی عفی عنہ

بحر خفیف مسدس مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

عزت افزائے بندۂ ناچیز — مجلس آرائے صاحبانِ تمیز
آفتابِ سپہر جود و کرم — باعثِ قوتِ دلِ پُر غم
صدر آرائے محفلِ احباب — اے تسلی دِہِ دلِ بیتاب
تازگی بخشِ تشنگانِ فراق — بحرِ مواجِ اتحاد و وفاق
اے گلِ بوستانِ صدق و صفا — بلبلِ شاخسارِ مجد و علا
بعدِ اہدائے ہدیۂ تسلیم — حسبِ دستورِ خادمانِ قدیم

ملتمس ہوں کہ تادمِ تحریر
ہوں بصحت بفضلِ ربِ قدیر

از عنایاتِ مالکِ دوجہاں
آپ کی خیریت کا ہوں خواہاں

دردِ دوری کا کیا کروں اظہار
ہے یہ مطلع زبان پر ہر بار

* "تا جرائے بلاکشاں نہ سنو"
"نہ سنو میری داستاں نہ سنو"

عرضِ حالِ من احتیاج نیست
دردِ خود کردہ را علاج نیست

خود ہی بسمل صفت پھڑکتا ہوں
زخم پر خود نمک چھڑکتا ہوں

جس قدر اب گذر رہا ہے شاق
پہلے سمجھا نہ تھا یہ حالِ فراق

بڑھتا جاتا ہے دِل کا پیچ وتاب
اب تو طاقت بھی دے رہی ہے جواب

میرے مالک مری مدد کر اب
شرم رکھ لے مری تو ہی یا رب

گُلِ مقصد کی بو سُنگھا دے مجھے
میرے احباب سے ملا دے مجھے

کیا عجب گر ہو تیرا فضل وکرم
کہیں احباب میرے حق میں بہم

* "آنچہ من خواستم فراز آید"
"آب از جوئے رفتہ باز آید"

غمِ فرقت سے جب بجا نہیں ہوش
نظم بیکار ہے خموش خموش

بعد مُدت کے نامۂ نامی
قوّتِ قلب کا مری حامی

مجکو در عینِ انتظار مِلا
راہِ غربت میں غمگُسار ملا

حالِ فرقت پہ دِل جو بھر آیا
سینے سے تا بہ دیر لپٹایا

جب ہوئی کچھ سکون کی صورت
وا کیا نامے کو بصد دقّت

دیکھی خط میں جو خیر و عافیّت
دِلِ مضطر کو پہونچی تقویّت

---

* **نوٹ** ۔ اشعار نمبری ۱۰ و ۱۸ ۔ مولانا صفی مدظلہ کے بطور تضمین اس خط منظوم میں ظریف مرحوم نے درج کیے ہیں۔

استغاثہ بحضرت امیر المومنین ع

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف

ارکان۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

رحم ہر عاجز و مجبور پہ کھانے والے
المدد شیر سے سلماں کو چھڑانے والے

لے خبر بحرِ مصیبت میں سفینہ ڈوبا
کشتیِ نوح کو طوفاں سے بچانے والے

سر بالیں جو مرے مجمع ناجنساں ہے
سب کے سب وہ ہیں مرا دل ہی دکھانے والے

خندۂ صبح کو بھی دیکھ کے رو دیتے ہیں
شامِ غربت کی اذیت کے اُٹھانے والے

شعلۂ آتشِ غم گرمیِ صحرائے عراق
اک دلِ زار کے دو دو ہیں جلانے والے

دل میں ہے آتشِ غم آنکھوں سے آنسو جاری
رہ گئے ہیں یہی دو آگ بجھانے والے

ہم کہاں اور وہ احباب کا اب جلسہ کہاں
ہیں خیالات یہ راتوں کو جگانے والے

منزلیں دور ہیں پردے میں ہے محبوبِ مراد
چھٹ گئے ہیں مرے سب ہاتھ بٹانے والے

رات دن سب کی طرف سے ہے نظرِ مایوسی
قافلے سوئے وطن جاتے ہیں جانے والے

کیوں اُنھیں چشمِ تصوّر میں نہ دیکھیں مقبولؔ
بزم میں آتے تھے روزانہ جو آنے والے

۲۴ر اپریل ۱۹۰۶ء

نظم نمبر ۶ ـ　　خط منظوم نمبری ۳　　تعداد اشعار ۸۵

بنام محمد صاحب از کاظمین

نوٹ ۔ یہ خط انھیں محمد صاحب کے نام ہے جن کے مفصل حالات اس نوٹ میں درج ہیں جو خط منظوم نمبری ۱ کے متعلق تحریر کیا گیا ہے اس خط کے ترسٹھویں[۶۳] شعر میں جناب محترم کا اشارہ دار وغہ شیخ جعفر حسین صاحب پدر بزرگوار محمد صاحب کی طرف ہے پینسٹھویں[۶۵] شعر میں اصغر سے مراد محمد صاحب کے بڑے بھائی ہیں اور بنے صاحب سے مراد محمد صاحب کے بہنوئی ان سب حضرات کا ذکر مذکور الصدر نوٹ میں آچکا ہے ۔ انھترویں[۶۹] شعر میں آغا صاحب سے مراد نواب مولوی سید انور حسین مرحوم خلف نواب زہی مولوی سید اصغر حسین صاحب متخلص بہ فاخر ہیں ۔ جن کی جائداد غیر منقولہ پر عراقیوں نے قبضہ کر لیا تھا اور اسی پر دخل یابی کے لیے بحیثیت مختار عام ظریف لکھنؤ سے عراق گئے تھے ۔

صفی عفی عنہ

بحر ہزج[عـہ] مسدس اخرب مقبوض مقصور یا محذوف　　ارکان ۔ مفعول مفاعلن مفاعیل یا فعولن

اس[۱] زار کے دل کے چین بھائی	میرے اطہر حسین بھائی
ہے[۲] طبع میں آج کچھ روانی	سنیئے مری مختصر کہانی
خط[۳] آپ کا میرے دل کا درماں	درماں نہیں بلکہ خاص ارماں
لکھا[۴] ہوا دوسری کا آیا	مدت کے بعد میں نے پایا
تھی[۵] آتش غم جو دل میں سوزاں	پہونچا بر وقت اس کا درماں

نوٹ ۔ عـہ اس بحر میں یہ وزن اور وزن مفعولن فاعلن مفاعیل یا فعولن دونوں جمع ہو سکتے ہیں ۔

عرصے سے منتظر جو تھا میں — تا دیر اُسے پڑھا کیا میں
صحت کی خبر مسرّت افزا — پڑھ کر کیا شکرِ حق کا سجدا
توام جو تھا عیش و غم کا ساماں — آئینے کی شکل تھا میں حیراں
خط کے ملنے کی تھی مسرّت — اور رنجِ فراق و دردِ فرقت
دل کی حالت بیاں ہو کیونکر — خامے میں مری زباں ہو کیونکر
پڑھ پڑھ کر خط تھا مُسکراتا — تھا اپنی ہنسی پہ رونا آتا
بنگلے کی طرح جلا دلِ زار — آنسو سے بجھاؤں تھا یہ دشوار
میدانِ عراق کی ہوائیں — اور دل کی لگی کو وہ بجھائیں
یہ عقل سے دور ہے سراسر — قسمت کا قصور ہے سراسر
جب پیشِ نظر یہ حال آیا — دل میں فوراً خیال آیا
غربت بھی عجیب ہی بلا ہے — مرنے سے بُری یہی بلا ہے
ہم تو بیٹھے ہیں یاں سفر میں — معلوم نہیں کہ کیا ہے گھر میں
ہم پر جو یہاں گذر رہا ہے — گھر والوں کو کیا خبر کہ کیا ہے
بچوں کی خبر نہ گھر سے واقف — سب سے غافل سفر سے واقف
آنکھیں ہیں مگر کہاں نظر ہے — پردہ ہر اک کی آنکھ پر ہے
یارب اس پردے کو اُٹھا دے — بچھڑے ہوؤں سے ہمیں ملا دے
یارب مری آہ میں اَثر دے — دامنِ گلِ مدعا سے بھر دے
ہے خواب و خیال جو کہ صحبت — آنکھوں سے دیکھوں پھر وہ صورت
فرقت سے تنگ ہو رہا ہوں — تنہائی پہ اپنی رو رہا ہوں
میعاد ہے اس طرح کی پائی — معلوم نہیں ہو کب رہائی

[۲۶] نے ہاتھ کوئی بٹانے والا — رستہ نہ کوئی بتانے والا

[۲۷] راہیں پر خوف منزلیں دُور — رہبر مفقود پیر معذور

[۲۸] یہ بھی قسمت کا ہے اُلٹ پھیر — یاں ساری عدالتوں میں اندھیر

[۲۹] راشی حکّام کوئی کیا دے — عملے والے حرام زادے

[۳۰] جھوٹے مکّار بے محبّت — لے لے کے ستائیں اِن کی عادت

[۳۱] قانون نیا پُرانے حکّام — ابلیس کے خاص سالے حکام

[۳۲] اس پر طُرّہ زبان بھی اور — مضمون بھی خط کی شان بھی اور

[۳۳] اور سارے وکیل ابنِ شیطاں — دھوکا دینا ہے جن کا ایماں

[۳۴] اُن سے کوئی مشورہ اگر ہو — غیروں میں سب وہ مُشتہر ہو

[۳۵] نکلے راہِ فلاح کیونکر — ایسوں سے لیں صلاح کیونکر

[۳۶] بے سوچے ہوئے اگر کریں کام — دھوکا کھا جائیں ہوئیں بدنام

[۳۷] ہاں سب کو ہے اپنے کام سے کام — مطلب کے لئے امام سے کام

[۳۸] گو لفظِ خدا زبان پر ہے — شیطاں سے زیادہ ہر بشر ہے

[۳۹] خود کامی کے بیج بونے والے — اسلام کا نام کھونے والے

[۴۰] ہمدردی سے بےخبر یہاں لوگ — بالکل ہیں جانور یہاں لوگ

[۴۱] لیکن وہ جانور بھی کیسے — انسانوں میں بھیڑیا ہو جیسے

[۴۲] دی جن کو خدا نے کچھ حمیّت — ہے آنکھ میں جن کی کچھ مُروّت

[۴۳] اُن کو اِتنی نہیں ہے فرصت — جو بات کریں کہاں یہ مُہلت

[۴۴] ایسی حالت میں کیا کریں ہم — اب کس سے التجا کریں ہم

[۴۵] ہے ایک فقط یہی سہارا — جس پر سب زور ہے ہمارا

[۴۶] نے لوگوں سے یاں یہ ساز ہے کچھ نے عقل پہ اپنی ناز ہے کچھ

[۴۷] اب تو ہم ہیں اُسی کے مہماں ہے درد کے واسطے جو درماں

[۴۸] سب کہتے ہیں مظہر العجائب مشہور ہے مظہرُ الغرائب

[۴۹] سلماں کو شیر سے چھڑایا طوفاں سے نوح کو بچایا

[۵۰] بیٹھے ہیں اُسی پہ لو لگائے اپنے ہاتھوں سے رنج اُٹھائے

[۵۱] بس دیر اُسی کے حکم کی ہے اپنا بعد از خدا وُہی ہے

[۵۲] تکیہ اب اُسی کی ذات پر ہے جو علم نبی کا خاص در ہے

[۵۳] اُس کے پیاروں کے آسرے پر لڑتے ہیں ہر ایک سے برابر

[۵۴] ورنہ ہم سا غریب و بیکس کمزور شکستہ حال، بے بس

[۵۵] دشمن کے مقابلے کو آئے بگڑے ہوئے کام کو بنائے

[۵۶] گر خبط کہیں اسے بجا ہے یہ بھی اِک طرفہ ماجرا ہے

[۵۷] یارب مجھے فتح مند کر دے ہمّت میری بلند کر دے

[۵۸] میں زار و نزار و ناتواں ہوں تیرے ہی سہارے پر یہاں ہوں

[۵۹] حافظ ہر حال میں تو ہی ہے دشمن سے زیادہ تو قوی ہے

[۶۰] گرچہ زمانہ بھر عدو ہے کیا غم ہے جو میرے ساتھ تو ہے

[۶۱] لکھنے کا بہت تھا کچھ ارادہ اس کم کو سمجھئے گا زیادہ

[۶۲] پر ہے یہ وہ قصّہ پریشاں لکھنا جس کا نہیں ہے آساں

[۶۳] خدمت میں جنابِ محترم کی تسلیم ہماری کہنا بھائی

[۶۴] بچوں کو مری طرف سے بھیّا لپٹا کے گلے سے پیار کرنا

[۶۵] اصغر کو مرا سلام کہنا اور چھوٹا سا یہ پیام کہنا

ہیں معترف آپ کی صفت کے — قائل ہوئے قلب ماہیت کے
ننے صاحب سے بعدِ تسلیم — کہیے گا بصد ہزار تعظیم
پہونچا مجھے سرفرازنامہ — شکریے میں سرنگوں ہے خامہ
آغا صاحب کے پاس جاکر — خط کا مضمون سب سُناکر
بعد از تسلیم با صد اکرام — پہونچائیے گا مرا یہ پیغام
کہیے گا حضور کی دعا سے — غافل نہیں شکرِ خدا سے
طولِ مدت سے ہوں میں مجبور — پلٹوں گا خدا نے چاہا مسرور
محنت کرتا ہوں اور دُعا بھی — گھبرائیں نہ آپ اک ذرا بھی
بہتر ہی خدا دکھائے گا کچھ — نقصان نہ ہونے پائے گا کچھ

احباب کی صحبتوں سے قاصر
مقبولِ عراق کا مُسافر

نظم نمبر ۷ ۲۴ ؍ اپریل ۱۹۰۶ء تعداد اشعار ۲۳

خط منظوم نمبری ۴

جواب خط ننّے صاحب

نوٹ۔ یہ خط منظوم نواب ننّے صاحب کے نام ہے جو محمد صاحب کے بہنوئی ہیں خط منظوم نمبری ۲ میں اُن حضرات کے تعلقات پر روشنی ڈال دی گئی ہے۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں آٹھویں شعر میں اس انجمن کی طرف اشارہ ہے جو نوابین لکھنؤ نے قائم کی تھی مُنّے مرزا کا نام بارھویں شعر میں آیا ہے یہ محمد صاحب کے چھوٹے سالے کا نام ہے یعنی امراؤ مرزا صاحب کے چھوٹے بھائی جن کا ذکر اس نوٹ میں آچکا ہے جو خط منظوم نمبری ۱ کے متعلق درج ہے۔ سولھویں شعر میں اصغر حسین سے مراد شیخ اصغر حسین جو شیخ اطہر حسین عرف محمد صاحب کے بڑے بھائی تھے۔ صفی عفی عنہ

(تخمیس)

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف۔ ارکان۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات یا فعلن

بخارِ دل کا نہ نکلے گا چشم نم سے کبھی جو حال دل کا کوئی پوچھتا ہے ہم سے کبھی
تو کہتے ہیں ہوئی مہلت اگر الم سے کبھی کریں گے حالِ دل اظہار کچھ قلم سے کبھی
ہوئی جو فکر کو فرصت ہجوم غم سے کبھی

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف۔ قطعہ ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

آپ کو حالتِ دل اپنی سنائیں کیونکر اپنی فریاد کی پہونچیں گی صدائیں کیونکر
جو مسرت ہوئی خط دیکھ کے ہم کو واللہ وہ خوشی حیطۂ تحریر میں لائیں کیونکر
آگ بنگلے کی تو سب لوگوں کی کوشش سے بجھی جو لگی دل کی ہے ہم اُس کو بجھائیں کیونکر

کب پلٹتے ہیں وطن کی طرف اب دیکھیں ہم
خود ہی معلوم نہیں ہے تو بتائیں کیونکر

کام بڑھتا ہی چلا جاتا ہے زلفوں کی طرح
سر سے ہم دفع کریں اپنے بلائیں کیونکر

آپ کا بندۂ احسان ہے گھر بھر اپنا
آپ تابوت اُٹھائیں وہ نہ آئیں کیونکر

گر مکاں سر جو کا بکتا ہے تو مجبور ہیں ہم
مُول کس طرح سے لیں اور چُکائیں کیونکر

انجمن والوں نے بیشک یہ بڑا کام کیا
اپنے اِس کام کی وہ داد نہ پائیں کیونکر

اُن کے جلسے میں اگر ڈپٹی کمشنر آئے
جو خلاف اُس کے ہیں وہ خار نہ کھائیں کیونکر

کوئی حکمت نہ چلی فکر بہت کی ہو گی
داغ تو پڑ گیا اب اس کو چھڑائیں کیونکر

تنگ وقت اِتنا ہے پہونچے گا یہ خط جلسے کے بعد
اہلِ جلسہ کو غزل اپنی سُنائیں کیونکر

مُنّے مرزا کو جو خط بھیجیں پہونچنا ہے محال
اُن کی سُسرال تلک ڈاک لئے جائیں کیونکر

آپ لکھد تجیئے گا اُن سے ہماری تسلیم
ہم پتہ اُن کا بھلا کہیئے تو پائیں کیونکر

ایک ہی پنتھ میں دو کاج نکلتے ہوں اگر
مفت بچتا ہے ٹکٹ پھر نہ بچائیں کیونکر

آنکھ سے جب ہوئے اوجھل تو ہوئے دل سے بھی دور
اکثر احباب ہمیں بھول نہ جائیں کیونکر

بھائی اصغر تو گرستی میں پھنسے ہیں ایسے
ڈھائی آنے کا ٹکٹ خط پہ لگائیں کیونکر

جن سے اُمیّد تھی ہر ہفتے میں خط بھیجنے کی
اُن کو فرصت نہیں خط آئیں تو آئیں کیونکر

ہم تو بالفعل ہیں اِک تختۂ جنّت میں مقیم
راہ دوزخ کی ہے کس رُخ کو بتائیں کیونکر

آپ حضرات کو مسعود ہو یہ عیدِ شجاع
دُور اُفتادہ کو سب یاد نہ آئیں کیونکر

مختصر یہ ہے کہ کہیئے گا سبھوں کو تسلیم
نام اشعار میں ہر ایک کے آئیں کیونکر

آپ کی صحت و اقبال کے خاطر شب و روز
مانگیں خالق سے نہ مقبول دُعائیں کیونکر

نظم نمبر ۸ — ۷ رمئی ۱۹۰۶ء — تعداد اشعار ۷

باقی ۲ شعر پڑھے نہ جاسکے

خطِ منظوم نمبری ۵ بنام نواب بڈھن صاحب

نوٹ خطِ منظوم نمبری ۲ میں اس خط کا ذکر آچکا ہے اس میں ۹ شعر تھے مگر صرف سات شعر ابتدا کے پڑھے جاسکے باقی کل شعر بالکل مٹ گئے ہیں نمی پہونچنے سے روشنائی پھیل گئی ہے کہیں کہیں سے جو مصرعے پڑھے جاسکے ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالباً واپسی لکھنؤ کے سفر کی حالت ظریف مرحوم کو لکھی تھی کہ رفقائے سفر نہایت درجہ کثیف اور نا مہذب لوگ تھے اسی کے متعلق ظریف نے شاعرانہ رنگ میں اظہار ہمدردی کیا ہے خط دلچسپ ضرور تھا مگر افسوس ہے کہ پڑھا نہیں جاتا۔

عراق میں ظریف مرحوم زیادہ تر حنیف کے نام سے مشہور تھے۔ اور ہندوستان میں مقبول کے نام سے۔ محمد حنیف اور مقبول حسین ظریف ہی کے دونوں نام ہیں۔ (صفی عفی عنہ)

بحر ہزج مسدس اخرب مقبوض مقصور یا محذوف — ارکان مفعولُ مفاعلن مفاعیل یا فعولن

اے بندہ نواز ذی مروّت — سر خیلِ گروہِ با صداقت
تسلیم حنیف اب ہو مقبول — قصّہ ہے مختصر نہیں طول
پہونچا مجھے سرفراز نامہ — شکریے میں سرنگوں ہے خامہ
خط صبح کو آج ہی ملا ہے — اور دن بھی آج ڈاک کا ہے
تعجیل اسی سے ہے زیادہ — لکھنے کا بہت تھا کچھ ارادہ
میں نظم کروں کہاں لیاقت — یہ بھی حضرت کا فیضِ صحبت

غث بث جو کچھ لکھ دیا ہے
کیجیئے گا معاف اگر خطا ہے

نظم نمبر ۹ جون ۱۹۰۶ء تعدادِ اشعار ۳۱

خطِ منظوم نمبری ۱۶ بنام نواب بڈھن صاحب

نوٹ یہ خطِ منظوم نمبری ۱۶ بھی نواب بڈھن صاحب کے نام معلوم ہوتا ہے۔ گو کہ متن میں کہیں مکتوب الیہ کا نام نہیں ہے نواب صاحب موصوف کے متعلق خطِ منظوم نمبری ۱۲ کے نوٹ میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے اس خط میں کسی معہود ذہنی کا حال قلم بند ہے اور گرمی کی شکایت۔ پندرھویں شعر میں "عرب کا دنبہ" غالباً بالکنایہ ضیاء الدین خدام کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ صفی عفی عنہ

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف۔ ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

منبعِ صدق و صفا مرکزِ لطف و شفقت — صاحبِ لطف و کرم معدنِ علم و حکمت

بعدِ شوقِ شرفِ خدمت و تسلیمِ نیاز — مختصر عرض رسا ہوں کہ جو کچھ ہے حالت

پہونچے دو حضرتِ والا کے عنایت نامے — جس سے معلوم ہوئی سب خبرِ خیریت

ملتجی عفو کا ہوں گر ہوئی تاخیرِ جواب — کثرتِ کار سے ملتی ہے بہت کم فرصت

اور گرمی کا یہ عالم ہے عیاذاً باللہ — چھالے پڑ جائیں قلم میں جو لکھوں کچھ حالت

کچھ سوا نیزے سے اونچا ہے ابھی تک خورشید — اتنا ہی فرق قیامت سے ابھی ہے حضرت

روز حمّام کا گھر بیٹھے مزا ملتا ہے — غسل ہوتا ہے پسینے سے یہ پہونچی نوبت

آج کچھ صبح کو تھوڑی سی ہوا ٹھنڈی تھی — نظم لکھنے کی اسی سے ہوئی مجھ کو جرأت

نابلد محض ہوں ہر چند کہ اس راہ سے میں — جس قدر ہے وہ ہے سب آپ کا فیضِ صحبت

دردِ فرقت کا ابھی تک نہ ہوا کوئی علاج — دلِ بیمار کو حاصل نہ ہوئی کچھ صحت

میرے حق میں ہوئی سم آب و ہوا کی تبدیل — طولِ مدت سے بدل جائے نہ کیوں خاصیت

ہجر احباب کے صدمے کا تحمّل کب تک — غم تنہائی اُٹھانے کی کہاں تک طاقت

اُس پہ طُرّہ کہ ابھی تک ہے یوہیں نامعلوم — واپسی اور شبِ ہجر کا طولِ مُدّت

کام میں کام نکلتا ہی چلا آتا ہے — دس ابھی اور اگر ایک سے پائی فرصت

پھر گیا سبزۂ جاداد، عرب کا دُنبہ — بکری منڈی میں بندھے رہنے سے بدلی عادت

خیر اُس کو تو کسی طرح سے ہانکا ہم نے — تا بہ مَقدور بصد لطف بہ انسانیت

اُن مکانوں میں کرائے پہ اُتارے کچھ لوگ — جن کو گانٹھے ہوئے بیٹھے تھے ضیاء الملّت

کچھ عدالت کے بکھیڑوں سے بھی چھٹّی پائی — بعض ایسے ہیں کہ جن سے نہیں اب تک مُہلت

جب ہُوا بدلی تو اعیانِ بلد بھی بھاگے — لے کے مادہ کو کہیں اور جو پائی خلوت

اِک مکاں لے کے کرائے پہ قریب حمّام — گرم ہے دن کو مطب رات کو شغلِ حکمت

غور کرنے سے یہی ہوتا ہے معلوم ہمیں — بڑھ گئی شغل سے کچھ صیغے کی شاید مُدّت

اُسی معجون کا ہوتا ہے ابھی استعمال — جس کی تاثیر سے گھٹتی ہے دماغی قوّت

جانتے تھے جسے فصلی یہ غلط ہے تشخیص — لازمی تپ ہے خدا ہی اُنھیں بخشے صحّت

کیوں کہ عرصہ ہوا پیچھا نہیں چھوڑا اُس نے — زرد آلو کی طرح ہو گئی اُن کی رنگت

غسلِ صحت یہ کیا کرتے ہیں ہر روز مگر — رات کو سو نہیں سکتے یہ مرض کی شدّت

بارور ہو نہیں سکتا ہے یہ نخلِ امید — لاکھ کی جائے شب و روز گر اُس پر محنت

یہ تو ظاہر ہے کہ یہ مزرعۂ ایرانی ہے — اس میں ہندی کوئی بوئے یہ نہیں ہے قدرت

پھر اُلجھتی ہے طبیعت کہ وطن یاد آیا — پھر رُکی جاتی ہے جو کچھ ہے قلم میں جودت

مختصر یہ کہ دُعا گو ہوں شب و روز یہاں — آپ کی صحّت و اقبال کے خاطر حضرت

اُن کی خدمت میں بھی تسلیم مری ہو مقبول — آپ سے جو کہ مری پوچھتے ہوں کچھ حالت

گر وطن پہونچا تو خدمت میں کروں گا اظہار — اتنے عرصے میں جو کچھ گذری ہے مجھ پر حالت

نظم نمبر ۱۲ — ستمبر ۱۹۰۶ء — تعداد اشعار ۱۴۲

خط منظوم نمبری ۷

بنام شیخ اطہر حسین عرف محمد صاحب

نوٹ۔ یہ خط ظریف نے محمد صاحب کو حصولِ کامیابی کے بعد لکھا ہے جب کہ عنقریب لکھنؤ واپس آنے کا ارادہ تھا اس میں حکومت کی بدنظمیوں کا مفصّل حال درج کیا ہے اور وہاں کے خدّام وغیرہ کا چال چلن۔ عورتوں کی حالت، قبائل کی سرشوری ان سب چیزوں کو بہت شرح و بسط سے ظاہر کیا ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف۔
ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

اے دلِ غم دیدۂ مہجور کے راحت رساں
بھائی اطہر قوّتِ بازوئے قلبِ ناتواں

تادمِ تحریر اچھا ہوں بحمد اللہ میں
آپ کی صحّت کا خواہاں ہوں خدا سے ہر زماں

چند ہفتوں سے برابر کربلا میں ہوں مقیم
بعد دقت کے ضیاء الدّین سے پائے مکاں

کیا کہوں خدّام صاحب نے کیے جو جو فریب
شرم آتی ہے مجھے کرتے ہوئے اُن کا بیاں

للہ الحمد اُن کی چوٹیں جتنی تھیں خالی گئیں
حق تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا بے گماں

بکری منڈی کی طرح قابض تھے جس جا دار پر
اُن کے پنجے سے چھٹی شکرِ خدائے دو جہاں

کچھ کرایہ دار بھی آباد ہم نے کر دیے
جس سے ظاہر ہو ہر اک پر اپنے قبضے کا نشاں

ذمّۂ سرکار فاضل تھا ہزاروں کا حساب
تین سودے کر غرض میں نے چھڑائی اپنی جاں

گو ہمیں یہ جز رقم بھی اُن کو دیتے کھل گئی
مصلحت سے دقت کے لیکن تھی مجبوری یہاں

کیوں کہ لے جاتے عدالت تک اگر اُن کا حساب
اِس سے بڑھ کر صرف ہو جاتا وہاں پر بے گماں

اور طوالت مفت کی ہوتی نتیجہ کچھ نہ تھا
دے کے صدقہ یہ بلا ٹالی کہ حاصل ہوا ماں

جتنی فطرت کی گئی ہے یاں اس امرِ خاص میں
بسط سے مشکل ہے اس تحریر میں اُس کا بیاں

آپ لوگوں کی دعا کی تھی غرض تاثیر یہ
ورنہ اپنی کامیابی کا نہ ہوتا تھا گماں

اِک تو اُن کا شہر اُس پر مفت کا مالِ حرام
دوسرے خدّام اور خدّام بھی کیسے کلاں

تیسرے سید مگر سادات کی خصلت سے دور
مالِ مُردہ کیا کہ مردہ تک مسلّم نوشِ جاں

بھائی بند اُن کے بہت بانکے فسادی بس کی گانٹھ
قوّتِ بازو و جب ایسے ہوں تو اُن کا کیا بیاں

خیر یہ تو تھا ہی طرّہ اس پہ یہ ملکِ عراق
قاعدے قانون کا سایہ نہیں کوسوں جہاں

دن دہاڑے لوٹ لینا ایک ادنیٰ کام ہے
آدمی کے مارنے میں ہو نہ دقّت کچھ جہاں

یہ تماشا رات دن ہے کوچہ و بازار میں
مار ڈالا ایک کو دو کو کیا گر نیم جاں

مختصر سا واقعہ سنئے نجف کا آج کل
جس کو مرکز علم کا کہتے ہیں سب پیر و جواں

جس جگہ طلاب اور عالم بھی ہیں اکثر مقیم
علم کا چرچا زیادہ ہر جگہ سے ہے جہاں

دو عشیروں میں عداوت ہے کئی سو سال سے
اِک شمرت اور اِک زکرت اُن کے ہیں نام و نشاں

کچھ محلّے اِن کے ہیں اور کچھ محلّے اُن کے ہیں
ہیں مقیمانِ نجف سب اُن کے اہلِ خانداں

عین مخصوصی کے دن فوراً لڑائی چھڑ گئی
صحن کے اندر لگیں چلنے دنادن گولیاں

چڑھ گئے بعضے تو گلدستوں پہ بندوقیں لیے
بعض نے قبضہ کیا پایا جہاں جس کا مکاں

گولیاں ہر کوچہ و بازار میں پڑنے لگیں
بیلی گارد کی طرح تھا شہر کے اندر سماں

یہ تو اُن کا حال ہے بندوقیں جن کے پاس تھیں
اور نہتّے گھس گئے تھانے کے اندر ناگہاں

عسکروں کو مار کر بندوقیں اُن کی چھین لیں
اب تو یہ بھی بن گئے پورے سپاہی بے گماں

پھر تو گویا شہر بھر میں مچ گیا اِک قتلِ عام
جو کہ دولت مند تھے اُن کی پھنسی آفت میں جاں

لے لیا سب اُن سے فوراً پایا تو گولی ماردی
کون پوچھے بے گنہ مارے گئے کتنے یہاں

کر چکے جب شہر والوں پر یہ اپنا ہاتھ صاف
جھک پڑے زوّار پر پھر الحفیظ والاماں

عورتوں بچوں کے سارے کپڑے تک لے لیے
مرد یا ننگے ہوئے یا دی انھوں نے اپنی جاں

بند دکانیں ہوئیں اکثر مرے دکان دار
بھاگ کر کچھ کربلا تک آ گئے پیر و جواں

لٹ گئے مارے گئے بھاگے تہ جب ہو چکے
تب حکومت کو خبر پہونچی شلغ ہے کچھ وہاں

فوج بھیجی جائے اب ہونے لگا یہ انتظام
فوج جائے تو کہاں سے فوج آخر ہے کہاں

چیتھڑے پہنے ہوئے ہر شہر میں ہیں لوگ کچھ
قید ہیں جو عسکروں کے نام سے پیر و جواں

کربلا کے ایک میداں میں ہوئے آ آ کے جمع
بھاگ گئے پر پہلے ہی سے جو کہ آمادہ تھے یاں

کوچ کی خاطر لگا بجنے جو ہیں ترکی بگل
چل دیئے اکثر سنا ہے مول لینے روٹیاں

بعض جوتے اپنے ٹکوانے گئے موچی کے پاس
سی رہے تھے بعض اپنی چیتھڑا سی وردیاں

بعض پتھر سے رگڑتے تھے سلاح جنگ کو
جس میں چھوٹے زنگ اور چلنے کے قابل ہوں وہاں

بعض قہوہ خانے میں پیتے رہے لے لے کے چائے
بعض لے آئے پنیر اور پیاز کی کچھ گٹھیاں

افسرانِ فوج بھیڑوں کی طرح تھے ہانکتے
اور سپاہی پیٹ کے دھندے میں تھے مصروف یاں

اب خیال آیا کہ جائے فوج آخر کس طرح
کوچ کا تو حکم ہے لیکن سواری ہے کہاں

دلگی سنیے گدھے پکڑے گئے سب شہر کے
تا کہ ان پر بیٹھ کر جائے سپاہ بے کراں

کربلا میں ہیں گدھے سب سے سوا سقوں کے پاس
یاں کے انسانوں کی چلتی ہیں گدھوں سے روٹیاں

بہشتیوں سے چھین لائی ان گدھوں کو فوجِ شاہ
جب گدھے چھن جائیں پھر ممکن کہاں آبِ رواں

فوج جائے صبح کو یہ حکمِ تاکیدی تھا گو
اس قدر گڑبڑ مچی شب کو ہوئی یاں سے رواں

فوج کے جب جی میں آیا وہ جب ہی یاں سے ٹلی
کوچ کے خاطر بگل دن بھر بجا پوں پوں یہاں

کربلا سے جب گدھے سب چل دیئے سوئے نجف
آب کی قلت سے انساں ہو گئے سب نیم جاں

حاکم اعلیٰ گئے سوئے نجف سن کر خبر
ایسے آئیں بیس ان کی کون سنتا تھا وہاں

خود بخود آخر کو اُن کا شور کچھ کم ہو گیا
فوج کی بیکار آفت میں پھنسی واں جا کے جاں

سچ ہو یا ہو جھوٹ کیا معلوم اِتنی دُور پر
سُنتے ہیں کچھ امن کی صورت ہوئی ہے اب وہاں

ڈاک کا باقاعدہ یاں پر نہیں ہے سلسلہ
جس سے کچھ حالت کہیں پر کی کہیں پر ہو عیاں

ایک دن کے راستے پر ہیں مگر سب بے خبر
یہ یہاں کا حال ہے جس سے کہ ہے آفت میں جاں

پہلے قاطر کے سوا کوئی سواری یاں نہ تھی
اب زمانے نے ترقی اس قدر کی ہے یہاں

کربلا سے تا نجف از کربلا تا کاظمین
نام عربانہ ہے جن کا چلتی ہیں وہ گاڑیاں

منزلِ مقصود تک پہونچیں اگر اعجاز ہے
گر نہ پہونچیں تو شکایت کا محل کیا ہے یہاں

راستہ بیہڑ گڑھے خندق ہزاروں لوٹ مار
کوچباں اُلّو کے پٹھے اور چھکڑا گاڑیاں

جب سے گرمی نے جمایا ہے یہاں پر اپنا رنگ
یہ قیامت ہے کہ اب چلتا ہے شب کو کارواں

دن میں جن راہوں سے آتے ہیں ہو زہرہ آب ب
رات کو وہ منزلیں طے ہوں خدا ہی کی ہے شاں

بچ گئے تو بچ گئے مارے گئے مارے گئے
نے شکایت موت کی نے زندگی ہی کا گماں

کہیئے اب انصاف سے جب ہو حکومت کا یہ حال
وائے برحال اُس کے غربت میں پھنسا ہو جو یہاں

خیر یہ بھی زندگی میں واقعہ ہے یادگار
اس سے بڑھ کر امتحاں گاہِ مصیبت ہے کہاں

سچ تو یہ ہے "یک حسینے نیست کو گردد شہید
ورنہ بسیار ند در دُنیا یزید" اور پھر یہاں

سچ ہے دُنیا میں عرب کی قوم ہی وہ قوم ہے
آدمیّت کا نہیں جس قوم میں نام و نشاں

ذاتِ پاکِ مصطفےٰ کا گر نہ یاں ہوتا ظہور
بدترین قوم تھی بیشک یہ قومِ ناکساں

سُنتے ہیں جو جو قساوت کے وہاں پر واقعے
باعثِ گریہ ہوا کرتا ہے اکثر جو وہاں

یاں پہونچ کر سب وہ ہو جاتا ہے خود پیشِ نظر
ہند میں جن کا حدیثوں میں سُنا ہوگا بیاں

ساتھ ہوتے آپ جب اُس شہر کا کچھ لطف تھا
خاک ایسی زندگی پر سب وہاں اور ہم یہاں

فرقتِ احباب میں اکثر بتنگ آ چکے ہیں
وقتِ تنہائی نظر کر کر کے سوئے آسماں

حالتِ غربت میں پڑھتا ہوں یہ اشعارِ صفی
”در پئے ایذا ہے گردوں الحفیظ والاماں“

”ہوں وہ قطرہ قعرِ دریا میں جسے سیلاب نے
یہ نشیں ایسا کیا ملتا نہیں جس کا نشاں“

”ہوں وہ دانہ جس کا خرمن ہو گیا گو نذرِ برق
تو بھی پیسے ڈالتی ہے آسیائے آسماں“

”ہے دعا یہ خالقِ ارض وسما سے اب مری
”اے مرے مالک مرے پروردگارِ آسماں“

”آبرو بخشے جو تو اس قطرۂ گم گشتہ کو“
دُرّۃُ التّاجِ سعادت ہو یہ پائے عزّ و شاں“

اے جہازِ اُمّتِ عاصی کے لنگر المدد
المدد اے قبلۂ عالم امیرِ مومناں

المدد مشکل کشا معجز نما شاہِ نجف
المدد اے چارہ سازِ دردِ قلبِ ناتواں

فرقتِ احباب سے مولا بہت دل تنگ ہوں
لیجیے جلدی خبر اے دستگیرِ بے کساں

”عاقلی نبود زدرماں درد پنہاں داشتن“
آپ سے دردِ دلی کا اپنے کرتا ہوں بیاں

ایسے نازک وقت میں جب کوئی چارہ ہی نہیں
”دوں نہ تکلیف آپ کو آخر تو پھر جاؤں کہاں“

ہند سے آیا ہوں اپنے چھوڑ کر اہل و عیال
آپ ہی کے لطف پر اے بادشاہِ دو جہاں

کامیابی سے مجھے پہونچائیے سوئے وطن
شادماں ہو جائے تا میرا دلِ ناشادماں

یاد رکھیں گے اس افسانے کو اپنے عمر بھر
گر وطن پہونچے تو پھر تفصیل سے ہو گا بیاں

یہ جگہ وہ ہے کہ بس رنج و مصیبت کے سوا
آدمی کے واسطے راحت نہیں ممکن جہاں

دس اگر اچھے تو سو ہیں بانئ فسق و فجور
جس کی خاطر مفت میں بدنام ہے ہندوستاں

مکتبوں میں لونڈے بازی کا سبق پڑھتے ہیں لوگ
مُفت کے لونڈے تو ہیں ممکن نہیں گر رنڈیاں

بعض ایسے جن کے عمّامے سروں پر ہیں بزرگ
مکتبوں میں فاعل و مفعول ہے وردِ زباں

گر بُرے ہیں دس تو اچھے بھی ہیں ان میں ایک دو
ہے مثل ہوتی برابر کب ہیں پانچوں اُنگلیاں

ذاتِ پاکِ شیخ کاظم ایک نعمت ہے عجیب
خاص بہرِ ساکنانِ کشورِ ہندوستاں

کربلا میں بھی اسی صورت سے ہیں سیّد عبود
نیک نفس و پاک باطن مخلص و راحت رساں

ورنہ خدّاموں کی حالت تو ہے بس ناگفتہ بہ — کچھ نہ پوچھو حال ان حضرات کا اے بھائی جاں

عورتیں چالاک اور بیباک ایسی الحذر — واقعے سُن سُن کے جن کے جھپ جائیں رنڈیاں

اک عفیفہ کا ذرا سا واقعہ ہے پیش کش — عقد میں حضرت نے پھانسا ایک کو پاکر جواں

دوسرے کی سمت جب مائل توجہ کچھ ہوئی — متعہ اُن سے کرلیا دل بستگی کو بے گماں

ثالث بالخیر کا آیا جو ہیں دل میں خیال — تیسرے سے بھی بڑھایا آپ نے صیغہ نہاں

یہ ثلاثہ اتفاقاً قہوہ خانے میں گئے — دوسرے پر حال اپنا اک لگا کرنے عیاں

جب کتھا پوری سُنی حیرت ہوئی ہر ایک کو — برہمی ہوکر لگیں آپس میں چلنے جوتیاں

یہ خبر عورت کو جب پہونچی رفوچکر ہوئی — رہ گئے منہ دیکھ کر سب عارضی اُس کے میاں

اس طرح کی عورتیں نکلیں گی صدہا اس جگہ — چادر و بیچہ نہیں دھوکے کی ہیں سب ٹٹّیاں

رات دن مردوں کے مجمع میں پھریں آزاد جب — شرم کیسی پھر بھلا عفتّ کجا عصمت کہاں

کی ذرا شوہر نے سختی جب تو آفت آگئی — خدمتِ مُلّا میں پہونچیں اور کیا جاکر بیاں

میں نہیں راضی ہوں شوہر سے مجھے دیجئے طلاق — خلع دینے پر میں آمادہ ہوں لے لیجئے یہاں

بس اسی دم کیجیے اَلقَط خدا کے واسطے — کام کا میرے نہیں شوہر نہ جاؤں گی وہاں

لوگ سمجھانے لگے جانے بھی دو جانے بھی دو — کیوں لڑو آپس میں چھوڑو اس بلا ہی کو میاں

پیش دعوے پر کئے دو ایک ایسے ہی گواہ — مولوی صاحب کریں تحقیق یہ ممکن کہاں

ایک کو چھوڑا اگر بس دوسرا فوراً شکار — عورتوں سے الغرض مردوں کی ہے آفت میں جاں

سب سے بہتر ہے کہ جو تنہا کرے اپنی گذر — قیدیوں کی طرح بس دل پر اُٹھائے سختیاں

کنجِ تنہائی سے جو نکلا ہوا فوراً شکار — کچھ نہیں موقوف اس پر پیر ہو وہ یا جواں

گر مجاور ہے تو اور آفت ہے اس کی جان پر — کیا کرے کیونکر بچے آخر چلا جائے کہاں

ہوشیاری کی اگر مردوں کے پھندے سے بچا — عورتوں کی فکر سے ممکن نہیں بچ جائے جاں

دونوں فرقے آبرو کے طالب اور خواہانِ زر
مال کس کس سے بچے محفوظ ہو کس کس کی جاں

اصل تو یہ ہے کہ وہ باتیں ہیں سب ناگفتہ بہ
آ کے زوّاروں نے جو جو گل کھلائے ہیں یہاں

بالخصوص اُن عورتوں نے جو کہ تھیں کچھ مالدار
پا کے آزادی زیارت کے لیے آئیں یہاں

ہند میں موقع نہیں اتنا کبھی ان کے لیے
جس قدر آزاد ہو جاتی ہیں یہ آ کر یہاں

جب تکرار ایسا ہو کیوں خدّام خادم ہو نہ جائے
مُفت کی ہر چیز کی حلّت میں شک باقی کہاں

دونوں جانب کی رضامندی فقط درکار ہے
یوں بسر ہوتی ہے آخر جس طرح بی بی میاں

گر ہوا بچّہ تو پایا مُفت کا خادم حسین
ہند کو پلٹیں حصولِ مدّعا سے شادماں

چند خادم ہیں مگر ایسے کہ جو محفوظ ہیں
جن کو پاسِ آبرو اور ہے خیالِ عزّ و شاں

جو کہ ماں بہنیں سمجھتے ہیں پرائی عورتیں
البقی کا حال لکھنے کے نہیں قابل یہاں

قافلہ آیا اِدھر دل میں ہوئی لوگوں کے فکر
اِس میں ہیں کتنی عورتیں بڑھیا ہیں اور کتنی جواں

کون سی عورت ہے ایسی جس سے ہو دل بستگی
دو گھڑی کی دلّگی کچھ روز ہو جائے یہاں

کوئی فیض آبادی صندوقچی کا دل سے خواستگار
حیدرآبادی کی خاطر کوئی مثلِ نیم جاں

لکھنؤ کی جنس کا خواہاں بنارس کا کوئی
سیخنے کھاتا ہے پٹنے کے لئے کوئی جواں

مثلِ انبہ مرشدآبادی کی خاطر کوئی زرد
اور کسی کو یاد کلکتّے کی نازک ساریاں

ہے کسی کی ناک میں بوئے جونپوری بسی
کوئی سچّے مال کا دہلی کے دل سے قدرداں

کوئی دیہاتوں کی بھولی صورتوں کا خواستگار
کوئی اہلِ شہر کے انداز میں رطب اللسّاں

شوق اِدھر کا یہ اُدھر کا بھی یوہیں ہے اشتیاق
کالی کالی صورتوں سے سابقہ جن کو وہاں

مُرزقی لاغر افیمی سے ہوں جن کے ہم نشیں
خواب میں یہ صورتیں اُن کو میسّر ہوں کہاں

موٹے تازے طاقت آور اور پھر سرخ و سفید
جنس ایسی ہند میں آخر میسّر ہو کہاں

ہے یہی نعمت کہ ہم خرما میسّر ہم ثواب
چھوڑ کر ایسی جگہ دنیا میں یہ جائیں کہاں

یہ عموماً درس خوانِ مکتبِ شیطان ہیں — چھوکری ہیں اُن کے آگے ہند کی سب رنڈیاں

عورتوں کو جب نظر مردوں کا آیا واقعہ — یہ حکایت سُن کے اُن کو ضبط کی طاقت کہاں

جب قلم مردوں کا دیکھا ہو گیا وقفِ دوات — مستعد یہ بھی لڑانے پر ہوئیں خود تختیاں

کیا کریں بیکار آخر وقت کاٹیں کس طرح — مشغلہ کوئی تو ہو جس سے کہ دل بہلے یہاں

اک تو خود چالاک اور بے باک ایسی الحذر — واقعے سُن سُن کے جن کے جھینپ جائیں رنڈیاں

گر نہ ہوتا دفن سبطِ رحمتہ للعالمیں — بارِ عصیاں سے اُلٹ جاتی زمیں بے گماں

امن اسی سے ہے کہ زیرِ سایۂ مظلوم ہیں — ورنہ اچھوں کی تباہی مُفت ہو جاتی یہاں

ان گنہگاروں پہ اپنے بار الٰہا رحم کر — کر عطا توفیقِ نیک اِن کو خُدائے دو جہاں

واسطہ حق کا اُسی مظلوم کے اے کبریا — عاجزوں پر رحم کر اے چارہ سازِ بندگاں

اِن بلاؤں سے الٰہی تو انھیں محفوظ رکھ — اشتیاقِ خدمتِ مولا میں جو آئیں یہاں

یا الٰہی یہ دُعا مقبول کی مقبول ہو — پاک پلٹیں ہر گنہ سے ساکنِ ہندوستاں

جو مجاور ہیں مصائب سے اُنھیں محفوظ رکھ
اور جو زوار ہیں وہ گھر کو جائیں شادماں

نظم نمبر ۱۱ سنہ ۱۹۰۶ء تعداد اشعار ۱۷

۲۷ راکتوبر مطابق ۸۔ رمضان سنہ ۱۳۲۴ھ

نوٹ۔ اس نظم سے پتہ چلتا ہے کہ عراق میں جب ترکوں کی حکومت تھی تو اُس وقت کیسی بدنظمی کا سامنا تھا۔ بالخصوص ایرانی افراد کا سبہ کے ساتھ عمال حکومت کا کس قدر متعصبانہ اور بے دردانہ برتاؤ تھا۔ روزمرہ عراقی فارسی میں واقعات نہایت خوبی سے نظم ہوئے ہیں مادۂ تاریخ بھی خونیں واقعات کا اظہار کر رہا ہے۔ تین عدد کا تخرجہ بھی بہت حسن سے ہوا ہے گیارھویں شعر میں ہُدہُد کا ذکر ہے مگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کون شخص تھا کہ باوجود ایرانی نہ ہونے کے شکار کر ڈالا گیا۔ (صفی عفی عنہ)

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف ارکان۔ مفعولُ فاعِ لاتُ مفاعیلُ فاعِ لات یا فاعلن

در سالِ یک ہزار و سہ صد و بست و چار حیف
از بہرِ پول شہر بہ ایں دستگاہ شد

تعطیل شد ز پنجم شعبان بہ کاسبی
در شہرِ نو قیام ہمہ بین راہ شد

چادر زدند بر درِ نوّاب کاسباں
از کثرتِ خیام دگر خیمہ گاہ شد

نقصان و ہم شماتتِ ہم سایۂ حریف
روئے سفید از غمِ ذلّت سیاہ شد

آمد چو ایلچیٔ اجل بہر مقدمش
چوں گو سفند فدیۂ ہر بے گناہ شد

کشتیٔ آبروئے رعایا شکست وحیف
تا نا خدا نہ ذرّہ خبر آہ آہ شد

از کم توجّہیٔ دبیرانِ خود پسند
بے عار شد رعیّت و بدنام شاہ شد

در گوشِ غفلت آہ فرو شد نہ ایں خبر
ہنگامۂ زگاوِ زمیں تا بہ ماہ شد

زیں شاں کہ با کسے نہ اذیّت رسیدہ بود
پس کُشت و خوں خلاف بحکم الٰہ شد

آناں کہ زیں جہاں سوِ ملکِ عدم شدند
از دستِ بردِ رزمیِ اینہا پناہ شد

ہُدہُد کہ او تعلق از ایرانیاں نداشت
صد حیف بے گناہ شکارِ سپاہ شد

از دست رفت حرمتِ ماہِ صیام حیف — بعد از نماز قتل چو ہر بے گناہ شد

اسلام با یہود نکرد ایں چنیں سلوک — عُریان و لُخت لاشۂ ہر دادخواہ شد

قالین و رختِ خواب و سماوار و دستگاہ — چیزے بجا نماند نصیبِ سپاہ شد

بودند زیرِ بیرقِ انگلش ہمہ مقیم — ایں سالِ عیسوی پئے آنہا گواہ شد

ہنگامِ صبح بعدِ اذاں ہشتمِ صیام — از گلّہ "تفنگ" جماعت تباہ شد

شد پائمال چوں سرِ جرأت نِفاق گفت

بے جرم خیمہ گاہِ عجم قتل گاہ شد

(۱۹۰۹-۳=)

سنہ ۱۹۰۶ء

نظم نمبر ۱۲ دسمبر ۱۹۶۰ء تعداد اشعار ۱۸

خط منظوم نمبری ۶ بطور تضمین

بنام مرزا مقبول حسین پٹیالہ

نوٹ. کربلا میں مرزا صاحب سے ملاقات ہوئی چونکہ ظریف کے ہم نام بھی تھے اور ہم مذاق بھی اس لئے دوستی بڑھ گئی معلوم ہوتا ہے کہ بعد زیارت مرزا صاحب اپنے وطن واپس گئے اور وہاں سے خط وکتابت ہوتی رہی اسی کے سلسلے میں یہ اشعار بطور تضمین کہہ کر ظریف نے اُنھیں بھیجے۔

(صفی عفی عنہ)

بحر. رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

ہے یہ قسمت کی رسائی کہ جو حضرت سے ملا
پر تأسف ہے کہ خدمت نہ ہوئی کوئی ادا
دفعتہً آپ وطن کو گئے اور میں تنہا
اکثر اوقات یہی شعر بس اب ہوں پڑھتا
"حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد"
"روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد"

آپ کی لطف و عنایت کا کروں کیا اظہار
آپ کی مدح و ثنا مجھ سے ہو یہ ہے دشوار
دھیان آتا ہے جب اُن باتوں کا مجھ کو ہر بار
آپ سے چھٹنے پہ کہتا ہوں یہی آخر کار
"حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد"
"روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد"

ایک ناچیز پہ یہ لطف تھا اللہ اللہ
اِک مسافر پہ یہ اُلفت یہ محبت کی نگاہ
عمر بھر یاد رہے گی یہ عنایت واللہ
شومیِ بخت سے پر ساتھ رہا کچھ بھی نہ آہ

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

آپ کے خُلق کی توصیف میں قاصر ہو زباں — آپ کی بندہ نوازی کا ہو کس مُنہ سے بیاں
آپ کے ملنے کا ہر وقت ہے دل میں ارماں — ہم کہاں آپ کہاں کہتے ہیں اب یہ ہر آں

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

دیکھیے آپ سے اب ہوتا ہے ملنا کیونکر — آب و دانہ نہیں معلوم کہ لے جائے کدھر
نوکری پیشہ کب آزاد ہے ما بین سفر — غم غلط ہو گیا تھا آپ سے مل کر دم بھر

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

آپ کے دامِ محبت کا گرفتار حنیف — آپ کا بندۂ بے دام و گنہگار حنیف
آپ کی لطف و عنایت کا طلبگار حنیف — شوقِ دیدار میں کہتا ہے یہ ہر بار حنیف

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

نظم نمبر ۱۳ — جنوری ۱۹۰۷ء — تعداد اشعار ۶۳

خط منظوم نمبری ۹ سنہ مع قطعۂ تاریخ شادی نواب حامد علی خاں بنام حکیم میر جعفر حسین مرحوم ملازم دار الشفاء چوک لکھنؤ

نوٹ۔ حکیم میر حیدر حسین مرحوم کے منجھلے بیٹے حکیم میر جعفر حسین مرحوم شاہی دار الشفاء چوک لکھنؤ میں طبیب تھے ظریف مرحوم جب کربلا میں مقیم تھے اُسی زمانے میں حکیم صاحب موصوف بھی بقصدِ زیارت عراق گئے تھے۔ روشناس تو پہلے ہی سے تھے عراق میں چند روز ساتھ رہنے سے ارتباط بہت بڑھ گیا۔

حکیم صاحب زیارت کے بعد لکھنؤ واپس چلے آئے تو ظریف سے خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا یہ خط منظوم حکیم صاحب کے خط کا جواب ہے جو اُنھوں نے ظریف کو در بارۂ تاخیر ارسال خط شکایۃً لکھا تھا ظریف نے کل خط اور اُس کے لفافے کا پتہ سب نظم میں لکھا ہے، خط میں عراق کے سردی کا حال شاعرانہ انداز میں خوب نظم کیا ہے۔ اسی کے ساتھ ایک قطعۂ تاریخ شادی نواب حامد علی خاں بھی ہے جو ظریف کے دوست ہیں اور جن کا عقد ثانی بنت آصف مرزا مرحوم خلف شاہزادہ میرزا سلیمان قدر کے ساتھ اسی سال ہوا تھا۔ (صفی عفی عنہ)

سرنامۂ منظوم

بحر متقارب مُثمّن مقصور یا محذوف۔ ارکان فعولن فعولن فعولن فعول یا فعَل

بعونِ خداوندِ کون و مکاں — عریضہ بہ اقلیم ہندوستاں
بہ آنِ سعید و بوقتِ نکو — مع الخیر در بلدۂ لکھنؤ
رسیدہ از آنجا بفضلِ خدا — رسد چوک در عینِ دار الشفا
بعالی جنابِ فضائل مآب — مسیح زماں مرجعِ شیخ و شاب
محبِّ شہنشاہِ بدر و حنین — مُحیطِ کرم میر جعفر حسین
حکیمِ خلیق و طبیبِ نکو — رفیع الہمم زاد الطافہٗ

(مرسلہ)

مقیمِ حرم مردِ بے عار و رند — حنیفِ عراقی و مقبول ہند
لگا ڈھائی آنے کا ہے یہ ٹکٹ — کہ بیرنگ ہو کر نہ آئے پلٹ

نامۂ منظوم

جنابِ معظّم رفیع المکاں — مسیحائے عہد و وحیدِ زماں
ہمارے لیئے واجب الاحترام — مسمّیٰ امام علیہ السّلام
پس از عرض تسلیم با صد نیاز — گذارش ہے خدمت میں بندہ نواز
کہ تعلیقۂ نظمِ ذی شاں ملا — مجھے نسخۂ دردِ ہجراں ملا
مسرّت ہوئی قلبِ مہجور کو — ملی روشنی چشمِ بے نور کو
کچھ ایسے بکھیڑوں میں تھا مبتلا — عریضہ نہ میں واقعی لکھ سکا
بجا ہے جو کچھ آپ کو ہے گلا — معافی ہوں تقصیر کی چاہتا
معاف آپ فرمائیں بہرِ خدا — ز خرداں خطا و بزرگاں عطا
میں الطاف بے حد کا مشکور ہوں — مگر کیا کروں سخت مجبور ہوں
بکھیڑوں کا یاں کے الم اک طرف — فراقِ احبّا کا غم اک طرف
کبھی اپنی تنہائی کا ہے ملال — کبھی صدمۂ ہجرِ اہل و عیال
مگر خیر بہتر ہے ایسا ملال — مسرّت ہو جس رنج و غم کا مآل
بفضلِ خداوند و ربِّ قدیر — رہا جلد ہو کیا عجب یہ اسیر
فقط اب ہے عاشورہ کا انتظار — سوم کر کے ہوں گا یہاں سے سوار
ہے بالفعل موسم کی حالت عجیب — وہ سردی نہ دشمن کو جو ہو نصیب
یہ سردی نہیں بلکہ جنجال ہے — بقولِ صفی اب تو یہ حال ہے
"کدھر ہے تو اے ساقیٔ شوخ و شنگ" — کہ "سردی نے اپنا جمایا ہے رنگ"
"ذرا چاہیئے پشت گرمی تجھے — کہ جاڑے سے پالا پڑا ہے مجھے"

"دل افسردگی سے بہت خستہ ہے
لُہو ہر رگ و پے میں یخ بستہ ہے"

نہیں اس میں کچھ واقعی شاعری
یہاں پر ہے جاڑے کی حالت یہی

لکھوں واقعہ بہرِ دل بستگی
ہے کیا برف باری میں برجستگی

اُٹھا میں جو اک دن بوقتِ صباح
میاں جاڑے صاحب کی سوجھی مزاح

پئے رفعِ حاجت جو میں میں گیا
ٹھٹھرتا ہوا سوئے بیتُ الخلا

اُٹھایا جو لوٹا فراغت کے بعد
طہارت کو رفعِ ضرورت کے بعد

جُھکاتا ہوں جب اس کو میں لے جنابؔ
ٹپکتا نہیں ایک قطرہ بھی آب

اِدھر مارے سردی کے ہے حال غیر
اُدھر برف موجود پانی بخیر

نہ تنہا فقط منجمد آب تھا
جما پائے خانے میں پیشاب تھا

بڑی خیریت کہیئے یہ ہو گئی
جو قفلی میں جمتا ٹھہرتی بُری

پکاروں کسے اور کسے دوں صدا
سُنے کون یہ راگ بے وقت کا

سُنی آدمی نے بدقّت صدا
جب آیا تو پانی دوبارا ملا

اذیّت اسی طرح گر پاؤں گا
سماوار اب لے کے میں جاؤں گا

سمجھتے ہیں سب پائے خانہ جسے
بناؤں گا میں چائے خانہ اُسے

یہی حال ہے صبح سے شام تک
کہ اُٹھنے کا لیتا نہیں نام تک

بڑے ہی بڑے وقت ہوتا ہے صرف
جو نکلوں تو موچھوں پہ جمتی ہے برف

شب و روز پہلو میں منقل ہے گرم
مگر آگ کرتی ہے سردی سے شرم

حرارت جو منقل سے آگے بڑھے
تو سردی لپک کر گھوڑّیاں چڑھے

مصیبت میں ہیں اب تو برنا و پیر
ہیں سب ساکنِ خطّۂ زمہریر

وہ گرمی کا نقشہ یہ سردی کا رنگ
نہ کچھ پوچھیئے جان سے ہیں تنگ

نیابت زیارت میں کرتا ہوں میں　　دعا جا کے حضرت میں کرتا ہوں میں
الٰہی بحقِّ امامِ زماں　　رہیں آپ مسرور اور شادماں
مجھے نظم لکھنے کی قدرت کہاں　　بھلا مجھ میں اِتنی لیاقت کہاں
تھی تعمیلِ احکام واجب فقط　　اِسی سے لکھا نظم میں، میں نے خط
جو کچھ اس میں واقع ہوں عیب و خطا　　اُنھیں دیکھئے گا بچشمِ عطا
دیا میں نے ہر ایک کو یہ پیام　　کہ حضرت نے لکھا ہے سب کو سلام
یہ کہتے ہیں احبابِ ذوالاحترام　　سلامٌ علیکم علیک السّلام

غریب الوطن ناخوشِ بے طبیب
مُسمّیٰ بہ مقبولِ ہجراں نصیب

قطعۂ تاریخ کتخدائی نواب حامد علی خاں صاحب

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

بڑی حیرت سے ہے آخر یہ خبر پہونچی یہاں کیونکر — بنے حامد علی خاں دفعتہً دولھامیاں کیونکر

قلم ہم قد ہے اُس کو اس لئے جوشِ مسرت ہے — خبر شادی کی سُن کر پھر رُکے اُس کی زباں کیونکر

نہ صحبت ناچ کی ہو اور نہ ہو دعوت ولیمہ کی — بھلا مقبول ہوں گی اس طرح کی شادیاں کیونکر

بغیر احباب کا حصّہ لگائے یہ تعجّب ہے — اکیلے ہضم کیں دولھا نے شاہی پنیڈیاں کیونکر

بڑا جلسہ ہوا ہوگا دُلھن کے گھر پہ کیوں دُولھا؟ — جہاں پر ناچ تھا بھیرو رکا ناچیں رنڈیاں کیونکر

دُلھن کو لے کے جاؤ اپنے گھر تک چپکے ہی چپکے — بتاؤ تو نہ دیں شہدے تمھیں پھر گالیاں کیونکر

تمھیں انصاف سے کہدو جو کوئی گھر کا بھیدی ہو — چھپا سکتے ہو تم اُس شخص سے رازِ نہاں کیونکر

بڑی سسرال اس پر اور طرہ دوسری شادی — غریبوں سے تم اب ملتے ہو دیکھیں مہرباں کیونکر

جو کم ہو مادّہ نوشاہ، تین اُس میں ملا دینا
کنندہ صباجی کی شادی ہے نہ ہوں ہم شادماں کیونکر

= ۳ + ۱۳۲۱

سنہ ۱۳۲۴ھ

نظم نمبر ۱۴۔ ۱۵ سنہ ۱۹ء تعداد اشعار ۳۲

افیونیوں کا رجز

سنہ ۱۱۹۱ء میں جب مسلم لیگ اور ایجوکیشنل کانفرنس کا جلسہ قیصر باغ کی سفید بارہ دری میں ہوا تو احباب کے اصرار پر مؤخر الذکر جلسے میں ایک نظم موسوم بہ "جذبۂ اسلام" میں نے پڑھی اور وہ اسلامی حلقوں میں اس قدر پسند کی گئی کہ صوبۂ متحدہ کے ہر مقام پر قومی ترانے کی حیثیت سے اس کے اشعار لوگوں کی زبان پر تھے۔

علی گڑھ میں ایک عیسائی لیگ نے اسی ردیف و قافیہ میں ایک ناموزوں نظم کہہ کر بہت کچھ مسلمانوں کو برا بھلا کہا اور پھر گورنمنٹ سے جذبۂ اسلام کے متعلق خود ہی شکایت کی چنانچہ صاحب جوڈیشل کمشنر نے بلا کر مجھ سے دریافت کیا اور میں نے جواب دہی کی قصہ رفت و گذشت ہو گیا۔ اس کے بعد ہمارے معاصرین میں سے ایک صاحب نے وفاداریٔ دولت برطانیہ کے اظہار میں ایک نظم اسی ردیف و قافیہ میں کہی چونکہ جنگ عظیم کا زمانہ تھا۔ اس لئے ردیف و قافیہ میں افیونیوں کی طرف سے یہ رجز خوانی ظرافت نے لکھ کر شایع کر دی۔

سنہ ۱۴۱۹ء میں جو طویل جنگ جرمن برٹش فرانس بلجیم اور گرد و پیش کی حکومتوں میں ہوئی اس میں ہندستانی سپاہیوں نے بھی بہت کچھ داد شجاعت دی اور اس زمانے کے اخباروں میں اور یوں گھر گھر جنگ کا بہت چرچا تھا۔ لکھنؤ میں افیونیوں کا طبقہ ایک خاص ذہنیت اور خاص طرز معاشرت کا حامل ہے اور آثار قدیمہ کے طور پر ایک یادگار جماعت ہے چنانچہ اس نظم میں ان کی ذہنیت و جذبات کی بہت دلچسپ عنوان سے ترجمانی کی گئی ہے۔

(صفی عفی عنہ)

بحر ہزج مثمن اخرب سالم ارکان مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن

ہم لوگ ہیں افیونی جب رنگ جما دیں گے
جرمن ترے نشہ کو مٹی میں ملا دیں گے

برلن ہی میں دم لیں گے واللہ جو چڑھ دوڑے
افیون کے مشکی کی جب باگ اٹھا دیں گے

تو ہم سے بہادر یا ہم تجھ سے بہادر ہیں
میکسم اُسے سمجھے گا لشکر ترا اے جرمن
بچھوے کو بھرا ہم نے جس وقت مدریے ہیں
ہے گولیاں کھانے کی دن رات ہمیں عادت
سرکار کے دشمن کو ہم کوس کے کھالیں گے
رستم سے سوا طاقت ہو جائے گی ہم سب میں
لے لے کے بھری گدکا جب پینترے بدلیں گے
ہم لے کے بنیٹھی کو بن جائیں گے گھن چکر
لٹھ لے کے جہاں پہونچے سر توڑ دیا فوراً
جرمن ہو کہ اسٹریا یالی ہیں اگر آئیں
زپلین جو اڑاتا ہے جرمن ہمیں کیا پروا
اِتنے تجھے ہم ڈھیلے ماریں گے ابے جرمن
گو رشل بنے کے ہم اک جھونجھ میں بیٹھے ہیں
برٹش کی رعایا ہیں لڑ بھڑ تو نہیں سکتے
لیسنس سے مستثنیٰ چاقو تو ہے قبضے میں
رفیل کی تو صورت بھی ہم نے نہیں دیکھی ہے
ہم شیر کا پس خوردہ کھائے ہوئے گیدڑ ہیں
اُنیس ۱۹ برس گذرے طاعون سے لڑتے ہیں
ہم قحط کے مارے ہیں مرنے سے نہیں ڈرتے
تو مار بھی ڈالے گا تو یاد رکھ اے جرمن

پینک سے ذرا چونکیں پھر تجھ کو بتا دیں گے
ہم ڈیڑھ خمے حقے کی گڑ گڑ جو سنا دیں گے
تو کھانستا بھاگے گا وہ گیس اُڑا دیں گے
افیون کی تو ڈبیہ دیکھے تو دکھا دیں گے
اور اپنے تصوّر سے نام اُس کا مٹا دیں گے
جب جائے میں بالائی تھوڑی سی ملا دیں گے
برلن کے اکھاڑے میں اک دھوم مچا دیں گے
بھنّاٹا دہ باندھیں گے سر تیرا پھرا دیں گے
جرمن تری توپوں میں ہم بانس چلا دیں گے
ہم اپنے کریزوں سے دونوں کو بھگا دیں گے
کنکوے میں چمٹا کے میداں میں گرا دیں گے
خاکی تری وردی کو مٹی میں ملا دیں گے
دیکھے گا تماشا تو، لا توپ چھڑا دیں گے
دعوے کی شہادت میں قانون دکھا دیں گے
اوچھے ہی سہی لیکن دو ہاتھ جما دیں گے
گا جر کے پڑاقوں سے ہم تجھ کو بھگا دیں گے
تو بھاگ کھڑا ہو گا بھبکی جو بتا دیں گے
موت آئے تو اک ٹیکا اُس کے بھی لگا دیں گے
اِک دانہ یہ جب آ ٹکے دشمن ہیں بھگا دیں گے
بن جائیں گے ہم بھتنے راتوں کو ڈرا دیں گے

لا اپنے کر دزر کو دیکھیں تو وہ کیسا ہے
ہم گومتی میں ڈنگیا پر چڑھ کے بھگا دیں گے

لے لے کے ڈگن پہونچے جب وقت سمندر میں
آفت میں تری تحت البحروں کو پھنسا دیں گے

جرمن تجھے دعویٰ ہے تو چوک میں تو آجا
گت تیری بنا دیں گے پھر تجھ کو نچا دیں گے

بلجم سے کہو تیرا جب ملک ملے تجھ کو
ہم ازرہِ ہمدردی کچھ اور بڑھا دیں گے

وعدوں کو ہمارے تو سچ جان کے چپکا رہ
لے تو سہی ہم برلن بھی تجھ کو دلا دیں گے

ہم روس سے ناخوش تھے اب اُس سے بہت خوش ہیں
ٹھیکے پہ جو آئے گا افیون پلا دیں گے

شاباش ہے اے اٹلی لینا تو مرے شیرا
دشمن سے لڑے جا نا ہم لوگ دعا دیں گے

ترکوں سے کوئی کہدے کیوں لڑتے ہو آے آغا
تم جان اگر دو گے دشمن تمھیں کیا دیں گے

جن لوگوں کے کہنے سے تم جان گنواتے ہو
بّبا یہی سب مل کے اک روز دغا دیں گے

شاباش ظریف ایسا لکھا یہ رجز تم نے
ہم سب کا ارادہ ہے چندے سے صِلا دیں گے

نظم نمبر ۱۵ — نومبر ۱۵ ۱۹ء — تعداد اشعار ۱۴

سیلاب

نوٹ اس نظم میں ظریف مرحوم نے ۱۹۱۵ء کی بارش اور سیلاب کی وجہ سے جو باشندگان شہر کی حالت ہوئی تھی اُس کا فوٹو کھینچا ہے۔ (صفی عفی عنہ)

بحر رمل مثمن مشکول — ارکان فعلاتُ فاعلاتن فعلاتُ فاعلاتن

کہیں ہے صدائے ماتم کہیں نوحہ کی صدا ہے — کہیں کوئی رو رہا ہے کہیں کوئی رو رہا ہے

جو ہو سامنے یہ منظر تو قرار آئے کیونکر — وہ اُٹھا ہے درد دل میں کہ جو درد لا دوا ہے

کھڑے دیکھتے ہیں میدان میں برس رہا ہے پانی — یہ مکان گر رہا ہے وہ مکان گر رہا ہے

وہ نکل پڑے گھروں سے جو تھے پردہ دار عصمت — کسی سر پہ ہے دوپٹا کوئی فرق بے ردا ہے

وہ پڑی ہے اپنی اپنی کہ خبر نہیں کسی کو — کوئی دب کے مر رہا ہے کوئی دب کے مر گیا ہے

وہ تباہی آگئی ہے کہ نکل پڑے گھروں سے — کہیں کوئی جا رہا ہے کہیں کوئی جا رہا ہے

کوئی کہہ رہا ہے نکلو ارے اس مکاں سے نکلو — کوئی دل سنبھالے گرتے ہوئے گھر کو دیکھتا ہے

کوئی کہہ رہی ہے بھائی کو مرے خدا بچائے — کوئی کہہ رہی ہے لوگو مرا بچہ دب گیا ہے

کوئی کہتی ہے کسی سے کہ بچا ان آفتوں سے — کہ خدائی بھر میں مجھ کو ترے دم کا آسرا ہے

نہ بچاؤ، اپنے گھر میں نہ کہیں امان کی جا — جدھر آج آنکھ اُٹھی ہے تو قضا کا سامنا ہے

جو کہیں یہ گھر سے جائیں تو کدھر سے ہو کے جائیں — کہ مکان گر رہے ہیں ابھی بند راستا ہے

ادھر آرہی ہے بہیا وہ اُبل رہا ہے پانی — کوئی غرق ہو رہا ہے کوئی غرق ہو چکا ہے

مرے اوبرن بہادر بھی ہیں مستعد برابر — اُسے دیکھتے ہیں جاکر جو مقام خوف کا ہے

یہی کوششیں ہیں ان کی کہ ملے ہر اک کو راحت — کہیں پڑ رہے ہیں چھپر کہیں خیمہ کھنچ رہا ہے

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۱۶ — سنہ ۱۹۱۶ء — تعداد اشعار ۱۹

لکھنؤ میونسپلٹی میں پانی کی قلت

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

کمی پانی کی واٹر ٹیکس کے دریا میں طغیانی
کہاں تک چپ رہیں جب سر سے اونچا ہو گیا پانی

مسلماں اور ہندو دونوں آنکھیں تھیں حقیقت میں
کہ جن سے دیکھنے میں بورڈ کو ہوتی تھی آسانی

ادھر اک آنکھ بیٹھی دوسری کمزور ہے دیکھو
ہمارے شہر کی میونسپلٹی ہو گئی کانی

مسلمانوں کی کثرت بورڈ میں پانی کی یہ قلت
"چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"

خدایا ممبروں کی بے بسی پر رحم کر اپنا
کمشنر بن گئے تھے یہ بہ ہمدردیِ نسانی

یہ کیا معلوم تھا اولے پڑیں گے سر منڈاتے ہی
کنوئیں جھنکوائے گی طمعِ خطابِ رائی فخانی

یہ وہ انّائیں ہیں رکھتی ہیں جو بے دودھ بچّوں کو
رپوٹیں بورڈ میں خالی پڑھی جاتی ہیں طولانی

یہ مانا تم کو بھی پانی نہ ملنے سے اذیّت ہے
مگر اتنی کہ اب کھانے لگے ہو کچّی بریانی

تمھیں تو پیاس میں سوڈے کی بوتل مل ہی جاتی ہے
دو وقتہ ٹب میں بھر دیتا ہے سقّا غسل کو پانی

ذرا ملیے یہ جا کر حال دیکھو ان غریبوں کا
ہے قحطِ آب کے باعث جنھیں تکلیفِ روحانی

سول کی گھانس تک ہم ایسے ذی روحوں سے بہتر ہے
کہ بے مانگے جسے افراط سے ملتا تو ہے پانی

خوشامد کر چکے کچھ کام آؤ اب غریبوں کے
کہاں تک محض اپنے واسطے فکرِ تن آسانی

خدائی فوجدار انجینیر صاحب بہادر ہیں
ڈر ان کو فوجداری کا نہ مطلق خوفِ دیوانی

مریضانِ عطش چاہے جئیں چاہے مریں لیکن
دوا کی طرح دونوں وقت پائیں گے فقط پانی

ہمارا لکھنؤ لندن سے بھی ہے دو قدم آگے
وہاں خوراک کی قلت یہاں نایاب ہے پانی

وہی پھر ڈول رسّی اور گراری ڈھونڈھی جاتی ہے — اُنھیں باتوں پہ اہلِ شہر کی ہنستے ہیں دہقانی

کہاں ہیں ہیلتھ افسر جو کنوؤں کو بند کرتے تھے — مُصر حفظانِ صحت کے لیے تھا بے چھنا پانی

ضرورت پر وہی اب سب کو پینے کی اجازت ہے — "چرا کارے کُند عاقل کہ باز آید پشیمانی"

شکایت کون سُنتا ہے کھری کہنے سے کیا حاصل
ظریف اب چُپ رہو تم بھی کہ یہ قصّہ ہے طولانی

نوٹ: لکھنؤ میونسپلٹی کے ہندو اصحاب سیٹوں کی تعداد کے مسئلے میں اینٹھ رہے تھے اُس وقت بورڈ کل مسلمان تھا اور ایک صاحب یک چشم چیرمین تھے کہ دفعتہً شہر میں واٹر ورکس کے پانی کی قلّت اور اضافۂ ٹیکس سے سخت تکلیف ہونے لگی بڑے بڑے جلسے اظہارِ تکلیف کے لیے منعقد ہوئے لہذا بذریعۂ نظم ظریف نے اظہارِ خیال کیا۔

(صفی عفی عنہ)

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۱۷ — سنہ ۱۹۱۷ء — تعداد اشعار ۳۰

ارکانِ شیعہ کالج

شیعہ کالج فونڈیشن کمیٹی کا جلسہ

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

کھچڑیاں کالج کی پکیں حسبِ استعدادِ قوم — دیگ میں پنڈال کے گھل مل گئے اضدادِ قوم

کچھ نئی تعلیم والے کچھ پرانی وضع کے — قوم ایک اک فرد جن میں جمع وہ افرادِ قوم

مشورہ یہ ہے کہ کالج کے لئے چندہ ہو جمع — بن گیا گر یہ تو، قائم ہو گئی بنیادِ قوم

جتنے اہل الرائے ہیں اُن میں ہیں اکثر مستطیع — اُن کو کیا احساس ہے کس حال میں افرادِ قوم

فی صدی نوّے تو مفلس فی امان اللہ ہیں — پھر یہ بے چارے کریں گے کس طرح امدادِ قوم

فیس دینے کو نہ ہوگی جب پڑھیں گے کس طرح — سیرِ کالج سے نہ بڑھ جائے گی استعدادِ قوم

تین دن تک قوم کی دعوت ہوئی اچھا پلاؤ — پیٹ بھر جائے تو کوئی کیا سُنے فریادِ قوم

نقد چندہ کم ہوا، وعدے ہزار و پنج ہوئے — اس نمائش میں زبانی ہو گئی امدادِ قوم

جس قدر چندہ دیا اُتنی ہی صلواتیں سُنیں — غُل غپاڑے میں سُنائی دی نہ کچھ فریادِ قوم

دفتر قومی پریشاں ہو تو اُس کی قدر کیا — ہے جو فاضل آلپینِ ننھّی افرادِ قوم

اس جگہ بہرِ مدارا جمع ہیں قومی طبیب — جو فقط لیموں لگاتے ہیں کھجا کر دادِ قوم

دیکھتے تھے سب کو قومی منتظم اک آنکھ سے — اس میں بینا ہو کوئی یا کورِ مادر زادِ قوم

جلسۂ قومی کو ان سب نے بھٹیٹر کر دیا — بس ٹکٹ پہلے جو کرنے جائیں کچھ امدادِ قوم

الفرڈ ناٹک میں ہو تخصیصِ حیثیت مگر
یاں ٹکٹ سب کا برابر واہ ری ایجادِ قوم

قوم کا بہروپیہ بھی ہے نمائش گاہ میں
پارٹ اُس کا بہرِ تفریحِ دلِ ناشادِ قوم

سر پہ دستارِ فضیلت پاؤں میں ڈاسن کا بوٹ
نیچے جنٹلمین اُوپر صورتِ زہّادِ قوم

دین کا دلّال آدھا اہلِ دُنیا کا اجنٹ
مولوی بھی ماسٹر بھی واہ رے اُستادِ قوم

کعبۂ کالج کی جانب توڑ کر اپنی نکیل
بلبلاتا آ رہا ہے اُشترِ بغدادِ قوم

ایک قومی تیندوا بھی اس کٹھرے میں ہے بند
جس کا منہ ہے ترائی مزرع، آبادِ قوم

قومی اک بھالو علی بابا جسے کہتے ہیں لوگ
وہ گرو چالیس قزّاقوں کا اور اُستادِ قوم

وہ جو خُبنہ سا نظر آتا ہے بن مانس انھیں
بھیڑیے کے بھٹ سے نکلی ہے یہی اولادِ قوم

قومی اِک بندر بھی اِس زندہ عجائب گھر میں ہے
جو کہ ناداں دوست ہے کرتا ہے گو امدادِ قوم

ہے اِسی جلسے میں قومی ایک خرگوشِ سفید
گھونس بن کر کھودتا رہتا ہے جو بنیادِ قوم

ایک جیرف بھی ہے اس قومی نمائش گاہ میں
عاملانِ قوم کہتے ہیں جسے ہمزادِ قوم

خدمتِ عالی میں سب کی ہے یہی بس التماس
جمع ہیں یہ جس قدر ابدالِ قوم اوتادِ قوم

صنعت و حرفت کی پہلے درسگاہیں کھولیئے
حضرتِ والا اگر منظور ہے امدادِ قوم

جتنے مفلس ہوں اُنھیں دے کر وظیفہ دیجیئے
اِس قدر تعلیم جو لکھ پڑھ سکے اولادِ قوم

یہ نہیں جب تک تو پھر کالج سے آخر فائدہ
چھتِ نہایت پختہ لیکن خام کُل بنیادِ قوم

روک لے تیغِ زباں کو اپنی خاموش اے ظریف
ہم نے یہ مانا کہ تو ہے بندۂ آزادِ قوم

داورِ محشر کے آگے استغاثہ ہوگا پیش
چیتھڑے کس نے اُڑایا دامنِ افرادِ قوم

نوٹ ، رلغایتہ ۹ راپریل ۱۹۱۷ء شیعہ کانفرنس کا اجلاس بمقام موتی محل شہر لکھنؤ منعقد ہوا تھا نواب فتح علی خاں مرحوم سکریٹری تھے شیعہ کالج کا ایک اساسی جلسہ بھی اس کے ساتھ منعقد ہوا پنڈال کے قریب اعلیٰ پیمانہ پر ڈپٹی شاہ سید یعقوب محسن کے زیر اہتمام کھولی گئی اور وہیں زندہ دلوں کی تفریح کے لئے محشر صاحب لکھنوی کی ایک نظم ہم طرح یہ ظریفانہ نظم تیار کی گئی۔ (عفی عنہ)

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۱۸ — سنہ ۱۹۱۷ء — تعداد اشعار ۹۹

تقویم پارین

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف — ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

عجیب قسم کا ہے انقلابِ لیل و نہار
عجیب طرز یہ ہے دورِ چرخ کج رفتار

یہ لکھنؤ کے ستارہ شناس کہتے ہیں
عجیب بات ہے نوروز بھی ہوا دوبار

قدیم مارچ کی اکیسویں کو تھا لیکن
اب اس جدید کا اپریل فول میں ہی شمار

سناؤں تم کو نئے سال کی نئی تقویم
کہ جس سے ہوں گے عیاں سال بھر کے سب آثار

ہوا ہے دفعتہً اس کا جو دورۂ ثانی
تو نام ہی سے حماقت کے اس میں ہیں آثار

زبانِ فرس میں کہتے ہیں اس کو خبطائیل
اور اہل ہند اسے نوروز یا کہ فصل بہار

سواری اس کی کرائے کی پالکی گاڑی
اور اس میں بیٹھے ہوئے اور لوگ بھی دوچار

رُخ اس کا جانبِ درگاہِ حضرتِ عباس
گلے میں ایک کرائے کا خلعتِ زرتار

ہیں اپنے منہ کو چھپائے ہوئے وہ سہرے سے
اسی لیے کہ برسنے لگی ہے اب پھٹکار

عجیب قسم کی شکلِ شریف پائی ہے
کہ ایک ہاتھ میں طبلہ تو دوسرے میں ستار

تمام سال یہ خوراک اَب کی ہے اس کی
پرانی جوتیاں کھائے کبھی نئی پیزار

منجّمین یہ بالاتفاق کہتے ہیں
ہے رنگ زرد کہ اکثر رہا کیا بیمار

مزاج گرم وہ منہ سے نکل رہی ہے بھاپ
وہ اس کی سانس میں حدّت کہ جس طرح سے بخار

اثر سے اس کے کہیں آتشک نہ ہو جائے
پڑھو پڑھو وقنا ربنا عذاب النار

جو کھینچا زائچہ، سال اس طرح پہ کھینچا
کہ جس میں سات تارے ہیں اور گھر ہیں چار

بگڑ کے گھر میں زحل کے جو ہیں گھسا مریخ / کیا جو منع عطارد نے ہو گئی تکرار

اسی دلیل سے ہوں خانہ جنگیاں امسال / پڑھے لکھوں کو ہو سودا کہ چھوڑ دیں گھر بار

اثر سے اُس کے یہ تیزی بڑھے مزاجوں میں / کہ بی بیوں سے میاں عمر بھر کو ہوں بیزار

علم کو تھام کے درگاہ میں قسم کھائیں / بیاہتا سے ملیں گے نہ عمر بھر زنہار

کریں گے دوسری شادی کا عہدِ مستحکم / وفائے عہد کا اس طرح پر کریں اقرار

نئی دولھن کی اُٹھائیں گے جوتیاں تا عمر / یہ عہد کرتے ہیں یا حضرتِ علمبردار

محیط ابر ہوا اپریل کے مہینے میں / اور اُس سے قوّتِ شہوانیہ بڑھے اکبار

ہوس نکاح کی ہو بال بچّے والوں کو / ہزاروں کوششیں کی جائیں اس میں سو بار

کھلائیں پینڈیاں لڑکوں کو اپنے مانجھے کی / محبّت پدری میں ہو فعلِ دل آزار

کوئی نکاح کا خواہاں ہو گر حماقت سے / تو دوسرا ہوا اعانت کے واسطے تیّار

بنا بنانے میں احباب کو ہو سرگرمی / خجل جو ہوں بھی تو بعد از خرابیِ بسیار

کسی کے گھر کی تباہی ہو کوئی سیر کرے / اسی پہ رسمِ ملاقات کا ہو دار و مدار

پھنسائیں سُنّتِ پیغمبری کے پھندے میں / جہان میں ہو یہ اخوانِ باصفا کا شعار

عجیب قسم کا ہڑبونگ ہو زمانے میں / کہ آج ہوں وہی بدمست کل جو تھے ہشیار

اُٹھیں ہوا و ہوس کی وہ آندھیاں پُرزور / کہ جس سے خانۂ عقل و تمیز ہو مسمار

بڑھے گی جنسِ حماقت کی اب کی ارزانی / رہے گا سرد بہت عقل و ہوش کا بازار

وہ لوگ جو متحمّل مزاج ہوں مشہور / اُنھیں کے ہاتھ سے چھوٹے عنانِ صبر و قرار

بنیں اُدھر وہ برائے نکاح مثلِ جوان / سفید بالوں پہ مَل مَل کے مارننگ اسٹار

دوبارہ پھول بھی بے فصل کے کھلیں اب کی / پرانے پودے میں گھس جائے اتنا جوشِ بہار

پھل آئیں نخلِ تمنّا میں پلپلے لیکن / جو باغباں چھوئے ہو جائیں گھائیوں کے پار

ہے اب کی سال کی مالک جو مشتری بائی
کسی شریف پہ آئے گا لازمی ادبار

کوئی نگاہِ احبا میں خار یوں ہو گا
مثل سنی ہے کہ جس طرح ڈومنی کا یار

گہن لگے گا شرافت کے چاند میں امسال
کچھ اس طرح پہ کہ ہو جائے چھوٹنا دشوار

ہے برج دلو جو لٹکا ہوا میانِ فلک
بظاہر اس سے سمجھ میں یہ آئے ہیں آثار

شناوری کے لیئے غوطہ خور فکر کریں
نظر پڑے جو انھیں کوئی قلزمِ ذخار

بغل میں داب کے دو تونبیوں کو کود پڑیں
جو بیچ میں ہو بھنور اور دونوں سمت سوار

دکھائیں حضرتِ مریخ پر اثر اپنا
وہ سولجر کہ جو گھر میں تھے اپنے پنشدار

اٹھیں گے قلعہ بکارت کا فتح کرنے کو
بجائے وردی کے پہنیں گے خلعتِ زرتار

سلاح جنگ دکھانے کے واسطے خالی
نئے نیام میں اک زنگ خوردہ سی تلوار

نہ جس میں باڑھ نہ قبضہ نہ جس پہ آب و تاب
فقط ہے خم ہی خم اور دیکھنے کی لنگر دار

لگا کے چشمہ وہ میدانِ جنگ کو دیکھیں
کہ کس مقام پہ اونچا ہے اور کہاں پر غار

اٹھا کے رکھ دیں درِ قلعہ پر فقط دو بم
دغیں دغیں نہ دغیں اس سے ان کو کیا سروکار

ہیں دورِ زہرہ سے احکامِ ذیل مستخرج
ہے اس ستارے کا رقاصۂ فلک میں شمار

ہے بعض عورتوں پہ اب کی سال یہ بھاری
اثر سے اس کے اٹھانا پڑے گا ان کو بار

عجب نہیں ہے اگر دل ہی دل میں پچھتائیں
اٹھا کے گود بھرائی کے ناریل بیکار

شروع سال میں جن لڑکیوں کی شادی ہو
میاں ملیں انھیں لیکن کسی قدر رس دار

مگر مطیع ہوں ایسے کہ الحفیظ و اماں
بغیر دیکھے منٹ بھر انھیں نہ آئے قرار

کچھ ایسے تھان کے سچے ہوں وقت کے پابند
کہ دس بجے تک انھیں شب کو رکنا دشوار

یقیں ہے پھاند کے دیوار جیل خانے کی
وہ شب کو نو بجے کے بعد کر ہی جائیں فرار

ملیں تلاش میں بی بی کے پاس سوتے ہوئے
خدانخواستہ پکڑے اگر انھیں سرکار

کریں گے بالے میاں دو مہینے قبل نکاح — ڈفالیوں میں ہے یہ اَب کی سال چیخ پکار

الاپتے ہیں یہ بے وقت کی ملنیا وہ — بجا بجا کے یہ ڈوبے ڑبانے کو ہر بار

طبیب پیشہ کو یہ سال ہے بہت اچھّا — مطب میں آئیں گے کثرت سے مختلف بیمار

کوئی کہے گا کہ سوزاک کی شکایت ہے — کوئی کہے مرضِ فتق کا ہے مجھ پر بار

کوئی کہے گا رگیں ہو گئیں ہیں کچھ کمزور — کوئی کہے گا کہ امساک ہے مجھے درکار

کوئی کہے گا کہ جریان سے میں عاجز ہوں — کہ شکل دیکھ کے بیوی کی ہو گیا دو بار

کوئی کہے گا ضرورت پہ ہِل نہیں سکتا — کمر کے درد نے اِتنا مجھے کیا ناچار

کوئی کہے گا کہ سیلان کی شکایت ہے — کوئی کہے گا کہ خشکی ذرا سی ہے درکار

دوائیں سب کی کریں گے حکیم جی تجویز — کریں گے نفع میں اپنے شریک اُنھیں عطّار

کہیں گے ایک سے لوٹی میں کیجیے پیشاب — سفوف بار دو معجونِ نافعُ الاِدرار

چھ ماشے پھانک کے دو تولے آپ کھا لیجیے — یقیں ہے نسل میں سوزاک پھر نہ ہو زنہار

جو فتق ہے کسی جرّاح کو بُلا لیجیے — مگر خیال رہے اِک ذرا وہ ہو ہشیار

خود اپنے ہاتھ سے یا بھونک لیجیے نشتر — اِسی عمل پہ ہے صحت کا اَب تو دارومدار

کسی کو بیر بہوٹی کا تیل لکھ دیں گے — کہ بنگلے پان پہ ٹپکا کے اُس کے قطرے چار

لپیٹ لیجیے اُس عضو پر جو ہے ماؤف — مگر جماع سے چالیس روز تک ہشیار

حبوبِ ممسک و معجونِ خصیۃ الثعلب — کسی مریض کے دینے کے واسطے تیار

چھ ماشے تخمِ اُٹنگن چھ ماشے شکّرِ خام — سَحَر کو پھانک کے پی لیجیے شیر نیم آثار

کمر کے درد کی خاطر ہوں پینڈیاں تجویز — مُقوّیات کی جس میں تمام ہو بھرمار

بِلا کے پھٹکری پانی میں آبدست کراؤ — کہ ہے یہ مانعِ سیلان و دافعِ ادرار

سفوفِ سنگجراحت کو چھان کر باریک — چھڑک دیا کرو شب بھر میں ایک یا دو بار

اسی طرح سے غرض آم گھاس املی کی
ہے اب کی سال مریضوں کے واسطے بوچھار

نکاح پڑھنے میں کچھ فائدہ نہیں امسال
نہ پڑھنے والوں کو کشتی ملے نہ عطر نہ ہار

بجائے تنکوں کے بیڑے چنیں گے دیوانے
یہ رنگ اب کی دکھائے گی اپنا فصلِ بہار

ہوں اب کی سال میں چوری چھپے سے اپنے نکاح
کہیں بھی ذکرِ ولیمہ نہ جن میں ہو نہ نہار

نئی طرح سے ہوں مانجھے کی پنڈیاں تقسیم
کہ ایک پنڈی کے چاقو سے کر کے ٹکڑے چار

تبرّکاً ہوں عزیزانِ خاص کو ارسال
کہ جس سے کر نہ سکیں پھر وہ عقد سے انکار

جو خاص خاص ہیں خاصے کی پنڈیاں کھائیں
مگر عوام احبّا کو اس سے کیا سروکار

اُنھیں کو زور لگانا پڑے گا شادی میں
جو کھا کے بیٹھ رہے پنڈیاں خدا کی مار

تمھیں بتاؤ کہ کیونکر سے ہو سکیں تقسیم
کہ پنڈیاں تو ہیں دس گیارہ کھانے والے ہزار

اٹھی ہے جانبِ مغرب سے کالی کالی گھٹا
کہ جس کو دیکھ کے ہیں مست بے پیئے ہشیار

نظارہ باغِ تمنّا کا دید کے قابل
بئے کے جھونجھ میں کوّے نے کھولدی منقار

یہی زمانہ ہے بادہ کشی کا اے ساقی
اُٹھالے جام و صُراحی مگر ذرا ہشیار

کسی کا شیشۂ دل ٹوٹنے نہ پائے کہیں
ادائے لغزشِ مستانہ ہو نہ دل آزار

ارے اُنڈیل دے لیکن چھلک نہ جائے کہیں
رہے نگاہ مرے ظرف پر بھی تیرے نثار

چمن سے آتی ہے یہ دل جلوں کی صاف صدا
کیا کباب گزک کے لیئے ہمیں بیکار

جو اپنے بس میں ہو اس کو جلا رہے ہو فضول
خدا کے سامنے کیا مُنہ دکھاؤ گے اے یار

ڈرو خدا سے یہ بدمستیاں نہیں اچھی
ہے تم کو بادہ کشو کچھ خیالِ روزِ شمار

ارے کہاں سے کہاں میں بہک گیا توبہ
لگا دے مُنہ سے کہ اَب آگیا ہے وقتِ خمار

وہ بلبلوں کے ترانوں میں اک خوش الحانی
کہیں یہ اُتری رکھب اور کہیں چڑھی گندھار

تمھیں ہے قطعۂ تاریخ کی جو اصغر فکر
یہی تو وقت ہے لکھنا ہے تو لکھو اشعار

مناسبات کا لیکن بہت خیال رہے — کہ جس کو یاد کریں سُن کے سب صغار وکبار
تمھارا مصرعِ تاریخ بھی دو ہا جو ہو — حساب کرنے سے بڑھ جائے ایک وقتِ شمار
چمن میں فصلِ گل آئی خدا خدا کر کے — اُسی کی دید کی جویا تھی چشمِ عاشقِ زار

نمونے حد سے سوا کوشش بلیغ جو کی
بہرِ آبر بنی دوسری عروس بہار

سنہ ۱۳۳۵ھ

۱۳۳۶ - ۱ = ۱۳۳۵

مطابق

سنہ ۱۹۱۷ء

نوٹ۔ یہ نظم ایک عجیب ظریفانہ انداز سے نتیجہ خیز اور درس آموز ہے۔ ظریف مرحوم کے ایک بے تکلف دوست تھے جو تفریح الاحباب کلب کے بھی ممبر تھے اور ایک دوسری انجمن اخوان الصفا کے بھی جس میں جویا۔ بلیغ۔ آبر وغیرہ ممبر تھے ان کی بہارِ عمر مُبدّل بہ خزاں ہو چکی تھی۔ شباب ڈھل چکا تھا۔ اور چہل سالِ عمرِ عزیز گذشت کے حدود سے قدم باہر نکل گئے تھے۔ پانچ اولادیں دو لڑکے تین لڑکیاں بھی حد بلوغ کو پہونچ گئی تھیں بلکہ ان میں سے بعض کی شادیاں بھی ہو چکی تھیں اور بعض ان میں سے صاحب اولاد بھی تھے۔ دوست صاحب کی بیوی بھی زندہ سلامت گھر میں موجود تھیں بظاہر کوئی ضرورت اور مجبوری دوسری شادی کی نہ تھی اس لیے کہ وہ دوست عربی خوان مولوی بھی نہ تھے لہذا شادی کی ہوس ہوش وخرد کی ذمہ داری سے بعید تھی مگر اُن کی شادی کی آرزوؤں کو ابر کا ایک ٹکڑا کانپور جیسی تجارتی منڈی کی طرف بڑی حکمت عملی سے اُڑا لے گیا۔ وہاں ایک دست پروردۂ نغمہ وسرود کو شریک زندگی بنانے کی داغ بیل ڈالی۔ اور بعض خود غرض جویائے مقصد احباب دنیا نے بہ سعی بلیغ یہ شادی طے کرا کے دم لیا۔ شادی اپریل ۱۹۱۷ء میں ہوئی اس سے پہلے مارچ میں نوروز پڑ چکا تھا۔ لیکن اس شادی کے لئے نظم کی ضرورت سے اپریل میں ایک فرضی نوروز کا سماں دکھانا پڑا۔ نظم واقعات

کے لحاظ سے خود اس قدر مکمل ہے کہ اس کے لئے سوا چند اشارات کے نوٹ کی ضرورت نہیں۔ بن رسیدہ نوشاہ کے خسر ایک حکیم تھے جنھوں نے شرعی حدود کے اندر تعلق ایک مُغنیّہ سے باقاعدہ کرلیا تھا جس کے کھیت کی پیداوار کو کھپت کی ضرورت تھی۔ شادی کی ہوا و ہوس نے کامیابی کا سہرا ظریف کے اس غریب دوست کے سر باندھا۔

چونکہ یہ بے ضرورت کی شادی اہل زمانہ اور قوم کے ادبار کی نظیر تھی۔ اسلئے ظریف مرحوم کی مصلحانہ زندگی نے ان کو یہ نظم لکھنے کے لئے مجبور کیا اور اُنھوں نے اس کے آخر میں ایک مصرع تاریخ بھی جو تلمیحات سے لبریز ہے کہہ کر اپنے ایک دوست اصغر کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ نظم کا تعلق گو کہ ایک پرائیوٹ کلب (تفریح الاحباب) سے ہے۔ لیکن ظرافت کے علاوہ چونکہ اس میں ایک افادی پہلو بھی ہے۔ اس لئے منظر عام پر لائی گئی۔ تاکہ نفس پرستوں کے لئے سبق آموز ہو۔ (صفی عفی عنہٗ)

اِس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۱۹ سنہ ۱۹۱۷ء تعداد اشعار ۱۱

ہوم رُول

قطعہ

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

ناصحانہ ہے نہ یہ قول حکیمانہ ہے
رب یہ ظاہر ہے فقط نعرۂ مستانہ ہو
قول مقبول کا مجذوب کی اک بڑ ہے نظر آف
اُس کے کہنے کو بُرا مانے تو دیوانہ ہو

مُسدّس

بحر ہزج مثمن مقبوض ارکان مفاعلن مفاعلن مفاعلن مفاعلن

خوشی سے منتظر رہو اگرچہ ہو ملول ہی
زمانہ اِس میں جتنا چاہے کھینچ جائے طول ہی
ملے گا کچھ تمھیں ضرور گو کہ ہو فضول ہی
مگر یہ کیا ضرور ہے کہ ہو وہ ہوم رول ہی
ہزار آسمان اپنے سر پہ تم اوٹھاؤ گے
جو آج تک ملا کیا اُسی طرح تو پاؤ گے

جو ڈپٹی بھی بل گئی کلکٹری بھی پا گئے
وہ کیسی ہی ہو کونسلوں کی ممبری بھی پا گئے
سوار سے رسالدار میجری بھی پا گئے
لڑے بھڑے بغیر خاں بہادری بھی پا گئے
تمھیں بتاؤ اور اس سے بڑھ کے تم کو کیا ملے
یہی کسر ہے مانگنے پہ اب تمھیں سزا ملے

بہادران یورپ اور تمھاری ہمسری نہیں   یگانگی و غیریت میں کچھ برابری نہیں
تم اتنے باوفا نہیں تم اس قدر جری نہیں   کوئی بھی تم میں واقف فن سپہ گری نہیں
کمیشن افسری میں پھر نہ کس طرح کلام ہو
ہزار ہو لکھے پڑھے مگر وہی غلام ہو

یہ فخر کم نہیں کہ گورے کالے ایک ساتھ تھے   ولایتی و دیسی لڑنے والے ایک ساتھ تھے
غلام اور اختیار والے ایک ساتھ تھے   جفاکش اور منتوں کے پالے ایک ساتھ تھے
عروج یہ لکھا تھا انڈیا کی سرنوشت میں
گناہ گار تم سے اور فرانس کے بہشت میں

اسی عطا پہ جان دو اگر چہ حق شناس ہو   ادائے شکر یوں کرو جو خارج از قیاس ہو
نثار کر دو مال و زر جو کچھ تمھارے پاس ہو   خوشی سے کٹ مرو تمام نبس چاہے ناس ہو
نہ فکر دل میں کچھ کرو نمود و نام کے لیئے
یہ حق ہے اُن کا جو بنے ہیں انتظام کے لیئے

پڑھے لکھے کہ جن کی عقل ہو کسی قدر رسا   جو چست کھیل کود میں ہوں جسم ہو ذرا کسا
نہ یہ خیال بھی کریں کہ کیسی ہے گرہ دسا   نہ سوچیں اور بچاریں کچھ وہ چھوڑیں جلد مدرسا
ذرا بھی ویک ہوں اگر ایم اے بی اے کے کورس میں
لکھا دیں نام جھٹ سے انڈین ڈفنس فورس میں

وفا کا امتحاں تھا بطور قرض جو لیا   وگرنہ بادشاہ کی مدد کرے گا کیا گدا
عطا کا جوش تھا جو ساڑھے پانچ فی صدی دیا   غرض جو کچھ کیا تمھارے نفع کے لیئے کیا
خود اپنے نفع کے لیئے سمجھ کے اپنا فرض دیں
یہ مفلسوں کو چاہیئے کہ قرض لے کے قرض دیں

اگر تمھیں خیال ہو کہ آخر اس کی وجہہ کیا کبھی شروع جنگ میں بھی ہم سے کچھ کہا سُنا
لڑا تو یورپ اور اُس کا بار ہند پر پڑا یہ شکوہ اب فضول ہے کہ جب شریک کیا
اسی لئے کہ اس طرح تو پل کے بوجھ اٹھاؤگے
نہیں تو بعد جنگ کے ضرور فیل لاؤ گے

وہ جنگ امن و عیش کے لئے جو اک عذاب ہو وہ جنگ جس سے جلب منفعت کا سدباب ہو
وہ جنگ جس سے اپنے دوستوں کا گھر خراب ہو یہ فکر ہے کسی طرح سے جلد کامیاب ہو
تمھیں بتاؤ کام کیا چلے گا عذر لنگ سے
قُلی بنو اگر تمھیں نہیں ہے بہرہ جنگ سے

تمھارے جو وکیل تھے اُنھیں کا ہے یہ تجربا کہ جتنا تم کو چاہیئے تھا وہ ابھی نہیں کیا
اسی پہ دعوئے وفا اسی پہ شکوہ اور گلا مدد کے نام صفر اور طلب میں اتنا حوصلا
خوشی سے جا کے جان دی نہ معرکہ میں سر دیا
نہ گھر کو بیچ باچ کے کسی نے مال و زر دیا

خلاف کیوں نہ ہو تمھارا بار بار مانگنا اور اُس پہ دِلّگی کہ شیر سے کچھار مانگنا
تمھیں بتاؤ کس طرح سے ہو نہ بار مانگنا یہ کس نے تم سے کھدیا کہ اختیار مانگنا
کبھی جو کوئی سر چڑھائے اُس کے بال کاٹ لو
دکھانے کو جو چومے مُنہ تو بڑھ کے گال کاٹ لو

جو چیز ہضم ہوگئی پھر احتیاج قے نہیں اُتر گئے نشہ جس کا ہو خمار یہ وہ مے نہیں
جو بھیک مانگ کر ملے حکومت ایسی شے نہیں یہ تان بے سُری ہے ایسی جس میں کوئی نَے نہیں
وہ شے زمانے بھر کی دقتوں سے جس کو لے کوئی
تمھیں بتاؤ ٹھنڈے دل سے کیونکر اس کو دے کوئی

سروں پہ بھوت ہوم رول کا جو یہ سوار ہے ہلا ہلا کے سر ہر ایک جس سے بے قرار ہے
اتارنے کا عاملوں کو گو کہ اختیار ہے مگر کچھ ایسا تجربے پہ اُن کو اختیار ہے
اِدھر تو شور و غل تمام اُدھر فقط سکوت ہے
کہ جانتے ہیں خود سے بھاگ جائے گا وہ بھوت ہے

دماغ پر زیادہ جن کے ہو گیا تھا کچھ اَثر یہ جن پہ اشتباہ تھا کہ پھوڑ لیں نہ اپنا سر
الگ تھلگ بٹھا دیا اُنھیں حصار کھینچ کر سُنی نہ ایک کی بہت کیا کئے اگر مگر
سوال پر یہ کھدیا یہی علاج ٹھیک ہے
اسی عمل سے اَب مریض کا مزاج ٹھیک ہے

جو دیکھتے ہو جاگتے میں آج کل وہ خواب ہے نتیجہ اِس کا خود تمھارے واسطے خراب ہے
تمھارے حوصلوں کی کوئی حد ہے کچھ حساب ہے تمھارا بَر محل سوال کتنا لاجواب ہے
خلافِ وقت بھیڑیں یہ کشمکش فضول کی
کسی کو دُھن ہے جنگ کی کسی کو ہوم رُول کی

تمھارا جوش جس قدر ہے دودھ کا اُبال ہے ارادہ مستقل رہے بھلا یہ کیا مجال ہے
جو پڑ چکیں ہیں عادتیں وہ چھٹ سکیں مُحال ہے جو کل تھا یہ بتاؤ آج بھی وہی خیال ہے
تمھیں تو جانتے ہیں ہم اسی سے ہَول اور ہے
تمھارا فعل اور ہے تمھارا قول اور ہے

زباں سے قابلیّت اپنی خوب ہی جتاؤ گے کمیٹیاں کرو گے روز اور غل مچاؤ گے
تمھیں بتاؤ گر کوئی نہ دے تو کیا بناؤ گے جو دینے والا ہاتھ اُٹھا کے دے وہی تو پاؤ گے
بقدرِ شوق یونیورسٹی ہم نہ لے سکے
وہ ہاتھ تیغ لیں گے کیا، جو اک قلم نہ لے سکے

لہو لگا کے کیوں شہید اپنا نام کیجئے — برابری کا کونسلوں میں انتظام کیجئے
سکت بڑھے کچھ آپ میں وہ اہتمام کیجئے — خود اپنے گھر کے تفرقوں کی روک تھام کیجئے
پریس ایکٹ ٹوٹے جب مطالبات کیجئے
زبان کھول لیجئے تو کوئی بات کیجئے

بہن نے مادرِ وطن کی کیا تھیں بڑھا دیا — ذہین بھانجا سمجھ کے اک سبق نیا دیا
غضب تو یہ کیا کہ مانگنے کا ڈھب سکھا دیا — مُطالبہ کیا تو یوں کہ سب نے غل مچا دیا
وہ چیز مانگنے لگے جو عقل سے بعید ہو
کہے سُنے میں آ گئے عجیب زن مرید ہو

جو مانگے ایک مانگے مل کے تم کبھی نہ مانگنا — حصُولِ مُدّعا کا وقت ہو جب ہی نہ مانگنا
بفرض ہو امید بھی مگر ابھی نہ مانگنا — رضا جو چاہتے ہو تم تو پھر کبھی نہ مانگنا
کوئی اگر کہے بھی یہ ملے گا سب سوال دیں
پڑھے لکھوں کا فرض ہے کہ تھینکس کہہ کے ٹال دیں

وہ مادرِ وطن کہ جس کا راگ گا رہے ہو تم — وہی کہ جس کی خاک آنکھ میں لگا رہے ہو تم
وہ مادرِ وطن کہ جس کو یوں رجھا رہے ہو تم — یقین خدمتوں کا اپنی اب دلا رہے ہو تم
سمجھ کے بیٹھی ایسے گھر بگڑ کے پھر سنبھل گئی
تمھاری غفلتوں سے مادرِ وطن نکل گئی

مرض کسی کے واسطے کسی کے واسطے دوا — بھنور کسی کے واسطے کسی کے حق میں ناخدا
کسی کی نا امیدی اور کسی کا عینِ مُدّعا — کسی کے واسطے سزا کسی کے واسطے جزا
کسی کے بارِ خاطر اور کسی جگہ عزیز ہیں
جنابِ ہوم رول بھی غرض عجیب چیز ہیں

ظریف اپنا قصد ہے جو کچھ وہ تم سے کیا کہیں ۔ نہ مانگیں خود سے اب خودی کی یہ سما گئی ہے ہٹیں
گرا پڑا اگر ملے تو ہوم رول ہم نہ لیں ۔ ہمیں اُبالی بھاتی ہے یہ کہہ کے جھٹ سے پھینک دیں
یہ مادرِ وطن کے پوت قسمتوں کو رو ئیں گے
جو مِل بھی جائے ہوم رُول لڑ جھگڑ کے کھوئیں گے

نوٹ۔ ۱۹۱۶ء اور اس کے قریب کے سنین میں ہوم رُول حاصل کرنے کی دُھن میں بہت سے ہندوستانی مبتلا تھے اخباروں میں بھی بے شمار مضامین اس پر نکل رہے تھے چنانچہ ظریفؔ مرحوم نے بھی اس نظم کے ذریعے سے اظہارِ خیال کیا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نظم ہوم رول کی موافقت میں ہے اور بعض ہوم کے خلاف اس کو سمجھتے ہیں۔ (صفی عفی عنہ)

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۲۰ — سنہ ۱۹۱۸ء — تعداد اشعار ۲۵

ہوم رُولرس

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تم اپنے ہوم رولی خواب کی تعبیر تو سُن لو
ظرافت میں فقط یہ دوستانہ اک شکایت ہے

اسی مُنہ پر حکومت ہند کی بل کر سنبھالو گے
نہ ایکا اور نہ تم میں انتظامی قابلیت ہے

ذرا دیکھو تو آنکھیں کھول کر اے اونگھنے والو
جہاں خود منتظم تم ہو وہاں کی کیا بُری گت ہے

تمھارا ہی چیرمین اور تمھیں سب لوگ ہو ممبر
مگر پھر بھی یہ بدنظمی کہ اپنوں کو شکایت ہے

بنے ہو کاٹھ کی پتلی کہ چلتے ہو اشاروں پر
نچائیں غیر پردے سے تمھیں کب اس کی غیرت ہے

وہ جو تجویز کردیتے ہیں تم تائید کرتے ہو
غرض کیا اس سے باشندوں کو ایذا ہے کہ راحت ہے

یہ مانا گو غلامی میں بسر کی زندگی ساری
مگر اسلاف کا بھی کچھ کہیں پر پاسِ عزت ہے

کوئی حد بھی مقرر کی ہے ناجائز خوشامد کی
بتاؤ تو کہ خودداری سے کیوں اتنی عداوت ہے

پتا نیشن کا بھی چلتا نہیں بہروپیے پن میں
فقط ہیں نام کے ہندو مسلماں ایک صورت ہے

سپوتو لا ما درِ ہندوستاں کے واہ کیا کہنا
نہ وضع خاندانی ہے نہ مذہب ہے نہ ملت ہے

سیہ چہرے پہ ہلمٹ یاکہ گوبر پر کلہ متّا
فقط اغیار کی تقلید میں اب تو یہ صورت ہے

تمازت سے سیاہی اور چہرے کی نہ بڑھ جائے
کہیں کالے نہ کہلائیں فقط اس کی حفاظت ہے

یہاں تک رفتہ رفتہ بڑھ گیا ہے خبط فیشن کا
نہ ڈاڑھی کی بزرگی ہے نہ کچھ مونچھوں کی عظمت ہے

جو اک ٹیکا لگائے مونچھ کا ہیں ناک کے نیچے
مریدِ حضرتِ ہیبوٹ ہیں فیشن سے عقیدت ہے

وہ جن کی شکل پر لوگوں کو اکثر بدگمانی ہے
زنانے تو نہیں ہیں صرف کرزن سے محبت ہے

وَلیہ ہیں مسز اینی لنبٹ ان کی یہ مِسیز ہیں
ہمیں لوگوں میں جن کی پیرِ نابالغ کی صورت ہے

سمجھئے ہند اک بازیچۂ اطفال ہے جس میں
کوئی مٹّی کا بُوا ہے کوئی پتھّر کی مورت ہے

یہ سب ہیں یادرِ ہندوستاں کے سوگواروں میں
وہ گویا مر گئی کریا کرم کی ان کو حاجت ہے

ابھی کیا ہے یہ انگلش سنّیاسی بھیک مانگیں گے
بنانا شکل ہی کا گرچہ معیارِ لیاقت ہے

بھلا اہلِ وطن کے دل میں اس کی کیا بزرگی ہو
وہ لیڈر ملک و ملّت کا جو اک لونڈے کی صورت ہے

کسی کا مُنہ چڑھاؤ گے تو وہ خوش یا خفا ہوگا
چلے گر چال کوّا ہنس کی اس میں قباحت ہے

کبھی ایثار و ہمدردیٔ قومی کا بھی دھیان آیا
لباسِ غیر کی تقلید ہی یا بے ضرورت ہے

بزرگوں کی کمائی نذرِ فیشن کر کے کیا حاصل
کبھی سوچو تو اس میں فائدہ ہے یا مضرّت ہے

جیئے تو پیٹ پالا غیر کے لُطف و ترحّم پر
نہ اپنے بس میں غلّہ ہے نہ قابو میں تجارت ہے

کفن بھی غیر ہی دیں جب ملے ہندوستانی کو
کم از کم بعد مرنے کے بھی ڈیوں کی ضرورت ہے

کمائی عمر بھر کی کھو کے بی. اے کی سندلے لی
ال. ال. بی پاس ہونے پر تو اب فاقوں کی نوبت ہے

نظارہ ہوں اکٹھّا کچھ کتابیں مول لی جائیں
کرائے کی ہو کوٹھی میز کی کرسی کی حاجت ہے

دکھانے کے لیئے الماریوں میں کچھ تو رکھّا ہو
وہ ناول ہی سہی لیکن کتابوں کی ضرورت ہے

پھریں پیدل تو پھر کوئی موکّل پاس کیوں بھٹکے
کچہری جائیں سڑکیں ناپتے تو اس میں ذلّت ہے

سواری گر نہ ہو تو کام کا ٹٹّو نہیں چلتا
سواری رکھ نہیں سکتے گرانی کی یہ حالت ہے

ہوا اک چلتا ہوا دلّال بھی منشی بنانے کو
موکّل گانٹھ کا پورا اگا لائے یہ خدمت ہے

وکالت نامہ داخل کر دیا جا کر کچہری میں
اِدھر فیس آ گئی چھٹّی ہوئی ختم اب وکالت ہے

پلیڈر رفی جہاں مل جائے پھر پروا نہیں اس کی
کہ کس کا کیس ہے کیسا ہے کہاں ہے کیا ضرورت ہے

موکّل گر کچہری سے بُلانے آئے یہ کہہ دیں
چلو تم ہم بھی آتے ہیں تمھیں کیوں اتنی عجلت ہے

ہمیں اک دوسرے اجلاس پر بھی بحث کرنا ہے
تمھارے کیس میں ہم آج پہونچیں اس میں دقّت ہے

ہمیں تو آج فرصت ہی نہیں ہے خرچ کرنے کی
کسی کو اور کر لینا اگر دیکھو شہادت ہے

بنے تو آج خرچہ دے کے پیشی اپنی بڑھوا لو
جو یہ دیکھو کہ چلنے کی ہمارے ہی ضرورت ہے

کبھی گر اتفاقاً بحث ہی کرنا پڑی اُن کو
تو پھر کیا پوچھنا سننے کے قابل در حقیقت ہے

مؤکل سے ادھر پوچھا اُدھر دُھرا دیا جج سے
سمجھنے کی نہ اُن کو سوچنے کی کوئی حاجت ہے

صدا گونجی ہوئی ہے اِن کی کمرے میں عدالت کے
خدا رکھے یہ تنہائی ہیں ان کا دم غنیمت ہے

مؤکل ان کو پہچانے نہ یہ اپنے مؤکل کو
اکھاڑہ ان وکیلوں کا خفیفہ کی عدالت ہے

جنھوں نے کچھ دنوں تک کام پر پہلے توجہ کی
اور اس میں نام پیدا ہو گیا ان کی یہ حالت ہے

مؤکل نام سن کے پھنس گیا گر اِن کے پنجے میں
تو اُس کی جان پر ہر روز اک تازہ مصیبت ہے

جہاں پیشی کا دن آیا اُنھوں نے کہہ دیا فوراً
بشدّت کل سے نزلہ ہو گیا ہے اور حرارت ہے

طبیعت ہی نہ ہو اچھی تو مجبوری ہے پھر اس میں
تمھارا کیس پیچیدہ ہے محنت کی ضرورت ہے

دیا تھا تم نے جو کچھ کام ہم نے کر دیا اُتنا
ہمارا رائے دینا صرف یہ بھی بیش قیمت ہے

اگر کچھ اور لائے ہو تو ہم اس بات کو سوچیں
تمھارا کام آئندہ کریں ہم اِتنی فرصت ہے

مُروّت، خُلق جن میں ہو بہت کم ایسے نکلیں گے
زیادہ تر وہی ہیں جن پہ غالب صاحبیّت ہے

مؤکل دردِ دل کی داستاں کیونکر کہے اُن سے
کہ جن کو بات کرنا شاق ہے سُننا مصیبت ہے

ہوا اندوختہ بھی اتفاقاً پاس اگر اُن کے
تو پھر بڑھ کر لیاقت سے غرورِ مال و دولت ہے

کبھی کوٹھی کبھی کوٹھی کے فرنیچر پہ نازاں ہیں
ذلیل اُن کو سمجھتے ہیں یہ سب جن کی بدولت ہے

ال۔ ایم۔ ایس کی سند لے کر جو ابنائے وطن نکلے
تو پھر اہلِ وطن کی جان پر اک تازہ آفت ہے

یہ پہلے تجربوں میں سیکڑوں کی جان لیتے ہیں
کسی کو گرچہ معمولی سی تپ ہے یا حرارت ہے

اُنھوں نے تھرمامیٹر منہ میں رکھ کے کہہ دیا دق ہے
بڑا سا پھیپھڑے میں زخم اور اس میں عفونت ہے

سمندر کی ہوا بیمار کو از حد ضروری ہے
رہے یہ جا کے الموڑے یہ تو اُمید صحت ہے

لکھا نسخے میں تھیس لپز نمبر چار ای پوڈر
بجز اِن کے دوا خانے کے ملنا جس کا دِقت ہے

بہ مجبوری لیا اُن کے دوا خانہ سے گر نسخہ
تو بے چارے کی آدھی جان اُس نسخے کی قیمت ہے

بچا جو فیس سے نذرِ دوا خانہ ہوا آخر
عجب چلتا ہوا نسخہ ہے کیا معقول حکمت ہے

ارا روٹ اور مکھّن دودھ انڈا مُرغ کی یخنی
غذا تجویز کر دی یہ نہ سمجھے استطاعت ہے

مطب چلنے لگا گر خوبیِ قسمت سے پھر کیا ہے
نہ رسم و راہ کی پروا نہ آنکھوں میں مروت ہے

مریضِ جاں بلب سے ڈاکٹر صاحب یہ کہتے ہیں
ہمیں چوبیس گھنٹے پیشتر لکھو کہ حاجت ہے

بلاتے ہو اگر فوراً وزٹ ہم کر نہیں سکتے
ہمارے پاس وقت اتنا کہاں کب اتنی فرصت ہے

جنھیں یہ بھی نہیں معلوم کب بیمار پڑنا ہے
تو ایسے غافلوں کو ڈاکٹر کی کیا ضرورت ہے

مرض کی طرح ان کی فیس گھٹتی بڑھتی رہتی ہے
کہ ان کے رات کے دام اور دن کی اور قیمت ہے

وکالت اور طبابت میں سبھی ایسے نہیں لیکن
خدا ترسوں کی قلّت اور خود کاموں کی کثرت ہے

ہزاروں میں کہیں اک اس طرح کا نفس پاؤگے
جہاں میں جس کا نصب العین ہم جنسوں کی خدمت ہے

وہی محسوس کر سکتے ہیں اپنی ذمّہ داری کو
جنھیں خوفِ خدا ہے اور دل میں صدقِ نیّت ہے

معزّز ورنہ یہ پیشے جو ایسے کارآمد ہیں
کہ جن سے جان و مال و آبرو سب کی حفاظت ہے

ہوئے ہیں اس قدر بدنام جس کی حد نہیں کوئی
پڑے ہیں ایسے ہاتھوں میں کہ جن سے اُن کی ذلّت ہے

لگا دیں پار بیڑا قوم کا اُمّید تھی جن سے
جہاں لکھ پڑھ کے لائق ہو گئے اُن کی یہ حالت ہے

جو خود کامی کا ہیولے کے دل میں کچھ خیال آیا
کمشنر بن گئے میونسپلٹی پر عنایت ہے

بڑے لائق سہی فرصت نہیں جب کام کرنے کی
تو کیوں دیں دخل در معقول یہ کیسی حماقت ہے

ذرا سی چیز اک میونسپلٹی نام ہے جس کا
جلوسی آختوں کا وہ طویلہ در حقیقت ہے

نمائندے جو پبلک کے بندھے ہیں اس طویلے میں
ہمیشہ تھان ہی پر ہنہنانا اُن کی خصلت ہے

گھسیٹے میں پڑے محنت تو فوراً بول جاتے ہیں
بظاہر موٹے تازے دیکھنے ہی کی جسامت ہے

مگر اُن سے زیادہ قابلِ الزام ہے پبلک
کہ جس کی انتخابی آنکھ اتنی بے بصیرت ہے

جو بے سمجھے ہوئے بھر دیتی ہے خوگیر کی بھرتی
کہو جس سے وہ کہتا ہے ہمیں چشمِ مروت ہے

ہمارے گھر پہ سو سو مرتبہ جب دوڑ کر آئیں
سوال ووٹ پر انکار کر دیں کیا قیامت ہے

کیے تھے ہم سے وعدے خَلق کی راحت رسانی کے
ہوئے ممبر تو سارے ووٹروں سے اُن کو نفرت ہے

شکایت لے کے کس کے پاس جائیں کون سُنتا ہے
اِدھر ضُعفِ بصارت ہے اُدھر ثقلِ سماعت ہے

ہوئے ممبر تو پھر پبلک سے جا کر کیوں ملیں آخر
لگی ہے کس کے دل کو جو یہ دیکھے کیا ضرورت ہے

بھرا ہے کونسلوں کی ممبری کا سر میں اک سودا
نہ یہ ہمدردِ پبلک ہیں نہ اِن کو شوقِ خدمت ہے

نہ حق النّاس سے مطلب نہ حق اللہ کی پروا
نمود و نام کی خاطر فقط کونسل کی شرکت ہے

سوال اس قسم کے کرتے جو ہوں اجلاسِ کونسل میں
بھلا ایسے نمائندوں کی پبلک کو ضرورت ہے؟

سبب کیا ہے جواب کی مرغیوں نے کم دیئے انڈے
گورنمنٹ اس سے واقف ہو تو بتلادے عنایت ہے

رعایا میں ادھر شامل ادھر حکّام میں داخل
مگر یہ ترجمانی کر سکیں کب اتنی جرأت ہے

یہی وہ لکڑیاں ہیں جن کے دستے ہیں کسولوں میں
انھیں کی وجہ سے قطع و بُرید نخلِ ملّت ہے

حکومت کے کسولے سے جہاں قربت ہوئی ان کو
تو اپنوں ہی کی جڑ کاٹیں یہ اِن کی خاص عادت ہے

غلط ہے یہ اگر اچھا بتادو کیا سبب اس کا
سِول والوں کو راحت شہر والوں کو اذیت ہے

سِول میں روشنی اور شہر میں اندھیر برپا ہے
وہاں کی اور حالت ہے یہاں کی اور حالت ہے

وہاں کچھ ٹیکس زائد ہم سبھوں سے اِن کو ملتا ہے
وہاں سڑکوں کی ادنیٰ سی خرابی پر مرمّت ہے

یہاں وہ انتظامی مادہ سڑکوں پہ بہتا ہے
اسی انصاف و ہمدردی پہ دعوائے حکومت ہے

دسمبر میں سڑک پر ہر طرف کیچڑ نظر آئے
بھلا چھڑکاؤ کی اس فصل میں کس کو ضرورت ہے

مئی میں خاک سڑکوں پر اُڑے چھڑکاؤ کے بدلے
حماقت ہے یہاں جو بات ہے برعکسِ فطرت ہے

سڑک کنکر کی کہلاتی ہے مٹی کوٹی جاتی ہے
کوئی دیکھے تو بنتے وقت اتنی کس کو فرصت ہے

انھیں کے حال پر سڑکیں پڑی آنسو بہاتی ہیں
کہ جن کے ہاتھ سے باران رحمت وجہ زحمت ہے

بنے ہیں جب سے ٹینل ہر سڑک دریا کا بچہ ہو
اگر بارش ہوئی تو ناؤ پر چلنے کی حاجت ہے

گڑھے اتنے پڑے ہیں سیتلا منہ داغ ہیں سڑکیں
یہ سب ابھرے ہوئے کنکر ہیں یا چیچک کی شدت ہے

یہ کس کی آبروریزی ہوئی ہندو مسلمانو!
تمھارا بھائی اک پیدل اگر کیچڑ میں لت پت ہے

سول میں ممبروں کا منہ نظر آتا ہے سڑکوں پر
وہ آخر آئینہ رہتی ہیں کیونکر سخت حیرت ہے

وہاں تو دن میں دو دو مرتبہ دی جاتی ہے جھاڑو
یہاں پر جس طرف دیکھو غلاظت ہی غلاظت ہے

یہی نا موٹروں پر داں ولی نعمت نکلتے ہیں
یہاں ہندوستانی کوچہ گردی جن کی عادت ہے

سڑک پر ٹھوکریں کھانے سے چاہے ہاتھ منہ ٹوٹے
وبا بدبو سے پھیلے کیوں یہی حفظان صحت ہے؟

گڑھے میں ناتواں گر کر کوئی مر جائے کیا پروا
انھیں لاوارثوں کی اسپتالوں میں ضرورت ہے

نمائش کے لیے کنکر سڑک پر ڈھیر رہتے ہیں
جو رحم آیا کبھی اس میں بھی پہلوئے عداوت ہے

بھلا انجینئر صاحب بہادر کیوں ادھر آئیں
گلی کوچوں میں موٹر جا نہیں سکتا یہ دقت ہے

چلیں پیدل وہ کیچڑ میں غرض کیا ان کی جوتی کو
وہ گو نقلی سہی صاحب تو ہیں زعم حکومت ہے

لگا کر ہیٹ اک سر پر بڑے یہ آدمی ٹھہرے
ملیں پبلک کے چھٹ بھیوں سے کیونکر اس میں ذلت ہے

الکشن کا زمانہ ہو تو ممبر گھومنے نکلیں
وہ ضمناً دیکھ لیں یہ بھی کہ کیا سڑکوں کی حالت ہے

بنایا ہے خدا نے شہریوں کو ٹیکس دینے کو
گدھوں پر بوجھ ہے بھاری گدھے والوں کو راحت ہے

نکالے جا رہے ہیں بچوں کے خون کے قطرے
سول کے واسطے فٹ پاتھ پر سرخی کی حاجت ہے

ہر اک نادار سے ٹون امپرومنٹ اب یہ کہتا ہے
تمھاری خانہ بربادی ہماری وجہ زینت ہے

زمینیں تم سے لے کے اب بڑی قیمت پہ بیچیں گے
ملیں یوں گانٹھ کے پورے تو کیا اچھی تجارت ہے

خداوند مجازی صاف لفظوں میں یہ کہتے ہیں
غریبوں کے لیے دیہات اب جائے سکونت ہے

فضائے لکھنؤ اب تنگ ہو گی تنگ دستوں پر
یہاں تک پاؤں پھیلائیں گے جن کے پاس دولت ہے

وہ مفلس قحط کے باعث سے جو مردوں سے بدتر ہیں
نکالے جائیں گے قبروں سے بھی کیا قیامت ہے

بنیں گے واں طویلے رائے صاحب خان بہادر کے
جہاں ٹوٹا شوالہ یا کہ مسجد بے مرمت ہے

حمیت ہی نہ ہو جس قوم میں واں جو نہ ہو تھوڑا
وہ غافل قوم جو ذلت کو یہ سمجھے کہ عزت ہے

ہمیں غیروں سے کیا مطلب وہ کیوں ہمدرد ہوں آخر
ہمیں تو ہاتھ سے اپنوں ہی کے ساری شکایت ہے

نظر آتا ہے سبزہ ہر طرف ساون کے اندھوں کو
وہ کیا جانیں مصیبت سہہ کے کس کی زرد رنگت ہے

خدا کے واسطے اب انتخاب اُن کا کرے پبلک
جنھیں کچھ پاس مذہب ہے جنھیں کچھ درد ملت ہے

وہی ہمجنس کے جو درد کو محسوس کرتے ہوں
ادائے خدمت مخلوق میں جن کو مسرت ہے

وگرنہ ممبری کی کرسیوں کو روک لینے سے
نمائندوں کی بدنامی ہے پبلک پر مصیبت ہے

نہ جو خود کر سکیں کچھ اور نہ موقع دوسروں کو دیں
یہ ایسے خود غرض احباب کی سچی شکایت ہے

وہ دیکھو سو رہے سب سُننے والے کس سے کہتے ہو
ظریفؔ اب چپ رہو تم بھی کہ طولانی حکایت ہے

نوٹ۔ یہ نظم ۱۹۱۸ء میں کہی گئی جب ہوم رول حاصل کرنے کی بڑی دھوم تھی اس نظم میں ہندوستان کے مختلف طبقوں اور پیشوں کے افراد کی سیرت، کردار، اور عمل کا صحیح صحیح خاکہ ظریفانہ طرز پر پیش کیا گیا ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ آیا ایسے افراد جن سے ہندوستانی قوم مرکب ہے، اور جن کی فرض شناسی کا یہ عالم ہے وہ ہوم رول کے کہاں تک اہل ہیں اور اُن کو ہوم رول مل جائے تو حکومت کے انتظام میں کہاں تک اُن کو کامیابی ہو سکتی ہے۔

اس نظم کی صداقت تخئیل کا ثبوت پندرہ سولہ برس بعد جب کانگریس کو بعض صوبوں کی وزارت ملی اور حکومت و انتظام ان کے ہاتھ میں دیا گیا اور اُنھوں نے جیسا کچھ کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ظریفؔ مرحوم کی دور بین نگاہیں گویا اس قدر پہلے اس کو دیکھ رہی تھیں۔ یہ نظم بظاہر اسباب محض ہنسنے، ہنسانے کی ایک چیز ہے، لیکن حقیقۃً ایک اصلاحی دستور العمل ہے۔ (صفیؔ عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۲۱ — سنہ ۲۱ ۱۹ء — تعداد اشعار ۵

سیاسی بینگن

نوٹ ایک بھاری بھرکم مولانا۔ دعویدار خلافت جب کانگریس میں مدغم ہو گئے تو اُن کے متعلق ظریفؔ مرحوم نے یہ قطعۂ مختصر نظم کیا جس کے قوافی۔ بُت خانہ۔ پروانہ۔ حریفانہ دانہ ہیں لیکن شوخی طبعی سے مزاحاً مولانا کے الف کو ہائے مختفی سے بدل کر الفاظ مذکورہ کا ہم قافیہ اس لئے قرار دیا کہ از روئے ساحت "مولانا" کا قطر عرضی "مولانا" سے زیادہ ہے اور اس طرح شخص معہود ذہنی کی جسامت کا اظہار مقصود تھا یہ پہیلی دیکھنے کی شئے سے متعلق ہے (صفیؔ عفی عنہ)

بحر ہزج مثمن اخرب سالم

ارکان مفعولُ مفاعیلن مفعولُ مفاعیلن

مسلم سے تنفّر اور کفّار سے یارانہ
آخر یہ قلا بازی کیوں کھا گئے مولانہ

بُھمنی کی مُحبّت نے دل موہ لیا اِتنا
مُنہ مُوڑ کے کعبے سے پہونچے سُوے بت خانہ

اسلام تعجب سے انگشت بدنداں ہے
مرگھٹ میں جلے شمعِ توحید کا پروانہ

تھالی میں سیاست کی بینگن کی طرح لُنڈھکے
"اور اس کو سمجھتے ہیں اک چال حریفانہ" ؏

پبلک کے پھنسانے کو سب جال کے پھندے تھے
یہ ریش یہ عمّامہ اور سبحۂ صد دانہ

؏ یہ مصرع مولانا صفیؔ کی نظم "نالۂ مستانہ" کا بطور تضمین اس نظم میں صرف ہوا ہے۔

ممتاز حسین جونپوری

نظم نمبر ۲۲ فروری ۲۲ءء ۳۰۴ تعداد اشعار ۲۲

اپیل منجانب ایتام

اثر خامۂ ظریف

نوٹ ۔ دسمبر ۲۰ء میں شیعہ یتیم خانے کے سکرٹری کی خدمت بروقت اجلاس کانفرنس قوم نے سید مقبول حسین صاحب ظریف کو تفویض کی اُنھوں نے یتیم خانے کے لیے ایک وسیع قطعہ آراضی منصور نگر میں مول لے کر عمارت یتیم خانہ بنوانا شروع کی اور اس ادارے کے لیے قوانین وضوابط مرتب کرکے اس کے انتظام کو باقاعدہ کردیا۔ چنانچہ جب بتاریخ ۳ جمادی الاخری ۱۳۴۰ھ مطابق یکم فروری ۱۹۲۲ء جناب سیدہ صلوٰت اللہ علیہا کے دیسے میں خواتین لکھنؤ کا بمقام کربلائے دیانت الدولہ مجمع ہوا تو وہاں کے لیے یہ اپیل بغرض اعانت ایتام نظم و نثر میں شایع کی گئی اور ظریف صاحب کی بڑی بیٹی نے جاکر مستورات میں تقسیم کی۔۔۔ : وہوا ہذا :۔ (صفی عفی عنہ)

بحر ہزج مثمن سالم ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

یتیموں کی نظر پہچاننے والوں کا مجمع ہے

جناب سیدہ کے ماننے والوں کا مجمع ہے

للہ کسی وقت اسے پڑھ لیجیے گا یا پڑھوا کے سن لیجیے گا

جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا نے جن کی شبیہہ تابوت میں آج آپ شریک ہو رہی ہیں بروقت انتقال حسنین علیہما السلام کے واسطے جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب ایسے شفیق باپ سے جو کچھ وصیت فرمائی تھی وہ آپ نے

مجالس میں بارہا سنی ہو گی (یعنی "یا علی اگر ان بچوں سے کوئی خطا ہو جائے تو یتیم سمجھ کر بحل کر دینا") کیا امیر المومنین علیہ السلام سے جنھوں نے عمر بھر بیوؤں اور یتیموں کی خدمت خود کی۔ تنور میں خود آگ روشن کر کے غیر کے یتیم بچوں کے لئے روٹیاں پکائیں۔ اپنے بچوں کے لئے ایسی وصیت کی ضرورت تھی۔ مگر اس وصیت میں ایک راز ہدایت شیعیان کے لئے پوشیدہ تھا یعنی کسی بچے کا یتیم ہونا کس قدر قابل توجہ ہے۔

جس روز سے میرے والد نے خدمت یتیم خانہ اپنے ذمہ لی اور یتیموں کے حالات تفصیلی مجھے معلوم ہوئے کہ بہت سے یتیم ایسے ہیں جن کی نادار ماؤں نے قوم کی توجہ پر اپنے ننھے ننھے بچوں کو دور دراز مقامات سے تعلیم و پرورش کے لئے لکھنؤ بھیجدیا اس بھروسے کی کیا انتہا ہو سکتی ہے جو آپ کی شفقتوں پر کیا گیا بہت سے یتیم ایسے ہیں جن کی ماں اور باپ دونوں اپنے جگر کے ٹکڑوں کو آپ کے حوالے کر کے قبر میں ہمیشہ کے لئے سو رہے۔ ان واقعات کو سن کر میں نے خود بھی ارادہ کیا ہے کہ امکانی خدمت ان بچوں کی بجالاؤں۔ چنانچہ جو بہت چھوٹے ہیں ان کی نگہداشت نہلانا دھلانا۔ جوئیں دیکھنا۔ کپڑے بدلوانا یتیم خانے سے بلوا کے خود کرتی رہتی ہوں۔ چنانچہ اسوقت بھی ایک بچہ میرے ساتھ ہے جسے یہ بھی نہیں معلوم کہ میرے ماں باپ مجھے کس پر چھوڑ گئے اور کہاں ہیں۔

میں بکمال ادب آپ سے ملتجی ہوں کہ للہ اپنے پیارے بچوں کے تصدق میں آپ ہر موقع پر قوم کے یتیم بچوں کا ضرور خیال رکھیئے خدا نے آپ کو وہ دل دیا ہے جو کسی کی مصیبت سن کے مطمئن نہیں رہ سکتا۔ اگر آپ کو کامل توجہ رہے گی تو بالفرض اگر مرد مکروہات دنیوی کی وجہ سے کسی وقت سہو کریں تو آپ کا توجہ دلانا کافی ہو گا کیا آپ کو دفن امام مظلوم کے موقع پر قبیلۂ بنی اسد کی عورتوں کا واقعہ یاد نہیں آج وہ پردہ نشین دکھیائیں جو ہماری ہی شیعہ بہنیں ہیں جنھوں نے یہ امانتیں آپ کے جوش و ہمدردی ایمانی کے سپرد کی ہیں بہ نسبت آپ کے اپنے پیارے بچوں سے بہت دور ہیں اور یہ بچے آپ کے شہر میں آپ کے مہمان ہیں۔

جب آپ کو اپنے مہمانوں کی خاطر کا اس قدر خیال رہتا ہے کہ مختلف زحمتیں ان کے بلانے اور جمع کرنے میں بخوشی اٹھاتی ہیں تو کیا ان ننھے ننھے مہمانوں کو بھول جایئے گا کبھی نہیں۔ جب حضرت فضہ سے آواز یتیم و سائل سنی گئی اللہ اپنے حصے کی روٹی حوالے کر کے روزہ رکھ لیا تو دیگر کنیزان حضرات زہرا صلوات اللہ علیہا جن کی توجہ عمل خیر میں

ضرب المثل ہے یتیموں کی طرف سے کیونکر غافل ہوسکتی ہیں توجہ شرط ہے کم از کم ہر شادی اور غم کے موقع پر جب آپ مہمانوں کو کھانا کھلائیں تو یتیموں کو اپنا مہمان ضرور سمجھیں اور اُن کا حصّہ ضرور نکالیں اگر آپ کو بھیجنے میں دِقّت ہو تو پہلے سے تاریخ کی اطّلاع یتیم خانے میں کر دیجئے وہاں سے آدمی حاضر ہو کر لے جائے گا اور خاص نگرانی میں یتیموں کو کھلا دیا جائے گا۔

نہیں تو حسب وقت ایسی تقریبوں پر آپ بجٹ کا تخمینہ بنائیں اُس وقت کے موجودہ یتیموں کی تعداد کے حصوں کے بقدر رقم کا اضافہ کر کے وہ رقم یتیم خانے بھیجوا دیں آپ کو بشمول مصارف معلوم بھی نہ ہوگا اور معقول اعانت یتیموں کی ہوتی رہے گی۔

سب کے آخر میں میں اپنی بیرونجات کی بہنوں سے بھی ملتجی ہوں کہ وہ اس قسم کی توجہ اپنے اپنے مقاموں پر دوسری بہنوں کو دلاتی رہیں اور کسی موقع پر قوم کے یتیم بچّوں کو فراموش نہ کریں۔ اور کل بہنوں سے التجا ہے کہ وہ اپنے گھروں کے مردوں کو متوجہ کریں کہ وقتاً فوقتاً وہ یتیم خانے کی حالت کا معائنہ فرماتے رہیں۔ میں ہوں شیعہ یتیم بچّوں کی ایک خادمہ

نظم

(دختر سید مقبول حسین)

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

کیا بتائیں کون ہیں کیوں طالبِ امداد ہیں — کشتۂ صد فتنۂ چرخ ستم ایجاد ہیں
بے پدر ہیں بے نوا ہیں خانماں برباد ہیں — مہرباں کچھ آپ کو وعدے بھی اپنے یاد ہیں

ڈر ہے قسمت سے کہ یاں بھی بدنصیبی ساتھ ہے
بے پدر بچّوں کی ہستی قوم تیرے ہاتھ ہے

چل بسے ماں باپ جنّت کے بسانے کے لئے — رہ گئے دنیا میں ہم صدمے اُٹھانے کے لئے
رحم کھا کر قوم نے عقبےٰ بنانے کے لئے — لے لیا آغوش میں ہم کو جِلانے کے لئے

بسملوں پر تم جو شفقت کی نظر کرنے لگے
پا کے دامن کی ہوا زخمِ جگر بھرنے لگے

رحم دل اے قوم تجھ سے بڑھ کے دنیا میں نہیں
پیشوا کی خصلتیں ملت سے مٹتی ہیں کہیں
یاد ہے کچھ آپ کے آقا امیر المومنینؑ
کر گئے دنیا میں کیا کیا کھلکے خود نانِ جویں
نفس پر اپنے مقدم کر کے فیضِ عام کو
خود گرسنہ رہ گئے آسودہ کیا ایتام کو

آپ کی بیکس نوازی ہے زمانے پر جلی
ایک دن کوفے میں جاتا تھا وہ خالق کا ولی
بیوہ مسکیں اُدھر سے مشک بھر کرلے چلی
ہوگئے بیتاب اُس کو دیکھ کر مولا علیؑ
مشک لے کر دوش پر خود ساقیِ کوثر چلے
آبِ حیواں لے کے گویا خضرِ پیغمبر چلے

تا بہ خانہ مشک پہونچا کر پھرے شیرِ خدا
پشت پر زنبیل میں لے آئے سامانِ غذا
آگ روشن کر کے فرمانے لگے شاہِ ہدا
بے پدر بچوں سے غفلت کی ہے یہ ادنا سزا
یا علیؑ کچھ زادِ راہِ پُر خطر تو نے نہ لی
وائے غفلت اِن یتیموں کی خبر تو نے نہ لی

آگ سے تکلیف پہونچی اُس ولیِ حق کو جب
رو کے فرمایا ہے اس سے بڑھ کے دوزخ کا تعب
پھر یتیموں کو بصد شفقت کھلاتے تھے رطب
پے بہ پے بچوں سے کہتے تھے یہ سلطانِ عرب
جو کہو حاضر کرے تم سب کا خادم ہے علیؑ
بخش دو بچو! خطا پر اپنے نادم ہے علیؑ

یہ بھی اک رازِ ہدایت تھا جو حضرت اس قدر
کرتے تھے اظہارِ شفقت قوم کے ایتام پر
کیوں نہ ہو اے قوم تجھ میں اپنے آقا کا اثر
پر خیال اس کا رہے ہو نا نہ ہم سے بے خبر
کمسنی کے عہد میں چھوڑا ہمیں ماں باپ نے
اپنی آغوشِ تمنا میں جگہ دی آپ نے

نوٹ

مندرجۂ بالا نثر و نظم میں یہ اپیل ہفتہ وار اخبار موسوم بہ "دُرِّ یتیم" میں شایع ہوئی تھی یہ اخبار ظریف نے اپنی سکرٹری شپ کے عہد میں یتیم خانے سے اس لیۓ جاری کیا تھا کہ قوم کو یتیموں کے مفصّل حالات کی خبر ملتی رہے۔ (صفؔی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۲۳ — سنہ ۱۹۲۴ء — تعداد اشعار ۴۲

نظم متعلق یتیم خانہ

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف۔

ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

"من آنچہ شرط بلاغ ست با تو می گویم"
"تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال"

کبھی کبھی تو اُدھر بھی حضور آنکلیں
یتیم بچوں کے رہنے کا جو ٹھکانا ہے

اسی لیئے کہ یتیموں کو یہ خیال نہ ہو،
یتیم ہونے سے برگشتہ اِک زمانا ہے

اُٹھا جو باپ کا سایہ تو سب نے چھوڑ دیا
یہ کیا کہ وہ بھی ہو بیگانہ جو یگانا ہے

یہ ہم نے مانا یہاں کون سی ہے دلچسپی
نہ ناچ رنگ کی صحبت ہے اور نہ گانا ہے

نہ ہے پتنگ کا میدان دہلی والوں سے
نہ ریس کورس کہ بازی جہاں لگانا ہے

نہ ہاکی اور نہ فٹ بال کا یہاں ہے میچ
نہ پولو جس میں مرے کپ کسی کو پانا ہے

نہ یاں فلش ہے نہ سولو نہ کورٹ پیس نہ برج
نہ یہ کلب ہے نہ کوئی قمار خانا ہے

نہ لاٹری نہ لکی بیگ کی کشش ہے یہاں
نہ وہ مقام جہاں قسمت آزمانا ہے

نہ یاں بٹیروں کی پالی نہ چوک کا منظر
کمالِ کار جہاں دیکھنا دکھانا ہے

نہ یاں یہ ہوتا ہے دنگل کوئی عظیم الشان
جہاں غلام کو صادق سے چت کرانا ہے

نہ اس جگہ کوئی سرکس نہ الفرڈ ناٹک
نہ منچلوں کو یہاں سینما دکھانا ہے

یہاں، زوائیجکل گارڈن نہ کوئی پارک
بنوع خاص جہاں جنسیت بڑھانا ہے

یہاں نہ پولٹری شو نہ یاں فلاور شو ۔ نہ فینسی فیئر اک فرض جس میں جانا ہے

نہ یاں پہ رنگ تھیٹر ہو جس میں اسکیٹنگ ۔ نہ یاں ولور لو کی شاپ جس میں کھانا ہے

مسز سروجنی نیڈو نہ دیں گی یاں لکچر ۔ نہ کانگرس نہ خلافت کا یاں فسانا ہے

یہاں پہ آنے سے سوراج بل نہ جائے گا ۔ کہ اس کے واسطے مخصوص جیل خانا ہے

یہاں نہ امن سبھا ہے نہ یاں کسان سبھا ۔ نہ یاں پہ لیڈری ڈھلنے کا کارخانا ہے

نہ یاں پہ وارڈ کی ہے ممبری کی پوسٹ کوئی ۔ کہ جس میں ووٹ کی خاطر ضرور جانا ہے

نہ یاں پہ ضلع کے حاکم کا ہے کوئی بنگلہ ۔ نہ وہ جگہ ہے جہاں سے خطاب پانا ہے

ڈنر ہو اور نہ ٹی پارٹی نہ یاں ایٹ ہوم ۔ نہ کچھ سہی تو فقط ہاتھ ہی ملانا ہے

نہ یاں عدالت دیوانی و عدالت مال ۔ نہ پرگنہ ہے نہ تحصیل ہے نہ تھانا ہے

نہ یاں رجسٹری ہوئی ہے کوئی دستاویز ۔ نہ میوزیم نہ یہاں کوئی مال خانا ہے

نہ حال قال کی محفل نہ یاں کسی کا عرس ۔ نہ یاں مشاعرہ جس میں غزل سنانا ہے

نہ اس مقام پہ بزم قصیدہ خوانی ہے ۔ کہ آئے زور طبیعت جسے دکھانا ہے

نہ یاں پہ مرثیہ خوانی نہ سوز خوانی ہے ۔ نہ واہ واہ کے قابل کوئی ترانا ہے

نہ ایسی ہے کوئی مجلس کہ جس میں حصے بٹیں ۔ نہ یاں پہ دعوت احباب کا ٹھکانا ہے

نہ یاں قمے سے ہے ماتم کہ جس میں خون بہے ۔ نہ یاں کسی کو کوئی لمبی چھڑ اٹھانا ہے

نہ یہ وہ در ہے جہاں ہو امید ملنے کی ۔ نہ یاں پہ صاحب دولت کا آستانا ہے

علیل ہے نہ یہاں کوئی صاحب ثروت ۔ ثواب جس کی عیادت سے فرض جانا ہے

مطب یہاں نہ کسی نامور حکیم کا ہے ۔ کہ حال کہنا ہے یا نبض ہی دکھانا ہے

نہ یاں مفید طلا کوئی بیچنے والا ۔ کہ جس کی قدر ہو سردی کا یہ زمانا ہے

نہ یاں کوئی میڈیکل ہال ڈاکٹر کا ہے ۔ نہ فارمیسی جہاں سے دوائیں لانا ہے

نہ جوتشی کا مکاں ہے نہ خانۂ رمّال — کہ جس سے زائچہ کھچوا کے آزمانا ہے
نہ یہ مکان کسی نامور وکیل کا ہے — جوابِ دعویٰ جہاں بیٹھ کر لکھانا ہے
نہ ڈمیٹ وے کی دکاں ہاف سیل کا موسم — مفید داخلِ فیشن جہاں کا جانا ہے
نہ یاں پہ ہو کوئی منڈی نہ یاں کوئی بازار — کہ لین دین سے کچھ فائدہ اُٹھانا ہے
یہاں کا آنا تو ہے خالصاً لوجہ اللہ — وہ اس نظر سے کہ یہ اک یتیم خانا ہے
بقائے مذہب و ملت اگرچہ ہے مقصود — روش بدلیے کہ نازک بہت زمانا ہے

خیالِ خام ہے نظمِ ظریف ہو مقبول
سُنے گا کون بہت خشک یہ فسانا ہے

نوٹ ظریف مرحوم آل انڈیا شیعہ یتیم خانے کے ایک عرصے تک آنریری سکریٹری رہے اور اُنھیں کے یادگار عہد میں یہ موجودہ عمارت تعمیر ہوئی اور یتیم خانے کا نظام ایک خاص عنوان سے درست ہوا اس کو وہ ایک علمی اور مفید درسگاہ بنانے والے تھے اسی زمانے میں ایک نہایت دلچسپ پر اثر عنوان سے یہ نظم بصورت اپیل کہی گئی جس میں اُن مختلف تماشا گاہوں سیر گاہوں، اشغال صحبتوں، اور انفرادی ملاقاتوں کا ذکر ہے جس میں قوم کے افراد وقت صرف کرتے رہتے ہیں اس نظم سے ظریف مرحوم کی معلومات کا حال معلوم ہوتا ہے جو اُن کو مختلف سوسائٹیوں وغیرہ کے متعلق تھی۔ (صفی عفی عنہٗ)

قطعہ

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف — ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

بہ احتیاط حضور اس رپورٹ کی ہو سیر — یتیم رحم کے قابل ہیں اپنے ہوں یا غیر
یتیم خانہ تو کیوں آپ آکے دیکھیں گے — یتیم خانے کا نقشہ ہے دیکھ لیجے خیر

نوٹ ۔ یہ قطعہ رپورٹ یتیم خانہ کے ساتھ شایع ہوا۔ (صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۲۴ — تعداد اشعار ۲۹

یکشنبہ ۱۳ جولائی ۱۹۲۴ء

نوٹ۔ ۱۹۲۴ء کے پہلے سے جب شیعوں میں بیداری پیدا ہو چکی اور دنیوی معاملات کو جو خلاف شرع نہ تھے اور ان کو زمانۂ حال کے تعلیم یافتہ بہتر سمجھ سکتے تھے۔ اُن میں کچھ بے محل اور نقصان رساں مداخلت صرف لکھنؤ کے چند حضرات علمائے کرام فرمانے لگے جس کی وجہ سے بعض انگریزی تعلیم یافتہ حضرات میں اور ان میں اختلاف رائے ہوا اسی کے بعد ۲۱ لغایتہ ۲۳ مارچ ۱۹۲۴ء فیض آباد میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا اجلاس خاندانِ اجتہاد کی بزرگ ہستی جناب شمس العلماء مولانا سید ابن حسن صاحب مجتہد کے زیر صدارت منعقد ہوا اُس میں لسان القوم مولانا مصفی صاحب مدظلہ نے بڑی خوبی سے بعض مسائل پر روشنی ڈالی اور ان خیالات کا صحیح صحیح اظہار کیا جس کی قدر زمانہ شناس علماء اور انگریزی تعلیم یافتہ دونوں اس وقت بھی اور آئندہ صدیوں تک کریں گے۔ اس میں جو باتیں صاف صاف طور پر قوم کے لیے مفید تھیں اور جن کی واقعی کوئی تردید ممکن ہے نہ تاویل۔ اُن کو ظاہر کیا گیا۔ باوجود ان خوبیوں کے اس کی مخالفت میں اکثر غیر شاعر اجیروں سے نظمیں شائع کرائی گئیں۔ از انجملہ ایک قطعہ کہلا کر اخبار شیعہ کالج نیوز میں قوم کو مغالطہ دینے کی غرض سے شائع کرا دیا گیا اس قطعے کے جواب میں نظم اور اسی کے ساتھ اہل ذوق کے مانوس لہجے اور ترکیب و الفاظ کے پیرائے میں ایک نثر لکھ کر ظریف مرحوم نے سید رضا صاحب کے نام سے اخبار اودھ پنچ لکھنؤ میں چھپوا دی یہ نظم اور اس سے پہلے نثر دہی کلام ہے جو غلط فہمی دور کرنے اور گم کردہ راہ کو صحیح جادہ پر لانے کے لیے پیش ہوا ہے۔

(ممتاز حسین عفی عنہٗ)

شمس الظرفا ادیب العلماء مولانا پنچ دامت برکاتہٗ

بعد تعریف خدا اور نعت رسول کے یہ خط ہے ایک صلح ڈھونڈھنے والے کا طرف ایک اصلاح کرنے والے کے پس بہ تحقیق کہ سلام ہو اوپر تمہارے بیچ اس زمانے کے کہ ہدایت کرتے ہو قوم اپنی کو ساتھ حکایات لطیف

ایسے مولویوں والے کے جو ہیں دھوکا دینے والے ساتھ بناوٹوں اپنی کے ہر آئینہ جانتے ہیں بنانا میاں مٹھو ساتھ منہ اپنے کے اور سکھاتے ہیں ہم آوازوں اپنوں کو "نبی جی بھیجو" بولنا اور ہے شوق دلوں اُن کے میں کہ مخلوق پوجے ہم کو اور دیدے مال اپنا بند کرکے آنکھوں اپنی کو کہ صرف کرے اولاد ہماری بیچ رنڈی بازی کے اور حلال کرلیں ہم مسلوں بنائے ہوئے اپنوں سے یہ سب کچھ اور کہے جاؤ تم سب کہ ہاں ہاں یہ تو معصوم سے بھی بڑھ کے ہیں اور قول ان کا ہے حدیث اور یہ حکم جو اُنھوں نے اپنے فائدوں کی لپیٹ کے ساتھ دیا ہے۔ گول گول یہ تو آیت کی صورت سے کیونکہ نازل ہو خدا کے مختار عام کی جانب سے پس کیونکہ ہوا اعتراف ساتھ بات نکلی ہوئی موہوں اُنھوں کے سے پس ہوشیار کیا گردہ اپنے کو جس شخص نے ہتھکنڈوں ان کے سے تحقیق کہ ہو نہ جائیں کیوں دشمن وہ کھری کہنے والوں کے اور کیوں نہ ہوں خوش سراہنے والوں اپنے سے جو کہ ہیں جھوٹی تعریف کرنے والے اور جمع ہو گئے ہیں آگے پیچھے اُن کے وہی جو خراب کرتے ہیں دماغ اُن کا ہلڑ مچا مچا کر وقت دیکھنے صورت اُن کی کے اور یہ خوش ہوتے ہیں بیچ دلوں اپنے کے .... اوپر ایسے ہُلڑ کے چنانچہ جب فرق دکھایا اصل و نقل کا نظم میں اور توجہ دلائی گئی لوگوں کو درمیان کانفرنس شیعہ والی کے جو ہوئی بیچ فیض آباد کے کئی مہینے قبل تو برا مانا اُنھوں نے جو آئے تھے۔ اس تعریف میں کیونکہ کڑوی ہوتی ہے بات سچی اور نہیں اُترتی حلق سے اُنھوں کے جو لیے ہیں بیمار دل پہلوؤں اپنوں میں پس بلائے گئے سراہنے والے اُن کے اور جمع ہوئے آگے پیچھے اور کہا گیا اُنھوں سے کہ بچاؤ آبرو مصنوعی ہماری اور حفاظت کرو بھروپ ہمارے کی ساتھ کوشش اپنی کے کہ جس کی تہ میں فائدہ ہے تم لوگوں کا بھی کثیر۔ اور کیا نہیں دیتے ہم اس مال میں سے تم کو جو حاصل کراتے ہیں تمھاری تعریفوں کے صدقے میں پس تاویلیں کرنے لگے وہ لوگ شعر بنا بنا کے بیچ بات کی اور مدد دی فرمائش کرنے والوں نے ساتھ مال کے مال والے گھر اپنے سے پس جاری ہے وہ سلسلہ اب تک ہر چند کہ نہیں دیا جواب کسی نے ایسے بڑ مارنے والوں کو چنانچہ پھر دُھرایا اُس واقعے کو مُدیر نے ساتھ قطعہ نئی تصنیف والے کے بیچ صحیفہ (البعیر) کے اور رفع کیا اشتباہ اُن کا ایک صاف گو رضوی نے جو بھیجتا ہوں آپ کو واسطے شائع کرنے کے چونکہ تجویز ہے اس میں ایک نئی

ایسی کہ جو مفید ہے اس گروہ کے لئے بھی جس نے پکائی ہے خواہ مخواہ دین و دنیا کی کھچڑی بیچ پتیلہ پیٹ اپنے کے واسطے خوراک مریضان حرص کے عجب کیا کہ وہ بھی خوش ہوں اس تجویز ترقی اپنی سے بیچ دلوں کے وھوا ھذا

(راقم سید رضا رضوی نیو ماڈل ہاؤس قریب بیرونی خندق لکھنؤ)

یکشنبہ ۱۳ جولائی ۲۴ء

قطعہ مطبوعہ شیعہ کالج نیوز

دین و دنیا ایک ہے اب تک یہ سنتے آئے ہیں
دین ہی کے تحت میں قائم ہے دنیا کا نظام
جب سے پیدا ہو گیا جمہوریت کا ولولہ
کر رہے ہیں دور ہی سے لوگ مذہب کو سلام

جوابِ قطعہ

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

شخصیت بڑھ جائے جب اتنی کہ جس کی حد ہو
تھے برائے نام جو نائب وہ بن بیٹھے امام
وہ شریعت ناز تھا اسلام کو جس شرع پر
یعنی خلق اللہ کے جمہور کا سادہ نظام
یعنی قرآن نہ بدلے ہیں نہ بدلیں گے کبھی
کیونکہ یہ قانون ہے فرمودۂ ربّ الانام
وہ مقنن خالق جمہور جس کا نام ہے
حکم محکم جس کا یکساں ہو برائے خاص و عام
خود غرض اشخاص استعمال جب کرنے لگیں
حسبِ مرضی اپنے پھر قانون کو کیا اس سے کام
غیر معصوم اس میں اپنی رائے کو جب دخل دیں
رائے بھی وہ جس میں ذاتی منفعت کا اہتمام
یعنی حبل المتین کو بٹ گئے رسّی کی طرح
گتھیاں ہر بات میں پیدا کریں بہرِ عوام

اُن کی یا اُن کے مریدوں کی ہو جس میں منفعت
وہ حلالاً طیباً اور ما بقی ہر شئے حرام

اُن کی ذاتی رائے کو سمجھے نہ جو عینِ حدیث
اُس پہ بے دینی کا فتویٰ دیں لگا کر اتّہام

بند کر کے آنکھ پوجے جائیں ایسے خود غرض
ایسے لوگوں کا اگر واجب ہو سب پر احترام

گر اسی کا نام دینداری ہے مذہب ہے یہی
ایسی دینداری پہ لعنت ایسے مذہب کو سلام

بڑھ گئے ہیں گاؤدی گر قوم میں بے انتہا
اور نہیں پہچانتے وہ صورتِ نور و ظلام

اُن کو لازم ہے کہ مل کر بیل رکشا اک بنائیں
اور اک میلے کا فیض آباد میں ہو اہتمام

گھاگھرا کے پاس باڑہ ہو اگر کوئی وسیع
بیل رکشا کی نمائش کا وہاں ہو انصرام

جتنے قومی سانڈ ہیں اُن کو نمائش میں بلائیں
یہ بھجن منبر پہ چڑھ کر گائیں واعظ صبح و شام

اَیُّہا النّاس آپ کو لازم ہے ان سانڈوں کی فکر
ان کے بچھڑے قیمتی ہوں گے بہت آئیں گے دام

مول لے لیں گے بڑی قیمت پہ پنجابی کسان
باپ کی جاگیر کا کرنا ہے جن کو انتظام

جوت ڈالیں گے اودھ سے لے کے یہ پنجاب تک
مزرعِ قومی کا باقی پھر نہ رہ جائے گا نام

گھوم پھر کے یہ لگا لائیں گے بچھیاں اپنے ساتھ
نسل خود اپنی بڑھا لیں گے یہ ہنگامِ قیام

یہ زکوٰۃ و خمس کی سانی کہاں تک کھائے جائیں
ان کی خاطر کیجئے قومی چراگاہوں کو عام

یہ جہاں چاہے چریں ان کو نہ کوئی کچھ کہے
چھوڑنا ان کا ثواب اور باندھنا ان کا حرام

شیعہ کالج میں اگر تختہ کوئی شاداب ہو
ان کے چرنے کے لئے لکھ دیجئے سب ان کے نام

فائدہ ہی فائدہ ہے آپ کو اس کام میں
ہو گئے اس تقلید سے ہندو بھی دل میں خوش تمام

مالوی جی اُن کے لیڈر اِن کے لیڈر مولوی
اور دوپٹہ بھی ہے ان دونوں میں اک تشبیہِ تام

اُن کو عظمت ہو یہ بے چارے مذلّت میں رہیں
کون سا انصاف ہے کچھ غور کیجے والسّلام

نظم نمبر ۲۵ — ۲۵ ستمبر ۱۹ء — تعداد اشعار ۷

دوستانہ شکایت

نوٹ۔ مسلمانوں کے ایک بہت بڑے لیڈر مولانا جو دعوی دار خلافت بھی تھے مہاراجہ محمد علی محمد خاں مرحوم سے ملنے گئے رخصت کے وقت مہاراجہ مرحوم نے حسب معمول اُنھیں ایک سگار کا بکس تحفتہً دیا مولانا موصوف اُسے لے کر اپنی فرودگاہ پر واپس آئے تو اُن کے بڑے بھائی نے اُس بکس کے متعلق دریافت کیا۔ اُنھوں نے واقعہ بیان کیا کہ مہاراجہ صاحب محمود آباد نے یہ مجھے دیا ہے۔ ہر چند مجھے سگار کا شوق نہیں۔ مگر جزیہ سمجھ کر ان سے میں نے لے لیا۔ حسب اتفاق ظریف مرحوم اس گفتگو کے وقت وہاں موجود تھے اُنھیں یہ گفتگو بہت ناگوار گذری اور محض تنبیہاً یہ قطعہ کہہ کر ہمدم میں شایع کرا دیا۔ (صفی عفی عنہ)

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ظریف افسوس اس کا ہو وہ ہم کو کیا سمجھتے ہیں
جنھیں اسلام کا ہم والہ و شیدا سمجھتے ہیں

خدارا پہلے اپنے نفس کی اصلاح فرمائیں
بُرا جو تفرقے کو میں کو اچھا سمجھتے ہیں

مسلماں ہیں بلا تفریق بھائی بھائی آپس میں
ہم اسلامی اُخوت کا یہی منشا سمجھتے ہیں

خدا پر اور رسول اللہ پہ جو ایمان رکھتا ہو
اُسے کس طرح کافر دل میں مولانا سمجھتے ہیں

لکھا ہے کس شریعت میں کوئی بھائی جو دے تحفہ
تو اُس کو آپ لیتے ہیں مگر جزیا سمجھتے ہیں

تعصب کا دھواں دینے لگا کیونکر سگار ان کا
جنھیں اس سے کہیں ہم ارفع و اعلا سمجھتے ہیں

مزا جب تھا کہ آپس میں سمجھتے قوتِ بازو
شکایت اُن سگوں سے ہے جو سوتیلا سمجھتے ہیں

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۲۶ | سنہ ۱۹۲۵ء | تعداد اشعار ۱۹

آنریری

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

یہ پوچھا مجھ سے آکر ایک ناواقف مسلماں نے — کہ لفظِ "آنریری" کے سمجھنے میں ہے دشواری

اسی کی دم میں اکثر لوگ عہدے باندھ دیتے ہیں — بلا تفریق کے چاہے وہ قومی ہوں کہ سرکاری

کہا میں نے سُنیں سرکار، کُل اقوامِ عالم میں — ہے مطلب صاف اُس کا ایک عزّت دار بیگاری

ادائے خدمتِ مخلوق سے ہے جس کو دلچسپی — پرایا کام کرنے کو جو سمجھے "شغلِ" بیکاری

ہے سب سے قیمتی شئے وقت ہی اس دارِ دنیا میں — اُسی کو وقف کر دینا ہے اک فعلِ جگرداری

بلا تنخواہ کے لوگوں کا خدمت گار بن جانا — یہی بس کسرِ نفسی ہے، یہی عینِ رواداری

خلوصِ نیّت اس خدمت کا لیکن جزوِ اعظم ہے — اگر بہرِ نمود و نام ہو تو پھر ہے مکّاری

شعارِ اہلِ ایماں محسنوں کی عزّت افزائی — جزا احساں کی احساں ہے بحکمِ حضرتِ باری

مگر خود مطلبوں میں آنریری کا یہ ہے مطلب — اک ایسا شخص جس پر فرض سب کی نازبرداری

غلام ایسا کہ مالک قوم کی ہر فرد ہو جس کی — بلا اُجرت کا مزدور اک کس و ناکس کا بیگاری

وہ رہرو دو قدم ہمراہ چلنا جس کے مشکل ہو — وہ لاوارث کا مُردہ ہو جو دوشِ قوم پر بھاری

وہ خودرَو گھاس جس کو نوچ ڈالے جس کا جی چاہے — وہ سبزہ جس کی پامالی کو لازم تیز رفتاری

وہ بے دیں فرد جس کا کوئی مذہب ہو نہ ملّت ہو — وہ کافر بے گنہ بھی قتل جس کا عینِ دینداری

وہ قومی ٹارگٹ جس پر نشانہ مارنے والے — کریں آنکھوں کو بند اور ہاتھ کی دکھلائیں تیاری

وہ اک برگشتہ قسمت خدمتِ بے لوث کا جس کی — صلہ "لعنت ملامت" اور نتیجہ ذلّت و خواری

وہ اک پتھر کی مورت قلب پہلو میں نہ ہو جس کے
کرے ہر شخص جب جو صلا اُس کی دل آزاری
وہ جنس بے حقیقت قدر ہو جس کی نہ قیمت ہو
وہ کوڑا پھونک دیں عندالضرورت جس کو بازاری
چڑھا دینے کو قرباں گاہ پر اک مفت کا بکرا
کہ جس کا قوم کی منڈی میں مالک ہو نہ بیوپاری
ظریف اک مختصر تشریح ہے مطلب سمجھنے کو
وگرنہ "آنریری" میں ہے گنجائش بڑی بھاری

نوٹ - ظریف مرحوم جس زمانے میں شیعہ یتیم خانہ لکھنؤ کے آنریری سکریٹری تھے اُنھوں نے اپنی قابلیت بے لوثی ایمانداری سے فرائض انجام دیے اور بخلاف بہت سے بلامعاوضہ کارکنان قومی کے یہ اپنے وقت کا بڑا حصّہ اس کی اصلاح و ترقی میں صرف کرتے تھے۔ باوجودیکہ نہایت نازک مزاج تھے اور بے موقع اور ناسمجھی کی باتوں کا تحمّل ان کی طبع نازک کے لیے دشوار تھا لیکن قومی خادم کی حیثیت سے اُنھوں نے اکثر غیر معمولی تحمّل کا ثبوت دیا اور جس طرح بعض ناسمجھ حضرات کی خط و کتابت اور گفتگو میں خلافِ تمیز اور بے جا اخلاق کو برداشت کیا اور قومی مفاد کا ہمیشہ خیال رکھا وہ اُن کی زندگی کا یادگار کارنامہ ہے۔ اُنھیں جذبات سے متأثر ہو کر ابنائے زمانہ کی سبق آموزی کے لیے آنریری کی لفظ کی وضاحت اس نظم میں بڑی خوبی سے کی گئی ہے جو آئندہ کارکنانِ قوم کے زخم جگر کے لیے مرہم اور ناقدرہ اہل قوم کے حال کا مرثیہ ہے۔

(صفی عفی عنہٗ)

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۲۷ — سنہ ۲۵ ۱۹ ع — تعداد اشعار ۱۲

توصیفِ قطعۂ تاریخ جنابِ احسن

بحر ہزج مثمّن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

بہار آئی بہار آئی بہار آئی مبارک ہو
جنونِ شاعری ہنگامہ آرائی مبارک ہو

گھٹا برسات کی چھائی ہوئی کم جُون کی گرمی
ہوائے سرد تجھ کو ماہِ جولائی مبارک ہو

خطابِ نو ملا ہے آنریبل ہوم ممبر کو
اسی پر شاعروں کو خامہ فرسائی مبارک ہو

نمک خوارِ ریاست شاعرِ شیریں کلام احسن
تجھے کھانا پر اٹھے اور بالائی مبارک ہو

بلندی فکر کی اور اس پہ نینی تال کی چوٹی
پھر اب کیا پوچھنا ہے لے مرے بھائی مبارک ہو

زمانے میں دماغِ شاعرانہ تیرا ایسا ہے
جسے معنوں میں یکتائی کے تنہائی مبارک ہو

لکھا ہے قطعہ تاریخ تو نے واقعی ایسا
دو بالا جس نے کر دی شانِ یکتائی مبارک ہو

کیا ہے تخرجہ کس حسن سے احسنت یا احسن
تصرف اور یہ طرزِ معمّائی مبارک ہو

ہے لااثنین تو گر تخرجہ ہے تیرالاثانی
غرض ہیں فرد دونوں اُن میں یکجائی مبارک ہو

صلے میں قطعہ تاریخ لکھنے کے میں سنتا ہوں
ریاست سے ترقی تو نے کچھ پائی مبارک ہو

ترے اِک بے تکلّف دوست کو جوشِ مسرت ہے
اسی سے کی ہے اُس نے خامہ فرسائی مبارک ہو

صفت اِک ذرّہ ناچیز سے چوٹی کے شاعر کی
ارے بھیّا کہاں پربت کہاں رائی مبارک ہو

نوٹ۔ فخر ملک دولت مہاراجہ صاحب محمود آباد کو خطاب نو جون ۲۵ ۱۹ ع میں ملا تھا اس موقع پر ظریف مرحوم کے بے تکلّف دوست اور خوش مقال شاعر جناب سیّد مہدی حسن صاحب احسن مرحوم نے

جو اُن دنوں ریاست عالیہ محمود آباد کی سرکار کے دامن دولت سے وابستہ تھے ایک قطعۂ تاریخ نظم کرکے پیش فرمایا تھا جس کے مادۂ تاریخ میں دو کے عدد کا تخرجہ تھا اور اُس دو کے تخرجہ کو احسن مرحوم نے لا اثنین کے لفظ سے ظاہر کیا تھا یعنی یہ کہ دو کا عدد مادۂ تاریخ کے مجموعۂ اعداد سے نفی کردیا جائے مگر اس موقع پر خیال نہیں رہا لا اثنین کو لاثانی کے مفہوم میں استعمال کرگئے چونکہ ظریف مرحوم سے اُن سے بہت بے تکلفی تھی اور مراسم تخصیصی۔ اس لئے نہایت ظریفانہ انداز سے اُنھوں نے نظم میں اُن کے قطعۂ تاریخ کی توصیف کے ضمن میں اس فروگذاشت کی طرف بھی کنایۃً اشارہ کردیا ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۲۸ ۲۳ ستمبر ۱۹۲۵ء تعداد اشعار ۱۰۹

آشوبِ اسلام

نوٹ۔ یہ نظم بھی ظریف مرحوم نے اُسی زمانے میں کہی تھی جب نجدیوں نے حجاز پر چڑھائی کی تھی اور جنت البقیع وغیرہ میں تمام مقابر کو مسمار کر دیا تھا اور ہندوستان میں اُن کے نجدی ایجنٹ اُن کے ان افعال کو جائز قرار دے رہے تھے نظم اودھ پنچ مورخہ ۲۳ ستمبر میں ہمراہ اس نثر کے شایع ہوئی تھی جو بطور مراسلہ ظریف مرحوم نے پنچ کو بھیجی تھی اور جس کی نقل یہاں نظم کے ساتھ شامل ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر متقارب مُثمن سالم ارکان فعولن فعولن فعولن فعولن

یہ کیا ہے جو ہر سمت آفت بپا ہے
زمانے میں شورِ قیامت بپا ہے

کعبے پہ چھائی ہے کیسی سیاہی
مدینے پہ آئی ہے کیسی تباہی

اُدھر نجد کے بَن سے شیطان اُٹھا
حرم میں اِدھر ایک طوفان اُٹھا

اُخوّت کے نقشے بگڑنے لگے سب
مسلمان آپس میں لڑنے لگے سب

سیہ کاریوں سے دَبا نورِ ایماں
جو ہو جائے کھنجڑ وہ پکّا مُسلماں

کوئی حد ہے بے جا طرفداریوں کی
کوئی انتہا بھی ہو مکّاریوں کی

یہ ارشاد فرماتے ہیں شیخ ندوہ
جو مسجد نہ ہو مستند اُس کو کھدوا

خدا کا کریں خوف اب اُن کے دُشمن
سُلیماں بنے مسجدِ جن کے دشمن

رسولِ خدا سے وفا کر رہے ہیں
محبّت میں کیا جانے کیا کر رہے ہیں

ذرا دیکھئے بوالوفائی کا منظر
حرم کو بناتے ہیں منطق سے مندر

جو مندر حرم ہے تو بُت کون شئے ہے
گیا کن کے ہاتھوں میں اسلام ہے ہے

وفادارِ نجدی شیاطیں کے ساتھی
بڑے کام والے بڑے نام والے
گراتے ہیں مسجد جو نجدی گرا دیں
کہ اِس فعل میں کچھ قباحت نہیں ہے
گرو اور چیلوں کی ہیں ایک چالیں
وُہی نجدیوں کے جو ہیں جَدِّ ماجد
یہ نجدی ایجنٹوں کے مختار بن کر
کتابُ الشیاطینِ عہدِ یزیدی
ہے مطبوعۂ مطبعِ نہروانی
یہ بابُ الحماقت میں اُس کے لکھا ہے
ابو الکذب، مذہب تھا جن کا رکابی
بڑے باخبر اور نہایت پُرانے
وہ لکھتے ہیں شیطاں نے اُن سے کہا ہے
ہے بدعت عبادت کو محصور کرنا
خلیلِ خدا نے بعہدِ جہالت
جو ہو لامکاں اُس کے گھر کو بنانا
اُنھیں بُت پرستی میں تھی اِتنی کیوں کد
کوئی عقل کی بات ہے حق تعالیٰ
کرے عرش عظمت سے خود جس کی حرحرَ
جو کعبے میں اُس کی سکونت نہیں ہے

یزیدی مسلماں ہوئے سو منافق
ہیں کافر ثُما ابتو اِسلام والے
کہو اُن کے چیلے حدیثیں سُنا دیں
یہ ہرگز خلافِ شریعت نہیں ہے
وہ مسجد کو ڈھائیں حدیثیں یہ ڈھالیں
یہ کہہ دیں گے جائز ہے ڈھانا مساجد
دکھائیں گے زورِ قلم اس طرح پر
ابھی ایک ہمدرد نے ہے خریدی
بہت مستند اور نہایت پُرانی
ابو جہل سے نقل اُس کو کیا ہے
یہ تھے شیخ نجدی کے خاص اِک صحابی
بڑے معتبر جیسے اندھوں میں کانے
کہ مسجد کا ڈھا دینا بالکل روا ہے
خدا کو تمدن پہ مجبور کرنا
بنایا تھا کعبہ یہ بدعت ہے بدعت
گُنہ تھا گُنہ پر اُنھوں نے نہ مانا
لگایا خدا جانے کیوں سنگِ اسود
بڑا بھاری بھر کم بڑی توند والا
وہ چھوٹے سے گھر میں رہے کس طرح پر
تو پھر کچھ بھی کعبے کی عزت نہیں ہے

فقط تھا یزید ایک پکا مسلماں
تو کعبے میں آگ اس نے فوراً لگا دی
بخوفِ خدا دل کو مرعوب کرنا
بزرگی کے خاطر یہ کافی نہیں ہے
میرے بعد ابنِ سعود ایک ہوگا
وہ تھامے گا مضبوط سنت ہماری
وہ اسلام کا بن کے آزاد سلطاں
اسے سچ سمجھ لو ہنسی ہے نہ ٹھٹھا
وہ الو[علہ] جو کعبے کو ویران کر دے
وہ الو جو قبوں کا ہو خاص دشمن
وہ الو کہ جنگل سکونت ہے جس کی
وہ جائے گا بستی میں تو کیا کرے گا
وہ نجدی بڑی خاص مجنوں کا لڑکا
وہ ہر وقت سرمستِ صہبائے بدعت
مریدانِ خاص اس کے ہندوستاں میں
وہ سب فوج کے میری سردار ہوں گے
وہی سب ہیں مفتی وہی سب ہیں قاضی
یہ جب چاہیں چوروں کو سلطان کہہ دیں

ہوا شعلہ ور اس میں جب نور آیا
یہ سب پیروؤں میں کرا دی منادی
کسی گھر کو خالق سے منسوب کرنا
ہے اک جرم جس کی معافی نہیں ہے
غنیمت اسی کا وجود ایک ہوگا
ہے اس کی حکومت، حکومت ہماری
کرے گا سب ایسے مکانوں کو ویراں
وہ پکا مسلمان ....
جو بالکل مدینے کو سنسان کر دے
کہ بنتا نہیں جن پہ اس کا نشیمن
خرابوں میں رہنا ہی عادت ہے جس کی
بڑی پن سے اک حشر برپا کرے گا
مکاں کی جہاں دیکھ لی شکل بھڑکا
وہ سرگشتۂ عشقِ لیلائے بدعت
ملائیں گے ہاں ہل کے سب اُس کی ہاں میں
وہ میری شریعت کے مختار ہوں گے
ہیں راضی ہوں اُن سے خدا میرا راضی
جو ہو کفر اُسے عینِ ایمان کہہ دیں

علہ الو کے خواص حیواۃ الحیوان دمیری میں لاحظہ ہوں ۱۲۔

یہ ہے عہدِ آزادِ کی نیک نامی — وہ غازی کہا جائے جو ہو حرامی[ع]

ٹھگوں کو لٹیروں کو غازی بنانا — جو ملحد ہوں اُن کو نمازی بنانا

کرے خونِ مسلم تو بن جائے غازی — جو مسجد کو ڈھائے وہ پکّا نمازی

یہی قابلیّت کا معیار ہے اَبُ — کہ شرعِ محمّدؐ تو بیکار ہے اَبُ

جو پیدا نہ کر دیں شریعت میں جدّت — تو پھر علم والوں کی کیا قابلیّت

یہ کہہ دیں گے ہے اسوا والی مسجد — یہ کھُدوائیں گے ناخدا والی مسجد

یہ اسلام کے مادہ رنہ پیشوا ہیں — سعودی حرم کے یہ خواجہ سرا ہیں

بڑے باخبر ہیں بڑے باہنر ہیں — عجب چیز ہیں یہ نہ مادہ نہ نر ہیں

جگر گھنتی اِسلام کو یہ کھلا دیں — شریعت کو یہ اُنگلیوں پر نچا دیں

نہ سُن کر کہیں اِس کو بولانا صاحب — اگر تم سے فرمائیں مولانا صاحب

جو مہدی کی سوڈان میں قبر کھودی — تو بکار دنیائے اِسلام رُو دی

مجاہد تھا کچھ بڑا باخُدا تھا — وہ کشتیِ اسلام کا ناخُدا تھا

موحّد تھا غازی تھا سلطان تھا وہ — زمانے میں پکّا مسلمان تھا وہ

یہ تھا وسوسہ قبر جس سے ہٹا دی — مُبادا پرستش کے ہوں لوگ عادی

بڑے بے خبر تھے یہ اَگلے مُسلمان — اُنھیں کچھ دکھائی نہ دی راہِ ایماں

بنائے عبث مقبرے اَولیا کے — نہ کیوں رکھدیا نام سب کا مٹا کے

کوئی عہد میں اُن کے عالم نہیں تھا — اگر تھا تو ایمان سالم نہیں تھا

وگرنہ جو گذرے ہیں سُلطانِ ماضی — مٹانے یہ قبروں کے ہوتے جو راضی

ع باصطلاح عرب حرام کار، چور، ڈاکو، راہزن ۱۲.

بزرگوں کا دُنیا میں کیوں نام رہتا
ہوا پر معلّق سب اسلام رہتا

بچائی تھی اسلام کی جس نے کشتی
وہ سردارِ اسلام سرکارِ چشتی

اگر مقبرے میں نہ یوں اپنے سُوتا
تو لوگوں کو کچھ بھی نہ احساس ہوتا

مجاہد کی گر اتنی عظمت نہ ہوتی
تو ظاہر کسی پر حقیقت نہ ہوتی

جو غازی کا مرقد نہ کوئی بناتا
تو کیوں کفر سر آستاں پر جھکاتا

زیارت سے گر لوگ محروم ہوتے
فضائل کچھ اِن کے نہ معلوم ہوتے

مکاں سے مکیں کا پتہ مل رہا ہے
اِسی سلسلے سے خدا مل رہا ہے

وہ اسلام کا فخر مسعودِ غازی
وہ ہندوستاں کا مجاہد نمازی

لحد میں جہاں چین سے سُو رہا ہے
عبث قبر پر اُس کی گنبد بنا ہے

اُسے کھود کر صاف میدان کر دو
جو مُشرک ہیں اُن کو مسلمان کر دو

ذرا جوشِ ایمان اپنا دکھا دو
جو ہمّت ہو اِن مقبروں کو گرا دو

جبھی جانیں پکّے مسلمان ہو تم
نہیں نجد کے قرنِ شیطان ہو تم

اب اس عہد میں زر ہے ایمان کی جڑ
ملے زر نہ جس سے وہ ایمان گڑبڑ

وہ ہمدردِ اسلام جو زر کمائے
وہ خالص مسلماں جو مینڈھے لڑائے

یہ کہنے لگیں خان جی سے پٹھانی
کہ دشمن تمھارے ہوئے کیوں چھٹانی

نگاہوں میں سب کی معظم یہی تھے
خلافت کے رُکنِ مکرّم یہی تھے

یہ پیدا ہوئی خاص شوکت انھیں سے
تھی اک مرنے والے کو اُلفت انھیں سے

پُرانی مُحبت کو چولھے میں ڈالا
بُخار اپنے دل کا تمھیں پر نکالا

پُولس کی حفاظت میں موٹر تک آئے
بچی جان مشکل سے تم گھر تک آئے

اگر اُس سے ترکِ موالات ہوتی
تو اُلٹے تمھیں کو حوالات ہوتی

رضاکار کس کام آئیں گے آخر — یہ عُقبےٰ میں کیا بخشوائیں گے آخر
بنا دو انھیں ایک کھدّر کا جھنڈا — خلافت سے دولے کے ایک ایک ڈنڈا
انھیں خانہ جنگی کی چالیں سکھا دو — لڑا دو لڑا دو لڑا دو لڑا دو
وہ گرمی ہو اسلام سے آنچ نکلے — دبے یوں کہ منھیارہ........
جو پٹ جائیں مسجد میں آ کر نجندی — تو نعلیں بجانے لگے دیوبندی
کمر ٹوٹ جائے جماعت علی کی — کہیں لوگ جے بول شوکت علی کی
گڑے مُردے شاید اُکھیڑیں پٹھانی — کمیٹی کی بخیہ ادھیڑیں پٹھانی
بھیّے کو کہاں تک سیے جاؤ گے تم — رفو اس میں کب تک کیے جاؤ گے تم
رقم نام سے اِس کے کچھ تم نے کم لی — پُرانی ہوئی اب خلافت کی کملی
خبر نجدیوں کو بھی اَب مل گئی ہے — کمیٹی کی بنیاد سب ہل گئی ہے
رقم کوئی معقول اب وہ نہ دیں گے — بدّو آپ کی لال سی جان لیں گے
مسلمان ہشیار اب ہو گئے سب — وہ منصوبے بیکار اب ہو گئے سب
چراغ خلافت تو گُل ہو رہا ہے — اُدھر سے کھسک آؤ غل ہو رہا ہے
ملے جس سے پیسہ وہ کَل اب بناؤ — اُٹھو ایک "وہّاب دَل" اَب بناؤ
بنو اُس کے سینا پتی جوش میں تم — کسی سے نہیں کم تن و توش میں تم
کرو ہند کی مسجدوں پر چڑھائی — یہاں ایک بھی تم نے مسجد جو ڈھائی
تو اہلِ وطن قدر دانی کریں گے — بہت تم پہ وہ مہربانی کریں گے
کہیں چل گئی اس طرح کی جو آندھی — تو اُڑ جائیں گے خود ہی پتا کے گاندھی
بجا کر تمھارا پُرانا رَ با نہ — نیا راگ گائے گا سارا زمانا
وہی پیچھے پھر تو گلشن میں ہوں گے — وہی ہار گیندے کے گردن میں ہوں گے

جو یوں فتح کی ہند کی تم نے لنکا   بجے گا تمھارا ہی ہر سمت ڈنکا
یہ غل ہوگا نجدی ہنومان کی جے
پکاریں گے ہندو مسلمان کی جے

مولانا پیچ۔ یہ نظم بظاہر دلگی کی چیز ہے مگر بہ باطن قوی دلیلوں کا ایک ذخیرہ ہے قبروں کی اُکھاڑ پچھاڑ کے بارے میں جو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں وہ جرح و تعدیل کی کسوٹی پر کسی نہیں گئیں فقہائے اسلام کا اُن کے خلاف پر عمل کرنا اُن کے ضعف کی واضح دلیل ہے جس حدیث میں نصاریٰ کا مابہ العمل قبور کے ساتھ بیان ہوا ہے وہ مسلمانوں کی قبروں اور قبّوں سے دُور کا لگاؤ بھی نہیں رکھتی دنیا میں ایک مسلم بھی اپنے بزرگوں کی قبروں کی پرستش نہیں کرتا جس کسی سے پوچھو کیوں جی تم فلاں ولی اللہ کو معبود سمجھتے ہو وہ چیں بہ جبیں ہوجاتا ہے جو شخص ہر نماز ہی میں بلکہ صبح کو آنکھ کھُلتے ہی کلمۂ توحید زبان پر جاری کرتا ہے اُس کے بارے میں یہ کہنا کہ فلاں قبر کا پجاری ہے ایک ظلم ہے جس کی سزا روزِ جزا پر موقوف ہے۔ مُردے یا اُس کی قبر سے محبت رکھنا عبادت نہیں خصوصًا جب کہ طرزِ محبت کا اظہار بھی طرزِ عبادت سے جداگانہ ہے۔ قبروں پر لیدہ چڑھتا ہے اور پھُول چڑھتے ہیں اللہ میاں کی عبادت میں لیدے اور پھولوں صندل اور بخور کو دخل نہیں۔ سورۂ فاتحہ البتہ مشترک ہے یعنی نماز میں بھی اور قبروں پر بھی پڑھتے ہیں اگر یہ عبادت ہے تو رسول اللہ کی سکھائی ہے مومن کی روح اپنے دوستوں اور عزیزوں سے اعمالِ خیر کی اُمیدوار رہتی ہے اس باب میں کثرت سے حدیثیں وارد ہوئی ہیں لہذا قبروں پر سورۂ فاتحہ کی تلاوت اور نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت ایک ہی نیّت سے نہیں ہے اِسی طرح مسجد تاریخی حیثیت رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو بہرحال مُقدّس ہے اُس کا گرانا جائز نہیں مسلم کے افعال محمول بہ صحت ہیں۔

اعمال کا تعلّق نیّت سے بنا بر حدیث صحیح و متواتر ثابت ہے غیر مشہور گمنام کتابوں کے

حوالے دینا اور کہنا کہ مسجدیں فرضی ہیں۔ قبریں فرضی ہیں۔ بدنیتی کی دلیل ہے عقبہ اور معان کے عوض رسُول اللہ کے روضے کی عزت قربان نہیں کی جاسکتی۔ نہ ملک رے کی حکومت پر سر امام حسینؑ فدا کیا جاسکتا ہے جہاد ہو یا ادائے وصیۃ تمکن پر موقوف ہے شریف علی پر ابن سُعود فتح پاسکتا ہے لیکن بہ اسباب ظاہر یہ امر قابل قبول نہیں کہ شریف علی کی ہزیمت کے بعد وہ انگریزوں پر بھی غالب آسکتا ہے لہذا یہ کہنا کہ جزیرۂ عرب غیرمسلم اثر سے پاک کیا جارہا ہے ایک فریب اور قرآن وحدیث ومساجد وقبر رسول کے ساتھ دلگی بازی ہے کون جانتا ہے کہ یہ بندۂ زرڈا کو جس طرح پہلے سائ کرچکا ہے آج بھی چمکتی ٹکلیاں دیکھ کے اپنا رہا سہا ایمان بیچ نہ ڈالے گا۔ جناب مولانا پنچ معاف فرمایئے گا تھوڑی دیر کے لیئے بندہ مولوی ہوگیا تھا اب اس ملائیت کے بعد جو کچھ اپنی خاص زبان میں عرض کیا ہے پیش کرتا ہوں۔ (ظریف)

نظم نمبر ۲۹ — ستمبر ۱۹۲۵ء — تعداد اشعار ۲۲

سعود پرستی

نوٹ. ظریف مرحوم نے یہ نظم بمقام رفاہ عام لکھنؤ انجمن تحفظ آثار متبرکہ کے جلسے میں پڑھی تھی اور اودھ پنچ لکھنؤ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۲۵ء میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے (صفی عفی عنہ)

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

سعودی آبِ زر کی دید کے قابل ہے طغیانی
بلا کا زور ہے جس نے ہلائے رکن ایمانی

عجب کیا گر محدث خاکِ دریا باد سے نکلے
ابل پڑتے ہیں مینڈک پڑتے ہی برسات کا پانی

جوازِ انہدامِ قبر پر اصرار اے توبہ
بدل دی شانِ اسلامی مٹا دی شکلِ ایمانی

شریعت موم کی ناک اور ربڑ کا ایک ٹکڑا ہے
کہ جس کو موڑنے اور کھینچنے میں اب ہے آسانی

جو شیر اسلام کے بنتے تھے وہ اب بھیگی بلی ہیں
بھلادی زر کے چھینٹوں نے وہ سب اگلی رجز خوانی

انھیں کیا گنبدِ خضرا یہ چاہے گولیاں رہیں
یہ اپنے پیٹ کے گنبد کی کرتے ہیں نگہبانی

شکم کو اُن کے بیت المال تم سمجھو خلافت کا
اسی میں مالِ مسلم جمع ہوتا ہے بہ آسانی

سعودی عاشقوں کو ظلم پر بھی پیار آتا ہے
محبت سَلب کر لیتی ہے بیشک عقلِ انسانی

خدا کی شان تطہیرِ حرم کرنے وہ آئے ہیں
کبھی برسوں جو اِستنجے میں بھی لیتے نہیں پانی

معرف ہند میں جو ہیں سعودی کارناموں کے
وہ جاٹوں کے مظالم پر کریں کیوں مرثیہ خوانی

اگر جاٹوں نے کھودا مقبرہ سلطانِ غازی کا
تو کیوں خواجہ حسن صاحب کو لاحق ہو پریشانی

حدیثیں آج کل کہتی ہیں وہ سچے مسلماں ہیں
دکھاتے ہیں جو قبروں کو مٹا کر جوشِ ایمانی

پرستش عرس میں اس قبر کی ہر سال ہوتی ہے
یہاں پر جمع ہو جاتے تھے اکثر شرک کے بانی

کھڑے رہتے تھے مشرک دست بستہ گردِ مرقد کے
بڑی بدعت بھی کرتے تھے یہاں پر فاتحہ خوانی

کمر بستہ ہوئے ہیں جاٹ بھی تطہیرِ دہلی پر
کہ اُن میں گھس گئی ہے نجد کی پوری مسلمانی

مسرت کا محل ہے تار اب ہمدرد بھجوا دیں
سعودی پیشوا کو اب یہ ہمدردی ایمانی

جماعت جاٹ کی اب جُٹ گئی قبریں مٹانے پر
ہوا سلطان نجدی تجھ پہ نازل فضلِ شیطانی

ملا ابن سعود اب تجھ کو لوٹن سنگھ سا بھائی
تری نجدی شریعت کی کرے گا یہ نگہبانی

جو ہوں چیں برجبیں اس واقعے سے اُن کو سمجھا دیں
شریفی پر پچھنڈا ہے یہ سب اے والئے نادانی

یہ لوٹن سنگھ ان سے خواب میں خود کہہ گیا آ کر
میں ناواقف ہوں گر جا لوٹنے کھودی قبر سلطانی

بھلا کہہ دے تو بنوا دوں اُسے میں چاندی سُونے سے
دلِ بے رحم مالِ مفت کی ہے یاں فراوانی

دلیلیں سب وہی ہیں اب بگڑنے کے ہیں کیا معنی
چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

نظم نمبر ۳۰ — ۲۷ جولائی ۱۹۲۵ء ۵ محرم ۱۳۴۴ھ — تعداد اشعار ۲۷

خلعتِ سرفرازی

نوٹ بمبئی کی آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے صدر ۱۹۲۵ء میں جناب سید سرفراز حسین صاحب رئیس پٹنہ منتخب ہوئے تھے اُن کے نام سے منجانب ادارہ شیعہ کانفرنس ایک ہفتہ وار اخبار ۱۹۲۵ء میں ۳-۴ محرم کو جاری ہوا جو اب روزنامے کی صورت سے نکل رہا ہے اس کا پہلا پرچہ محرم میں ایام عزا کی مناسبت سے سبز کاغذ پر شایع ہوا تھا۔ الناطق۔ الواعظ۔ الناصر۔ اخبار امامیہ شیعہ کالج نیوز شیعوں کے اور اخباروں کے نام ہیں جن کا اس نظم میں ذکر ہے۔ لسان القوم مولانا صفی لسان الھند مرزا محمد ہادی عزیز مرحوم اور دعبل ہند جناب ذاکر مرحوم لکھنؤ کے مشہور شعرا کا بھی تذکرہ آگیا ہے ضمناً قومی بے حسی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

(صفی عفی عنہٗ)

بحرِ ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

خبر ہے شیعیان لکھنؤ کے جوشِ وقتی سے
محرم میں ہوا ہے سرفراز اخبار اک جاری

ایڈیٹر آزیری نعرۂ صلوات کیا کہنا
دکھا دی شیعیان لکھنؤ نے اپنی بیداری

ابھی تو چڑھ کے نکلا ہے یہ اک تانگے کے تانگے پر
پریس اپنا نہ ہونے سے پڑے گی چل کے دشواری

ہزاروں ہی خریدار اس کے بِل جائیں گے شیعوں میں
مگر قیمت ادا کردیں فقط ہے اس میں دشواری

ابھی اخبار کی عمرِ رواں کا ہے یہ تخمینہ
خدا چاہے تو یہ اگلے محرم تک رہے جاری

چڑھا دینگے ابھی تو مل کے تعریفوں کے جھنڈے پر
ہے جن لوگوں کے قبضے میں سرفرازی نگونساری

کریں گے خیر مقدم شدّ و مد سے خوب سب مل کر
ادھر چہلم ہوا ختم اور ادھر آغاز بیزاری

نمونے کے ابھی تو سیکڑوں پرچے منگائیں گے
ادھر قیمت طلب کی آگئی تحریر انکاری

الٰہی یہ خبر سچ ہو کہ ہفتہ وار نکلے گا
کہیں اگلے ہی ہفتہ میں نہ گھیرے اس کو بیماری

ابھی تو دیکھنا یہ ہے کہ اُس کی پالیسی کیا ہو
سُلانا قوم کو منظور ہے یا اس کی بیداری

یہ النّاطق کا ہے مدِّ مقابل یا کہ الصّامت
یہ الواعظ کا حامی ہے کہ النّاصر کا بیگاری

یہ ہے مرحوم اخبارِ امامیّہ کا اک پیرو
کہ بھائی شیعہ کالج نیوز کا از راہِ دینداری

لسان القوم اس مضغے میں قومی روح پھونکیں گے
کہ چہرے پر لسان الہند فرمائیں گے گلکاری

چلاویں گے اِسے کیا دعبلِ ہند اپنے پیروں پر
چلے گا چال تیموری خدا جانے کہ قاچاری

نہ چاپے گر قصیدے اِس نے مدّاحِ آئمہ کے
تو ہوگی لکھنؤ میں فتنۂ محشر کی تیّاری

ابھی تو شاعروں کی دل دہی اک فرض ہے اس کا
غزل جتنی بُری بھیجیں ایڈیٹر چھاپ دے ساری

متانت سے کرے گا بحث یہ قومی مسائل پر
لڑے گا یا کہ پنجے جھاڑ کے جس طرح بھٹیاری

مضامین سنسنی خیز اس کے ہوں گے یا متانت زا
مباحث معتدل یا عامیانہ اور بازاری

یہ صُلحِ کل کی صورت بن کے ہمدم ہوگا شیعوں کا
پہن کر سچ کا جامہ یا کرے گا یہ دل آزاری

یہ سوراجسٹ شیعہ ہے کہ کھدّر پوش مسلم ہے
مکبّر ہے خلافت کا کہ گاندھی جی کا جے کاری

یہ جج بن کر کرے گا فیصلہ قومی مسائل کا
کہ انگریزی میں پھر واجد علی شاہی عملداری

ال، ال، بی اور بی، اے والے اس کو دوست رکھیں گے
کریں گے یا کبھی صدر الافاضل اس کی غمخواری

طرفداری میں یہ آخر قلم کس کی اُٹھائے گا
ادا خدمت یہ پبلک کی کرے گا یا کہ سرکاری

یہ کیا مضموں کا چرخہ کات کر سوراج لے لے گا
ہے ماں اِس کی ضعیفہ یعنی شیعہ قوم دکھیاری

حسد کی دِق نے جس کو کر دیا ہے مضمحل اتنا
کہ اُٹھ سکتی نہیں خود جس کو اپنی جان ہے بھاری

نہ دم لینے کی فرصت ہے اُسے غیبت کی کھانسی ہے
طبیب اس کا نہیں کوئی مرے کیوں کر نہ بے چاری

بڑھوتی وقت کی اولاد ہے یارب اِسے خوش رکھ
مُحرّم کی ہے پیدائش کہیں رقت نہ ہو طاری

یہ شرعی آرگن ہے یا ہے اک، پولٹیکل پرچہ
یہ ہے زیرِ نظارت یا اسے حاصل ہے مختاری

نمائندہ ہے یہ شیعوں کی آخر کس جماعت کا
ہے منظور نظر کس کا اصولی ہے کہ اخباری

مدد آفت میں اس کو کون ہو پہنچائے گا شیعوں میں
ایڈیٹر ہی کے سر پہ یا بلائیں جائیں گی ساری

پڑھیں اخبار لے کر شیعوں کو اتنا کہاں موقع
ادھر ماتم کمیٹی کا ادھر فصل عزاداری

آگہی لینے والے اس کے چندہ وقت پر دے دیں
اسی پر منحصر ہے زندگی اخبار کی ساری

حسین ابن علیؑ نے کردیا وعدہ وفا لیکن
وفائے عہد اب شیعہ کریں ہے اس میں دشواری

ہر اک لیڈر ہر اک واعظ ہر اک ناصح ہر اک عالم
کوئی جاہل نہیں اعلم ہماری قوم ہے ساری

امید وعدۂ فردا پہ جو آرام کرتی ہو
جگائے سے بھلا جاگے گی وہ کس طرح بے چاری

جہاں پر شیعیانِ ہند پہلے تھے وہیں پر ہیں
جو آگے تھا وہ اب بھی ہو وہی لہنگا وہی ساری

یہی کچھ بھی نہیں ہے اور یہی اخبار سب کچھ ہے
یہی سب کی دوا ہے اور یہی ہے سب کی بیماری

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۱۳۱ | سنہ ۱۹۲۵ء | تعداد اشعار ۱۲

قطعۂ تاریخ سرفراز اخبار

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف۔ ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

پہلے خاموشی سے سُنیے پھر اُسے پی جائیے
قطعۂ تاریخ ہے کڑوی دوا کا ایک ڈوز

بڑھ گئیں قومیں ترقی کرتے کرتے منزلوں
اور اک ہم ہیں جہاں پر تھے وہیں ہیں ہنوز

قوم گونگی ہے نہ ہو اخبار جب تک اُس کے پاس
کر سکے گی کس طرح غیروں کی بحثوں کو اپوز

شیعہ کالج نیوز نکلا پہلے جس انداز سے
اُشترِ بغدادِ قومی کا سمجھیے اس کو گوز

ہو گیا یادر ہوا پھیلا کے بوئے تلخ و تند
اور پراگندہ دماغ قوم کر کے چند روز

پھر خبر اُڑنے لگی نکلے گا سیارہ ضرور
کمپنی کے آسماں پر بن کے مہر نیم روز

آہ وہ بھی ہو گیا اس طرح چپکے سے غڑپ
جس طرح غوطا سمندر میں لگائے آبدوز

دیکھیں ستّر فیصدی کا نفع کب تقسیم ہو
حصّہ دار امید پر بیٹھے ہیں مُنہ کھولے ہنوز

نکلا ہے ماہِ عزا میں اب نیا اک سبز پوش
مجلسِ قومی کا پڑھنے کے لیے پُر درد سوز

مغربی تعلیم والے اِس پہ تو فرمائیں رحم
کچھ نہ چھپنے دیں ضرور اتوار ہے مخصوص روز

کیا خبر سر گرمیوں سے یہ علم بردارِ قوم
شمع بزمِ پختہ مغزاں ہو کہ داغِ خام سوز

فکرِ روغن کیجیے بجھنے نہ پائے یہ چراغ
لکھنؤ کا سرفراز اخبار ہے مجلس فروز

سنہ ۲۵ ۶ ۱۹ ھ

نوٹ۔ اخبار سرفراز کے اجرا کا یہ قطعۂ تاریخ ہے۔ اس میں شیعہ کالج نیوز کا بھی ذکر ہے جو شیعہ کالج

کی اسکیم شروع ہونے کے بعد کالج کے اغراض کی نشرو اشاعت کے لیے نکالا گیا تھا۔ شیعہ کالج اسکیم میں ایک دراز قد بزرگ بہت پیش پیش تھے جن کے دور میں اخبار مذکور، کچھ دنوں چل کر بند ہوگیا پھر لوگوں کو خیال ہوا کہ ایک لمیٹڈ کمپنی قائم کر کے اخبار "سیّارہ" نکالا جائے لیکن وہ بھی نکل نہ سکا اسی زمانے میں ۱۹۲۵ء محرم میں سبز کاغذ پر سرفراز اخبار کا پہلا پرچہ جس کا ذکر اس نظم کے نویں شعر میں ہے اور اس کے اجرا کا دن اتوار قرار پایا۔ اس کا حوالہ دسویں شعر میں ہے۔

(صفی عفی عنہ)

طلوع سیّارہ کے مُتعلّق نوٹ آخر میں درج ہے

نظم نمبر ۳۲   ۲۵ ۱۹ء   تعداد اشعار ۱۵

نظم متعلق اخبار سیّارہ

نوٹ۔ یہ نظم اور موسوم بہ طلوع "سیّارہ" دوبارہ اجرائے سیّارہ کے موقع پر ظریف نے دونوں نظمیں ایک ساتھ کہی تھیں یہی اخبار سیّارہ بیشتر جنگ عظیم کے زمانے میں نکلتا تھا اور بہت مقبول خاص وعام تھا اچھی خاصی اشاعت تھی مگر پھر بند ہو گیا تھا جب حجاز پر نجدیوں نے چڑھائی کی تو دوبارہ اُسے شبیر حسن صاحب قتیل نے جاری کیا۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر ہزج مُثمّن سالم   ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

خبر کتنی مسرت خیز ہے اے اہلِ نظّارہ
صحافت کے فلک پر ڈوب کر نکلا ہے سیّارہ

مدد اے ہمّت قومی مدد اے جوشِ اسلامی
تغافل سے ترے اہلِ قلم کے دل ہیں صد پارہ

جگایا قوم کو اخبار نے تاریخ شاہد ہے
یہی ہر قوم کے نقار خانے کا ہے نقّارہ

فضائے آسماں تک لے گیا قوموں کو پستی سے
سمجھ لو اِتنا طاقت ور ہے یہ کاغذ کا طیّارہ

نظر کمزور ہے تیری لگا اخبار کی عینک
نہ جا دُنیا کی باتوں پر وہ ہے اک زالِ مکّارہ

مدد اخبار کی گویا مدد ہے ملک و ملّت کی
یہ اک نکتہ ہے سُن رکھ اے مریدِ نفسِ اَمّارہ

سہارا جب نہ دے کوئی چلے کس کے بھروسے پر
خطا ہو قوم کی بدنام ہو اخبار بے چارہ

خدارا جو نک اُٹھ اے سونے والے خوابِ غفلت سے
سحر نزدیک ہے وہ جھلملایا قوم کا تارہ

قریبِ مرگ ہے اسلام قومی سرد مہری سے
حرارت گھٹ گئی چڑھتا نہیں ایثار کا پارہ

مقابر آلِ ہاشم کے کھُدے نجدی مظالم سے
قیامت آئی جنبش میں ہے ہر مرقد کا گہوارہ

خدا شاہد لگا دی ناریوں نے آگ کعبے میں
ذ فورِ سوزِ غم سے ہر دلِ مومن ہے انگارہ

یقیناً دوستو اک دن خدا کو منہ دکھانا ہے
گناہوں کا پوٹ لادے ہوئے جاؤ گے پشتارہ

اگر اب بھی تمھیں ہوش آگیا اس خوابِ نوشیں سے
یہی پچھلی تغافل کیشیوں کا ہو گا کفّارہ

خدا کے واسطے ہمدم نہ چھیڑ اب قصۂ ماضی
قلم کی نوک سے نکلے گا خونِ دل کا فوارہ

ظریف اُن سے نہیں مطلب ہمیں جو اتنے غافل ہیں
مٹے جاتے رہے اسلام وہ کھیلیں گے پوبارہ

نظم نمبر ۳۳ — قطعۂ دیگر — تعداد اشعار ۵

طلوعِ سیّارہ

بحر ہزج مثمّن اخرب سالم — ارکان مفعولُ مفاعیلن مفعولُ مفاعیلن

اِس سمت مخاطب ہو اے قوّتِ نظّارہ
پھر چرخ صحافت پر طالع ہوا سیّارہ

لے ہاتھ میں دل بڑھ کر اے ہمّتِ مردانہ
نکلا ہے رگِ جاں سے یہ خون کا فوّارہ

اس بارِ امانت کو تنہا نے اُٹھایا ہے
جب قوّتِ اجماعی ثابت ہوئی ناکارہ

کُفّار کے ہاتھوں سے بازیچۂ طفلاں ہے
وہ ملکِ عرب جو تھا اسلام کا گہوارہ

جب دین کے انجن میں قوت ہی نہیں باقی
کس طرح بلندی پر پہونچے گا یہ طیّارہ

نوٹ۔ لکھنؤ سے گذشتہ جنگ عظیم کے زمانے میں ایک روزنامہ "سیّارہ" نکلتا تھا جس کی صحافت سید شبیر حسن صاحب قتیل کے متعلق تھی۔ اس وقت یہ پرچہ بہت مقبول تھا اور اس کی اچھّی خاصی اشاعت ہو گئی تھی مگر پھر بند ہو گیا اور دوبارہ اس کا اجرا ۱۹۲۵ء میں ہوا جب نجدیوں نے حجاز پر چڑھائی کی تھی۔ یہ نظم اور نظم سابق "خبر کتنی مسرت خیز ہے اے اہل نظّارہ الخ" دونوں اسی موقع پر ظریف مرحوم نے کہی تھیں۔ (صفی عفی عنہ)

نظم نمبر ۳۴   ۳۰ر اگست ۱۹۲۵ء   تعداد اشعار ۹

افسانۂ حجاز

نوٹ - یہ نظم اُسی زمانے میں کہی گئی تھی۔ جب نجدیوں نے ملک حجاز پر چڑھائی کی تھی۔ سرفراز اخبار مؤرخہ ۳۰ر اگست ۱۹۲۵ء میں شایع ہو چکی ہے اس میں ہندوستان کے رہنے والے نجدی اجنبیوں کی خوب خبر لی گئی ہے۔ (صفیؔ عفی عنہ)

وزنِ مُسدّس

بحر ہزج مُثمّن مقبوض   ارکان مفاعلن مفاعلن مفاعلن مفاعلن

رباعی

دنیا کی ہوس میں ہو گئے متوالے   کتنے بے حس ہیں شان و شوکت والے
افسوس کہ مرقدِ نبیؐ ہو مسمار   چُپکے دیکھا کریں خلافت والے

رُباعی

مضطر اَب کیوں ہیں جاں نثاری کے لئے   تربت پہ نبیؐ کی گولہ باری کے لئے
ہندی راشن کھلا کھلا کر بھیجیں   نجدی فوجوں کو پائداری کے لئے

غرض چھپانے والے اُس کو رکھ سکے نہ راز میں   جو بدویوں کے ہاتھ سے گزر گیا حجاز میں
اہانتِ حرم ہوئی عرب کی ترک تاز میں   بہت سے بے گناہ قتل ہو گئے نماز میں
بنائے جب نہ کچھ بنے سکوت پھر فضول ہے
پلٹ کے کہہ نہ دیں یہی تو سُنّتِ رسول ہے

یہ جاہلوں سے اب کہیں کہ جن کو اعتبار ہے　　خدا کے گھر میں لوٹ مار دین کا شعار ہے
یہی تو خاص سیرتِ صحابۂ کبار ہے　　یہ غازیوں کا کام ہے جنھیں سب اختیار ہے
روا ہے اُن کو قبۂ مدینہ گر یہ توڑ دیں
شریعت اب تو موم ہے جدھر کو چاہے موڑ دیں

وہاں زباں پہ کفر ہے یہاں قلم پہ کفر ہے　　محیط ہند پر حجاز محترم پہ کفر ہے
خدا کے گھر میں آج کل قدم قدم پہ کفر ہے　　کہ بوسہ دینا سنگِ اسودِ حرم پہ کفر ہے
گرانا مسجدِ جنابِ حمزہ کا ثواب ہے
جو احتجاج کچھ کرے اسی کے سر عذاب ہے

جو چل چکے ہیں پیشرو وہی تو یہ بھی چال ہے　　یہ فعل نجدیوں کا تبعِ ما سلف پہ دال ہے
حرم میں قتل تھا حرام آج کل حلال ہے　　فضول حیص و بیص ہے عبث یہ قیل و قال ہے
حفاظتِ جزیرۃ العرب اسی کا نام ہے
کہ طائف اور حرم میں مسلموں کا قتلِ عام ہے

یہ زر کے بندے ہیں زباں پہ صرف لا اِلٰہ ہے　　درود بھیجنا نبیؐ پہ جو کہیں گناہ ہے
مگر یہ مسلم آر یے ہیں سب خدا گواہ ہے　　عقائد اِن کے فاتحہ جو دے وہ روسیاہ ہے
دُعا خدا سے مانگنا ہے آسمان پوجنا
ہے احترام خانۂ خدا مکان پوجنا

گرا کے مسجدوں کو خوب پختہ کار بن گئے　　کہ گور کن سے رفتہ رفتہ بیلدار بن گئے
وہی جو پیرِ صحابۂ کبار بن گئے　　تو کون کا فراب ہے یہ تو دین دار بن گئے
بتاؤ تھا طریق کن خواص کا عوام کا
دیا تھا حکم کس نے مسجدوں کے انہدام کا

یہ پہلے فتح کرکے طائف اپنا نام کر چکے　　کئی ہزار مسلموں کا قتلِ عام کر چکے
وہاں کے مقبروں کا خوب انہدام کر چکے　　چلے خدا کے گھر کی سمت جب قیام کر چکے
حسینؓ پر چڑھائی کی عرب کا پیشوا بنا
بن سعودِ نحس ابنِ سعد کا چچا بنا

یہ ڈھائیں خانۂ بتول پھر بھی دین دار ہیں　　رسول کو کریں ملول پھر بھی دین دار ہیں
گرائیں قبّہ رسول پھر بھی دین دار ہیں　　خدا کے حکم سے عدول پھر بھی دین دار ہیں
عجب طرح کا دین ہے کہ کفر الحذر کہے
خدا کی مار اُن کو دین دار جو بشر کہے

ایجنٹ اور مُرید اُن کے ہند میں اِدھر اُدھر　　چھپائے رہتے تھے ہمیشہ اِن کے ظلم کی خبر
جو کچھ کہا تو اِس طرح سے اُس کو توڑ موڑ کر　　کہ جس کا سارا مظلمہ رہے شریف ہی کے سر
بن سعود سے ہر ایک شخص صاف دل رہے
بھلا ہو کمپنی کا کچھ ایجنٹ کو بھی مِل رہے

جو قصّے تھے تو عدل کے جو ذکر تھے تو داد کے　　کچھ اُن کی سادگی کے کچھ محبّت و وداد کے
جو تذکرے کیے کہیں یہ ظلم اور فساد کے　　تو غط غطوں کے سر پہ اُس کا سارا بوجھ لاد کے
صفائی دیکھیے بن سُعود کو بَری کیا
چھپا کے ظلم ظالموں کو اور بھی جری کیا

گرہ کٹوں کا فرض ہے ٹھگوں کی بات ماننا　　وہ اُس کے وعدے اور قسم وہ اُن کا صِدق جاننا
بُرائیاں چھپانا گڑھ کے نیکیاں بکھاننا　　شکم پرست کو شکم پرست کا وہ ماننا
حُضور کا ہے ذکرِ خیر ہر جگہ حجاز میں
سلام بد دعا کی پھیرتے ہیں آپ پر نماز میں

یہ قصد ہے کہ اب اذاں میں آپ ہی کا نام ہو
حضور کی طرح سے ملیچھی مار کر قیام ہو
تمام نجدی چاہتے ہیں اب نیا امام ہو
وہ حنبلی ہیں لیکن آپ جو کہیں وہ کام ہو
خدا کے گھر پہ غالب آئے شان و شوکت آپ کی
خلیفہ ہوں بن سعود اور حکومت آپ کی

خلیفہ کا وزیرِ ہند آپ کو خدا کرے
حضور ہی کے اُسترے سے سب کا سر منڈا کرے
حضور سے ہر ایک داد خواہ التجا کرے
حضور کا غلام سب کی حاجتیں روا کرے
دعائیں شیخ نجد سے یہ مانگتا ہے رات بھر
سیہ رو آسمانِ ہند کا گہن لگا قمر

روہیلکھنڈ کے لوہار دے کے تاؤ مونچھ پر
ہلا کے گردن اور شکم پہ اپنے ہاتھ پھیر کر
یہ کہہ رہے ہیں مل گیا کہیں جو مفت مال و زر
بنائیں گے نئی مشین نام رکھ کے مؤتمر
اُسے حجاز ہی کی سرزمین پر لگائیں گے
یہاں سے بیٹھے بیٹھے اپنی رائے پر چلائیں گے

کہو یہ خفیہ نجدیوں سے جلد ہم کو مال دیں
کہ ہم بنا کے اک مشین اُن کے حسبِ حال دیں
خلیفہ روز اک بنائیں اور پھر نکال دیں
بنِ سعود اگر کہیں نیا رسول ڈھال دیں
رسول کیا کہو تو کعبہ اک الگ نیا بنے
مریدِ شیخ نجد جس کو مانیں وہ خدا بنے

یہ پیروانِ شیخ نجد جن بھی ہیں بشر بھی ہیں
مہاتما کے پُوت حاجیوں کے راہبر بھی ہیں
یہ صلحِ کُل بنے ہوئے ہیں اور اہلِ شر بھی ہیں
یہ مالوی کے چیلے ہیں ادھر بھی ہیں اُدھر بھی ہیں
پُرانا ان میں اور نجدیوں میں ساز باز ہے
گواہ واقعات صاف حالتِ حجاز ہے

عقیدہ اب یہ نجدیوں کا ہند میں بڑھائیں گے — یہ خانقاہیں مقبرے یہاں بھی بڑھ کے ڈھائیں گے

عزائے سبطِ مصطفےٰ کو مِل کے سب مٹائیں گے — یہ مسجدوں کو کھود کے چبوترے بنائیں گے

لڑا لڑا کے باہمی جوان میں قوّت آ گئی

تو سُنّی شیعوں کے لئے نئی قیامت آ گئی

بن سعود مسجدیں حجاز بھر کی ڈھائیں گے — یہ ہند میں نیا سبق عوام کو پڑھائیں گے

وہ گولے مرقدِ رسولِ پاک پر گرائیں گے — یہ گول گول باتیں گھر میں بیٹھ کر بنائیں گے

تشفی دے کے غفلتوں میں رکھنا اِن کا کام ہے

ہمیشہ چندے لے کے اُن کو پھکنا اِن کا کام ہے

یہ شور ہند و مسلم اتحاد پر مچا چکے — کلنک کا یہ ٹیکا اپنے ماتھے پر لگا چکے

مہاتما کی جے میں اپنی جے کا سُر ملا چکے — یہ مادرِ وطن کی خدمتوں کا راگ گا چکے

شردھانند کو چڑھا کے منبرِ رسولؐ پر

ہوئے ہیں نامور یہ ہند بھر کے عرض و طول پر

پہن کے سُوٹ بوٹ پہلے پیتے تھے پلاتے تھے — ہر ایک جانور کا گوشت پیٹ بھر کے کھاتے تھے

یہی تھے ہوٹلوں میں جو بڑے مزے اُڑاتے تھے — ثوابِ حج لندنی کے مُفت ہاتھ آتے تھے

پُرانے رنگ باز ہیں یہ بھائی کچھ نئے نہیں

مُقیم اب ہیں یوں کہ جس طرح کہیں گئے نہیں

پلٹ کے مادرِ وطن کے خاص پُوت بن گئے — مہاتما کے ساتھ رہتے رہتے بھوت بن گئے

چلایا چرخہ یوں کہ خود روئی سے سوت بن گئے — کبھی مچایا غل کبھی فقط سکوت بن گئے

کسی سے رشتہ توڑتے کسی سے جوڑتے رہے

غرض ہمیشہ اک نیا شگوفہ چھوڑتے رہے

وزیر شیخ نجد ہیں حکومت ان کے ہاتھ میں
تمام بھیڑ یا دھسان خلقت ان کے ہاتھ میں
غریب مسلموں کی مال و دولت ان کے ہاتھ میں
خلیفہ گر بنے ہوئے خلافت ان کے ہاتھ میں

یہ جس کو چاہیں بخشدیں مجوس یا یہود ہو
وہ چاہے ابن سعد یا کوئی بن سعود ہو

ہوا تھا جنگ جرمنی میں جس قدر معاہدہ
شریف کی جو شامت آئی یاد وہ دلادیا
زیادہ اعتدال سے جو پایا اس کا حوصلا
شریف کی کمینگی پہ طیش آخر آگیا

یاروں کی جو پیٹھ ٹھونک دی الگ سے شیر نے
نکل کے دشت نجد سے گئے مدینہ گھیر نے

شریف نے تو خیر چند حاجیوں کو لوٹ کر
بہت سا جمع کر لیا تھا اپنے پاس مال و زر
یہ بد دیان فاقہ کش کہاں سے لائے اس قدر
کہ بھڑ پڑے حجاز کے ملک سے بڑھ کے بے خطر

کسی کا ان کی پیٹھ پر یقین ہے کہ ہاتھ ہے
الگ الگ سہی مگر ضرور کوئی ساتھ ہے

ادھر بن سعود کے لیئے خلافت آگئی
شریف سے نکل کے اس میں سب شرافت آگئی
تمام مسلموں پہ لیکن ایک آفت آگئی
حجاز ہو گیا تباہ یا قیامت آگئی

ستم ظریف نجدیوں کو مل کے سب نکال دو
ارے یہ وہ بلا نہیں جسے کہ ہنس کے ٹال دو

نظم نمبر ۳۵ سنہ ۲۶ء۱۹ تعداد اشعار ۲۱

چمنستانِ ظرافت برائے اخبار حق

نوٹ۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں جب پہلے پہل اسلامی اخبار حق لکھنؤ سے زیر ادارت منشی عبدالرؤف صاحب عباسی اڈیٹر حق نکلا ہے اُس موقع پر یہ نظم کہی گئی ہے اور اس میں اخبار کی ضرورت اور اخبار کیسا ہونا چاہیئے اُس کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اودھ پنچ اور سرفراز وغیرہ اُس وقت کے معصر اخباروں کا بھی ذکر ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر رمل مثمّن مخبون مقصور یا محذوف۔ ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

باخبر قوم اُسے کہہ نہیں سکتے عاقل
جس میں تعلیم نہ ہو یا کوئی اخبار نہ ہو

یہی اخبار ہے انسان کا بہتر ہمدرد
کوئی ہمدرد نہ ہو جب کوئی غمخوار نہ ہو

ہے حقیقت میں یہ اخبار کا فرضِ اوّل
دشمنِ عام نہ ہو خاص طرفدار نہ ہو

اپنی آزادی کو بیچے نہ کسی قیمت پر
اور غلامی کا دل وجاں سے خریدار نہ ہو

جو لکھا جائے وہ ہو خود زباں کے اندر
سنسنی خیز مضامین کا طومار نہ ہو

جو لکھے اپنے بھروسے پہ لکھے لطف یہ ہے
غیر کے طائرِ مضموں کا چڑیمار نہ ہو

بے کم و کاست لکھے حال دبیر ایسا ہو
اور کسی خاطی و خائن کا طرفدار نہ ہو

کسی ظالم کے مظالم سے علاقہ رکھ کر
ظلم کی کاشت کرائے وہ زمیندار نہ ہو

ہو گئے رہزن کہیں ناصح کا پہن لے نہ لباس
ایسے اخبار سے بہتر ہے کہ اخبار نہ ہو

اُسے ایمان فروشی نہیں اخبار کو حق
ساتھ دے دین کا دولت کا طلبگار نہ ہو

بات کرنے کا سلیقہ ہو تو یوں بات کرے
دل لگی میں بھی اودھ پنچ سے تکرار نہ ہو

کہیئے دل کھول کے پیچ شرط فقط اتنی ہے
فتنہ انگیز نہ ہو حامیِ اشرار نہ ہو

مول لے چھیڑ کے غیروں کو لڑائی نہ کبھی — جنگ جو یا نہ کہیں جس کو وہ رفتار نہ ہو

ہاں اگر غیر کا حملہ ہو تو لازم ہے دفاع — دب کے خاموش ہو اس طرح کا بیکار نہ ہو

بیوقوف اس سے زیادہ کوئی ہو سکتا ہے؟ — کہ لڑے غیر سے اور ہاتھ میں تلوار نہ ہو

کرے تبلیغ اگر بن کے کبھی النّاطق — تو مبلّغ کی صفت ہے کہ دل آزار نہ ہو

حقِ اسلام ادا کرنے کو حق نکلا ہے — ہو خریدار کوئی یا کہ خریدار نہ ہو

یہ تو ممکن ہی نہیں صاحبِ ایماں کے لئے — طلبِ حق نہ کرے اور گنہگار نہ ہو

سرفراز آٹھویں دن آکے یہ فرمائے گا — حق کی تلخی کہیں روزانہ تمھیں بار نہ ہو

حق کا دیں ساتھ مسلمان یہی خواہش ہے — حق ہے اسلام تو اسلام سے بیزار نہ ہو

مختصر اب تو زمانے کا یہ نقشہ ہے ظرؔیف
قوم گونگی ہے اگر ہاتھ میں اخبار نہ ہو

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۳۶ — سنہ ۲۶ء — تعداد اشعار ۱۸

نظم متعلق حق اخبار

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

بارھویں تاریخ کا اخبار حق ہو بخاطر لطف
عارض خوباں کی سرخی رنگ سے تھی آشکار

جوش کھا کر پھوٹ نکلا یا کہ اسلامی لہو
اس خزاں دیدہ زمانے میں دکھانے کو بہار

مولد پاک نبیؐ مسمار ہو جانے کے بعد
جشن میلاد نبیؐ کی کیا منائیں یادگار

حق تو یہ ہے عاشقوں میں اب کہاں ہنگام جشن
کھد گئے یثرب میں جب آل محمد کے مزار

اُن کے آنسو تھم نہیں سکتے کسی تدبیر سے
جن کے دل اس سانحہ سے ہو گئے ہیں داغ دار

وہ جبھی خوش ہوں گے جب نجدی حکومت ہو تباہ
انتقام دست قدرت کا ہے اُن کو انتظار

دل شگفتہ ہو نہیں سکتے کسی تفریح سے
باغ عالم کی ہوا جب تک کہ ہے ناخوشگوار

ہنس رہا ہے آج کل اسلام کھسیانی ہنسی
لب پہ اظہار مسرت دل سراپا سوگوار

نظم بے معنی کا میری شکریہ تحریر تھا
مجھ سے جاہل کے لئے سرمایۂ صد افتخار

میں نہ شاعر ہوں نہ مجھ کو شاعری کا ادعا
نظم کی قدرت نہیں دل ہے مگر بے اختیار

جب اثر دل پر ہوا بے ساختہ کچھ لکھ دیا
اپنے کہنے پر نہیں لیکن مجھے خود اعتبار

نظم کیا تھی آپ کے ارشاد کی تعمیل تھی
ہو اشاعت اس کی اس قابل نہ تھی ذرہ نہار

آپ کی ان حوصلہ افزائیوں کا شکریہ
اور شکایت آپ کے کاتب کی کچھ بالاختصار

کم لکھا اک شعر گر اس نے تو کوئی کیا کہے
ہاتھ میں اس کے قلم جو کچھ لکھے کیا اختیار

چودھویں مصرع میں خاطی کو لکھا ہے خالجی
خالہ جی کا گھر کتابت کو سمجھ لیتے ہیں یار

خوف ہے لیکن حماقت سے بڑھا دے گا جو مہم حق کی مدح کے بعد تو ہونا پڑے گا شرمسار
لکھ دیا جو جی میں آیا مسخ کرنے کو کلام ایسے ہی کاتب کی ہے تعریف، کاتب گنہگار

کر دیا اظہارِ حق اس میں نہیں میرا گناہ
کاتبوں سے عفو کا طالب ہوں گر ہو ناگوار

نوٹ۔ ۲۶ء ۱۹ میں جب اخبار حق نکل رہا تھا یہ خبریں آئیں کہ اسی زمانے میں سعودیوں نے جنت البقیع میں بعض ائمہ معصومین آلِ رسولؐ کے مزار برباد کرا دیئے ماہ ربیع الاول کی بارھویں کو اسی زمانے میں اخبار حق سُرخ کاغذ پر جشنِ میلادِ نبیؐ کی خوشی میں نکالا گیا۔

چونکہ نجدیوں کے مظالم کی وجہ سے ہر جگہ خصوصاً ہندوستان کے مسلمان حد درجہ دل گرفتہ تھے اور جا بجا اظہارِ غم کے جلسے ہندوستان میں منعقد کیے جا رہے تھے یہ اظہار مسرت بہت زیادہ بے موقع سمجھا گیا چنانچہ ظریف مرحوم نے قوم کے جذبات کی ترجمانی کے طور پر یہ نظم کہی اور اس میں اُن غلطیوں کی طرف بھی توجہ دلائی جو کاتب مطبع نے ظریف صاحب کی پہلی نظم میں کی تھیں۔

(صفی عفی عنہٗ)

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۳۰ سنہ ۱۹۲۶ء تعداد اشعار ۲۳

رضا کاران جنّتُ البقیع

بحر ہزج مثمن سالم ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

سُنا ہے جوش میں ہیں آج کل رنج و محن والے
رضا کاروں کی بھرتی کر رہے ہیں انجمن والے

خلش کچھ بڑھ گئی ہے اس قدر اُن کی رُبانوں میں
کہ کانٹا ہو گئے ہیں پھول سے شیعہ چمن والے

نفاق و بغض و کینہ اور حسد سے اُن کو اُلفت ہے
انھیں چاروں پہ اب مرتے ہیں اکثر پنجتن والے

انھیں کی فرد اک اک خانہ برانداز اُلفت ہے
کہو اپنوں ہی کا دل توڑ دیں خیبر شکن والے

کبھی غیروں کو یہ اخلاق سے کرتے تھے گرویدہ
لڑے مرتے ہیں اب آپس ہی میں خُلقِ حسن والے

مثل سچ ہے نہیں کچھ ہاتھ مٹھی ہَبلا اُٹھی
ہنسیں کیونکر نہ اس تجویز پر آخر وطن والے

بٹیریں عمر بھر پالیں لڑائے خوب کنکوے
لڑیں گے خود بھلا کیا خاک ایسے بانکپن والے

ہزاروں داستانیں یاد ہیں صاحب قرانی کی
کہاں دنیا میں ایسے جنگ کے مشاق فن والے

رجسٹر میں لکھا دیں نام تو پھر دیدہ خواہد شد
یہ دل والے جگر والے زباں والے سخن والے

شریف مکّہ پاجی پن پہ آمادہ ہے اے شیعو
شہیدوں میں لکھا دیں نام اپنا شہدپن والے

الٹ دیں گے صفیں یہ نجدیوں کی اینٹ پتھر سے
بچے رہنا ذرا شیعہ رضا کاروں کے لشکر سے

وفا بے کار ہے ہونا اگر تو بے وفا ہونا
نہیں لازم رضا کاروں کو پابندِ رضا ہونا

بلائیں جنگ کو جب بھاگ جانا اپنے مسکن سے
دلیلِ عقل ہو کب تہلکے میں مبتلا ہونا

عمامہ سر پہ رکھ کر ہاتھ میں تسبیح لے لینا
سپاہی کیوں بنو لازم ہے تم کو باخدا ہونا

قواعد لیں تو کہہ دینا کمر میں درد ہے کل سے — مجھے تو اپنے بستر ہی پہ مشکل ہے کھڑا ہونا
سعودی فوج آئے جب مقابل گالیاں دینا — اُٹھا کر ہاتھ اُسے پھر کوسنا پہلے خفا ہونا
جو وہ رَیفل اٹھائیں تم دکھانا دور سے ڈنڈا — مگر لازم ہے اس ڈنڈے کو موٹے بانس کا ہونا
لڑا کرتے ہو جیسے مجلسی حصوں پہ مجلس میں — یوہیں اُس دن بنے جب خوب سرگرم وغا ہونا
اگر جرنیل تم کو حکم دے تم گالیاں دینا — خلاف وضع ہے ہرگز نہ تم سب ایک جا ہونا
اگر مشرق کو وہ بھیجے تو مغرب کو چلے جانا — وہ لڑنے کو کہے میدان میں جب تم ہَوا ہونا
قمے ماتم کے لے کر یوں جہادِ راہِ حق کرنا — کہ میدانِ وغا میں خود مجسّم خوں بہا ہونا

بجا کر جِک چکی نوحہ سُنانا اپنی حالت کا
کبھی میداں میں کرنا نجدیوں پر شورِ لعنت کا

یوہیں تم بمبئی سے تا بہ جدّہ بے خطر جانا — بغل میں داب کر تُونبی سمندر پار کر جانا
گِرو گھر رکھ کے آزوقے کی خاطر بال بچّوں کے — مکاں پر جنس رکھ دینا کہیں لڑنے اگر جانا
لنگوٹی باندھ لینا یہ تمھارا یونیفارم ہے — میاں مجنوں کی صورت نجد کی جانب اگر جانا
رضا کاروں میں اپنا نام لکھوانا مگر بھائی — بلائے جب کوئی لڑنے کو تم فوراً مُکر جانا
بُرا ہوتا ہے بھیّا سامنا دشمن کے رَیفل کا — بہت آسان ہے مدقوق ہو کر گھر پہ مَر جانا
جو دشمن گھیر لے کہنا کہ پردیسی مسافر ہیں — جو پوچھے کوئی لڑنے آئے ہو انکار کر جانا
دلیلِ جہل ہے سب اِدّعا وصفِ اضافی کا — اجی دنیا میں جو کچھ بن پڑے تم سے وہ کر جانا
ہمیشہ مرکزِ قومی سے اپنے بھاگتے پھرنا — قرار اک جا نہیں اچھا اِدھر جانا اُدھر جانا
خوشامد اُن کی کر لینا پڑے جب دھونس غیروں کی — مگر اپنے اگر جھک کر ملیں ان سے بپھر جانا
کبھی چندہ نہ دینا وعدے کر لینا ہزاروں کے — اگر ہو دسترس قومی امانت ہضم کر جانا
کرو چندے فراہم اور بیت المال بن جاؤ — بنا ہی کیوں بنو بس قوم کے دلّال بن جاؤ

نوٹ: جس زمانے میں ابن سعود نے جنت البقیع میں آئمہ معصومینؑ اور بزرگان دین کی قبروں کے نشان مٹانے کے مظالم کیے اُس وقت اس واقعے سے متاثر ہو کر انجمن آثار متبرکہ کے نام سے ایک انجمن قائم ہوئی تاکہ اس کے ذریعے سے مقامات مقدسہ کے تحفظ کا انتظام کیا جائے اسی کے ساتھ رضاکاروں کی بھرتی ہونا شروع ہوئی۔ غالباً اس کی غرض ابن سعود سے جنگ کرنا یا اسی قسم کی اور کوئی غرض تھی ان اغراض کا جو عملی نتیجہ ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے اور اُس کے مختصر خاکے کا اندازہ بھرتی کے عنوان سے کیا جا سکتا تھا جس کو ظریف نے پہلے ہی نظم کر دیا تھا۔ اس نظم میں اس زمانے کے قومی جذبات کا ذکر ہے۔ جس کی حیثیت اب تاریخی ہو گئی۔ (صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۳۸ تعداد اشعار ۱۲۰

مثنوی باد ہوائی

"من نہ گویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بین و کار آساں کن"

۱۹۲۶ء میں دہلی سے پتنگ بازی کی ٹیم لکھنؤ آئی تھی اور یہاں قلعے کے دامن میں میدان بدا گیا تھا لکھنؤ والوں نے اپنا صدر ایک نواب صاحب کو قرار دیا تھا جو ظریف مرحوم کے بے تکلف دوست تھے فائنل میچ میں کامیابی پر تقسیم انعام کے لیئے مسٹر گوئن جو اس وقت غالباً ڈپٹی کمشنر لکھنؤ تھے مدعو کیئے گئے تھے قبل اس کے چند سال سے پتنگ بازی کا یہاں زور تھا یہی سب اسباب اس نظم کے محرک ہوئے بعد اشاعت بطور تحفہ تازہ سال نو۔ اودھ پنچ میں بتاریخ ۵ر جنوری ۱۹۳۴ء طبع ہوئی پنجاب یونیورسٹی اور الہ آباد یونیورسٹی کے جلسوں میں پڑھی گئی جہاں پر ظریف مرحوم باصرار بلائے گئے تھے۔ اس نظم کے مصطلحات و تلمیحات پر نوٹ آخر میں درج ہے۔ (شفیقی عفی عنہ)

بحر خفیف مسدس مخبون مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

اے معین المہام لہو و لعب — قوم کی فاقہ مستیوں[2] کے محب
صدر آرائے رزم گاہ پتنگ[1] — پوئن[3] تاوا نواز تکل خنگ
بھیڑیا قدر[4] مانگا[5] دار الملک — جھمر[6] الدولہ ڈگّار[7] الملک
غافلان زمانہ کے سردار — مزرع مُسرفاں کے پٹی[8] دار
کام کی بات میں تو عذر لنگ — اب تو ہیں آپ اور شغل پتنگ
طبع اقدس کے گو یہ ہوگا خلاف — عرض کرنا پڑا قصور معاف

زیب ہیں اب یہ بازیاں کن کو — سُود دیتا نہیں زیاں جن کو
جو کہ سود کی رقم چلاتے ہیں — دن اُڑاتے ہیں سُو کماتے ہیں
کیجیے کیوں ایسے لوگوں کی تقلید — جن کی شب شب برات اور دن عید
من سے سنگر لڑائے کیوں پوتا — ہنس کی چال کیوں چلے کوّا
آپ ہیں اور دوسروں میں ہے فرق — ایک جگنو تو دوسرا ہے برق
رقمِ سُود سے جو دے کوئی کپ — کس کے سر پہ پڑی پلٹ کے یہ ڈھپ
وہی بے چارے جو مسلماں ہیں — وہی جو صیدِ سُود خواراں ہیں
قومِ مردہ کو آپ کیوں ماریں — کیوں درندوں کو آپ للکاریں
اُن کو تشویق کیوں دلائیں آپ — اُن سے لمڈورا کیوں لڑائیں آپ
ہوں تباہی کے جس جگہ اسباب — صدر بنیے نہ اُس کے آپ جناب
ٹورنامنٹ میں یہ ہیں جتنے — فارغ البال ان میں ہیں کتنے
آپ نے یہ بھی کچھ کیا ہے خیال — کتنوں نے لیں اُگاہیاں امسال
میچ میں جو شریک تھے جب کی — کتنوں پر ڈگریاں ہوئیں اب کی
رہن کس کس کا ہو گیا اسباب — ہوئے اس مشغلے میں کتنے خراب
جب بڑے دن میں میچ لڑتے ہیں — گھر میں فاقوں سے کتنے پڑتے ہیں
بچے کس کس کے بھوک کے مارے — گھر پہ روتے ہیں روز بے چارے
ٹیم سے "اٹے" کی جب یہاں لڑی "بی — فاقے سے گھر میں کس کے تھیں بڑی بی
ایچ سے"، ڈی لڑکے جیتی یا کہ ہری — کچھ بھی ہو گھر میں بی بی فاقوں مری
نوکری پیشہ ان میں جو ہیں حضور — وہ ہیں بے چارے جورو کے مزدور
جب دسمبر کی پائیں گے تنخواہ — گھر میں پوری نہ جائے گی وہ آہ

ڈور ڈالا شریکِ قسمت ہے — پون تاؤں کی باقی قیمت ہے
آپ کی ہو رہی ہے بربادی — ماںجھے[13] والے کے گھر میں ہے شادی
رہن ہو کر پتیلی بے کنڈل — ریل[14] کے کتنے سُت گئے بنڈل
بند اپنی دوکانیں کر کر کے — کتنوں نے دِن گزارے مر مر کے
دے خدا اب بھی آپ کو جو دقوف — تکیے[15] ٹیم ٹام سب موقوف
رشتۂ عمر گھٹ رہا ہے روز — یاں وضو پر وضو ہے گوز پہ گوز
سر پہ تادے[16] لگاتی ہے نکبت — یہ سمجھتے ہیں اس میں ہے شہرت
میر صاحب[17]! خطا معاف مری — عرض اب سُنیئے صاف صاف مری
آپ سیّد ہیں قوم کے سردار — آپ کو ایسی باتوں سے سروکار؟
نام اسلاف کا ہوا برباد — آپ کو مالِ مُفت اُڑانا یاد
آپ کو یہ کبھی خیال آیا — مُلک کا اب بدل گیا نقشا
ماسٹر صاحب[18] آپ نے بھی سُنا — مصلحِ القوم عہ کا یہ فرمانا
"آہ اب یہ ہماری حالت ہے — غیر کیا دوستوں کو نفرت ہے"
"ہم وہی ہیں کہ جو ابھی کل تک — جاہ و اقبال سے تھے سر بفلک"
"آج پستی میں ہے ہماری قوم — تنگدستی میں ہے ہماری قوم"
"ایسے بیڑے کو ڈوبنے سے بچائے — ناؤ منجدھار سے جو پار لگائے"
"قوم بھر کا وہ اپنی حامی ہے — اور سزاوارِ نیک نامی ہے"
یہ تعجب ہے آپ سا ذی ہوش — قوم کو یوں دکھائے اُلٹا جوش
آپ کے ہاتھ سے بنے نقشا — قوم کی بالعمل تباہی کا

عہ مولانا صفی مدظلہ کی طرف اشارہ ہے جن کے چند اشعار مثنوی "تخلِ فریاد" بطور تضمین اس نظم میں لائے گئے ہیں۔ ممتاز حسین جونپوری

کوئی نقشہ بنائیے ایسا ۔۔۔ نام ہو جس میں اور ملے پیسا
چھوڑیئے اُن کو جو یہ پالیں جھول ۔۔۔ وہی جو لوگ ہیں دد پنے[19] گول

مرزا[20] صاحب! اے آپ کو کچھ یاد ۔۔۔ آپ ہی کے وہ لوگ تھے اجداد
چشمے دولت کے گو اُبلتے تھے ۔۔۔ گھر سے باہر وہ کم نکلتے تھے
وہ سمجھتے تھے اس کو ننگ و عار ۔۔۔ پیچ بازی کریں سرِ بازار
سوتِ دولت کی جب کہ تھی جاری ۔۔۔ تھا یہ اِک شغل، شغلِ بے کاری
تاکہ مل جائے کچھ غریبوں کو ۔۔۔ فائدہ ہو بلا نصیبوں کو
اُن کے نقشِ قدم پہ کیوں چلیئے ۔۔۔ ہو کے مُفلس نہ قوم پر کھلیئے
اَب ہوا کا بدل گیا دھارا ۔۔۔ کُھل گیا آبرو کا بل سارا
آپ بھی رکھیئے یہ مقولہ یاد ۔۔۔ خوب ہی کہہ گیا ہے اک اُستاد
"مُفلسی سب بہار کھوتی ہے ۔۔۔ مرد کا اعتبار کھوتی ہے"

شیخ[21] صاحب! بتایئے للّٰہ ۔۔۔ آپ کو کس نے کر دیا گمراہ
آپ تو کاروبار کرتے ہیں ۔۔۔ سب اسی سے وقار کرتے ہیں
آپ تو ہیں دکان دار حضور ۔۔۔ پیچ کے نشئے میں پھر اتنے چور
پھر گئے کتنے آکے بیوپاری ۔۔۔ آپ ہیں اور شغلِ بے کاری
مُفت دولت نہ یوں اُڑائیں آپ ۔۔۔ سادہ کاری سے ہاتھ اُٹھائیں آپ
گاہکوں کا بھی کچھ خیال کریں ۔۔۔ کچھ بھی اندیشۂ مآل کریں
ایسی غفلت کا ہوگا کیا انجام ۔۔۔ ریل کی چرخیاں نہ آئیں گی کام
پیچ بازی کو اب نہ دیجیئے طول ۔۔۔ ہو رہیئے اپنے کام میں مشغول

عمر بڑھ جائے گھٹ کے مشکل ہو — وقت آئے پلٹ کے مشکل ہے
عمرِ فانی کا اعتبار نہیں — کچھ جوانی کا اعتبار نہیں

ہوں گی کب تک یہ بازیاں صاحب — کچھ تو ارشاد کیجے خاں صاحب[۲۳]
آپ پر تھا سپہ گری کا مدار — آپ تو اس قدر نہ تھے بیکار
کہ لڑائیں پتنگ میدان میں — یوں کریں جا کے جنگ میداں میں
ڈور کے گولے چرخیاں لے کر — رہیں میدان[۲۴] قلعہ میں دن بھر
جن کے اجداد لڑتے تھے تلوار — خلف اُن کے لڑائیں پٹی دار
غیر ورزش کریں پٹا سیکھیں — آپ کنکوے سے لوٹنا سیکھیں
وہ کریں مشقِ تیر اندازی — آپ کنکوے میں بدیں بازی
غیر میداں میں جا کے بانا[۲۵] ہلائیں — آپ چرخی لیے پتنگ لڑائیں
مشغلہ اُن کا کشتی اور مگدر — آپ کا شغل لگّا[۲۶] اور لنگر[۲۷]
آپ پاپڑ[۲۸] پتنگ کے بیلیں — وہ اکھاڑے میں روز ڈنڑ پیلیں
گر یہی غفلتیں ہیں بندہ نواز — خود بخود ایک دن کھلے گا یہ راز
ٹپیے گا اور کچھ نہ بولیے گا — شاید اُس وقت آنکھ کھولیے گا

بھائی[۲۹] صاحب اب اک ذرا ہشیار — نہیں باقی رہی وہ فصلِ بہار
ہم نے مانا کہ آپ ہیں مشّاق[۳۰] — بڑے اُستاد شہرۂ آفاق[۳۱]
عمر بھر مشق میں بسر کر دی — چاہے گرمی ہو اس میں یا سردی
یوسفِ کاروانِ عقل و تمیز — وقت سی شے کو بھی کیا نہ عزیز

اس مشقت کا کیسا مآل ملا — کھویا مال اپنا یا کہ مال ملا
بے گرے نن کا اعتبار نہیں — کہ ہوا پر کچھ اختیار نہیں
گر کٹے تو گرہ سے کچھ کھویا — کاٹنے میں ملا بتایئے کیا
یہی نا اک صدا کا آراٹا — واہ اُستاد واہ، وہ کاٹا

غور فرمایئے تو آپ جناب — ماشاء اللہ آپ ہیں نواب[33]
بے سکت کے تہمتنی کب تک — یہ دیتیتے کی روشنی کب تک
جھلملاتا ہے آبرو کا چراغ — عرش پر آپ کا ابھی ہے دماغ
ہے مخالف ہوا زمانے کی — کیجیے فکر کچھ کمانے کی

اور اگر آپ اس پہ فخر کریں — ضلع[34] کے حاکم آ گئے ہیں ہیں
بانٹنے اپنے ہاتھ سے انعام — اس میں ہے افتخار کا کیا کام
اُن کے اخلاق کی ہے یہ تعریف — آئیں گے جب بلائے کوئی شریف
آپ کے مشغلوں سے کیا اُنھیں کام — بانٹ دیں گے وہ مُفت کا انعام
انتظامی امور کرنے میں طے — اُن کو تو اِک بڑی سہولت ہے
شہر بھر کے جواریوں کا جتھا — اِک جگہ دیکھنے میں ہرج ہی کیا
لیئے لنگڑ جو لوٹیں مُفت کا مال — یاد رکھیں گے اُن کے بھی خط وخال
خود بخود اس کا ہوتا ہے اظہار — شہر میں اتنے لوگ ہیں بے کار
واقعی ان پہ ہے بہت کم ٹیکس — اِن میں دیتے ہیں کتنے اِنکم ٹیکس
صرف سے بڑھ کے اِن کی آمد ہے — جب تو اس شغل میں انھیں کد ہے

یہ جو غربت کا کرتے ہیں اظہار — محض جھوٹے ہیں سر بسر مکّار
اتنا تفریح پر کرے جو صرف — کیوں نہ غربت پہ اس کی آئے گا حرف

اپنی قسمت ہے اپنا یہ کہنا — ایسے بدھو[۳۵] ملیں تو کیا کہنا
کہ جو اپنی تباہیوں کو دکھائیں — راگ دولت کا مفلسی میں گائیں
جو نمائش کریں حماقت کی — قدر جن کو نہیں ہے دولت کی
وقت اپنا جو کرتے ہیں برباد — جن کو خالی پتنگ بازی یاد

فکر جن کو نہیں کمانے کی — یاد ہیں صورتیں اُڑانے کی
یہ بھی ہے اس مثل کی ایک مثال — کھاؤ ہنس ہنس کے پھوہڑ دن کا مال

یاد فرما کے تنگ دستی کو — چھوڑ دیے اس ہوا پرستی کو
صرف ہوتا ہے پیچ میں جو فضول — اس سے صنعت کا کھولیئے اسکول
تاکہ اِک زندہ یادگار رہے — غیر کی آنکھ میں وقار رہے
یہ اگر آپ کر نہیں سکتے — یاد رکھیئے سدھر نہیں سکتے
ایسے طوفان خیز کیجے نہ کام — ڈوب جائے جو کشتیٔ اِسلام
شرم کچھ روح مصطفٰےؐ کے لئے — ہوش میں آئیے خدا کے لیئے
اس ظرافت سے گر نہ ہو تفریح — اور سمجھتے ہوں اِس کو آپ قبیح
گالیاں دیجیے بد دعا دیجیے — دل لگی میں اسے اُڑا دیجیے
ہم بھی چپ ہو رہیں گے بس کہہ کے — اور یہ مطلع پڑھیں گے رہ رہ کے

کُیا ملا عوض مدعا کر کے" بات بھی کھوئی التجا کر کے"

آپ کا بندۂ ترقی خواہ

عرض پرداز حَسبتہً للہ

نوٹ:۔ سبب اختراع مشغلۂ پتنگ بازی وغیرہ اور مصطلحات پتنگ بازی و تلمیحات مندرجۂ نظم ہٰذا درج ذیل ہیں:۔

سبب ایجاد پتنگ بازی

گذشتہ زمانے میں راحت طلب امرا زیادہ تر سیر فرش اور سَیر قالین بنے بیٹھے رہتے تھے اس لیئے سنگین غذائیں جو وہ کھاتے تھے دیر میں ہضم ہوتی تھیں بلکہ بعض اوقات سوء ہضم و اختلاجِ قلب وغیرہ میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ لہٰذا اس وقت کے حکمائے حاذق نے بہت سوچ سمجھ کر بطور ان ڈور گیمس یہ پتنگ بازی اور کبوتر بازی کے مشاغل ایجاد کیئے" تاکہ اسی حیلے سے کچھ ورزش ہوتی رہے اور وہ اپنے عظیم الشان مکانوں کی بلند اور وسیع چھت پر صاف اور تازہ ہوا میں تھوڑی دیر مشی کرتے رہیں جو اُن کے ہضم طعام میں معین ہو چنانچہ یہ اشغال طبقۂ رؤسا میں رائج ہو گئے اور اُن کے اِنھیں شوقوں کی بدولت اکثر غربا کو بھی مالی فائدہ پہونچنے لگا۔ بعض فیاض طبع اور حوصلہ مند امرا تو اپنے کنکوؤں میں مقیشی جُھلجُھل لگاتے تھے کہ اگر کوئی نادار و غریب کنکوا لوٹے تو اس کی روزی کا سہارا ہو جائے یہ سب دولت کے کرشمے تھے۔ اعتدال کے ساتھ اگر یہ مشغلہ خواص ہی کے طبقے تک محدود رہتا تو بہت مفید تھا لیکن جب سے عوام الناس کے ہاتھوں میں پڑ گیا داخلِ لہو و لعب ہو کر بے حد ذلیل و خوار ہو گیا۔ اور محتاط شرفا ان اشغال سے کنارہ کش رہنے لگے کیونکہ یہ بازاری کھیل سمجھا جانے لگا۔

مصطلحات و تلمیحات مندرجۂ نظم ہٰذا

نمبر ۱ پتنگ بڑے کنکوے کو کہتے ہیں جو پورا ایک تاؤ کا ہو۔ کنکوے کے کاغذ کا تاؤ پیمائش میں بقدر "۲۰ × "۲۶ یا "۲۲ × "۲۹ ہوتا ہے بہت باریک اور مضبوط مختلف رنگوں کا جرمنی کاغذ بہتر سمجھا جاتا ہے۔

نمبر۲ پون تاوا کنکوا، اکتاوے سے ایک چوتھائی کم ہوتا ہے۔

نمبر۳ تکل کنکوے کی ایک قسم ہے جس میں نیچے اوپر دو کانپیں لگائی جاتی ہیں اور دونوں کے سرے دونوں کندوں پر ختم ہوتے ہیں۔ یہ بہت وزنی پتنگ ہوتی ہے۔

نمبر۴ بھیڑیا کنکوے کی ایک وضع ہے جس میں ماتھے سے پٹّے یا جُھلجھل تک یعنی اوپر سے نیچے تک عرضاً مختلف رنگ کی پٹیاں ہوتی ہیں۔

نمبر۵ انگ دار میں ماتھے سے کنکوے کے دونوں کندوں تک دوسرے رنگ کی دو کلیاں لگی ہوتی ہیں۔

نمبر۶ جمدھر، چوخانہ ہوتا ہے جس میں دو دو خانے ہم رنگ ہوتے ہیں اس طرح کہ اوپر نیچے کے دونوں خانے ہم رنگ اور بازوؤں کے دونوں خانے ہم رنگ۔ جمدھر ایک سلاح جنگ کا بھی نام ہے۔

نمبر۷ کٹاریا، اس کنکوے کو کہتے ہیں جس کے بیچ میں کٹار کی شکل بنی ہوتی ہے، کٹار ایک سلاح جنگ کا نام ہے۔

نمبر۸ پٹی دار، وہ کنکوا کہلاتا ہے جس میں دونوں کندوں کے درمیان مختلف رنگ کی پٹیاں کھڑی کھڑی جوڑی جائیں۔ نظم کے چوتھے شعر میں یہ لفظ بطور صنعت ایہام صرف ہوا ہے اس لئے کہ پٹی دار اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو گاؤں کے کسی جزو کا مالک ہو۔

نمبر۹ لمڈورا، وہ کنکوا کہلاتا ہے جو دور تک بڑھا کے لڑایا جائے۔

نمبر۱۰ اُگاہی قرض کی ایک قسم ہے جس میں مدیون مہاجن سے دس روپے لے کر بقسط بندی عہ ماہوار گیارہ یا بارہ مہینے میں بلا ناغہ ادا کرے۔

نمبر۱۱ اے، بی اور ایچ، ڈی۔ کنکوے بازوں کی ٹیموں (جتھوں) کے نام ہیں۔

نمبر۱۲ بڑی بی، سے کنکوے باز کی ماں مراد ہے۔

نمبر۱۳ مانجھے والا، وہ شخص ہے جو سادی ڈور پر مانجھا دیتا ہے اور مانجھا وہ مادّہ ہے جو شیشے کے باریک سفوف میں کوئی لعاب دار شئے اور کوئی رنگ ملا کر لُبدی تیار کی جائے زیادہ تر زرد ہی رنگ

ملایا جاتا ہے اس لُبدی سے سادی ڈور سُوتی جاتی ہو تو وہ سخت و کرخت ہو جاتی ہے اور حریف کے کنکوے کی ڈور کو کاٹ دیتی ہے پیچ لڑانے میں کنکوے کے کنّوں کے بعد انجھے کی ڈور کچھ دور تک رہتی ہے اور اس کے نیچے سادی ڈور رہتی ہے تاکہ پیچ لڑانے والے کے ہاتھ ڈور کی رگڑ سے مجروح نہ ہو جائیں۔ مانجھے کے لفظ میں یہاں ایہام ہو کیونکہ مانجھا اس رسم کو بھی کہتے ہیں جو شادی کی ابتدا میں اس طرح عمل میں آتی ہے کہ بیٹی والے کی طرف سے بیٹے والے کے یہاں نوشاہ کے واسطے زرد رنگ کا جوڑا اور کنگنا، پینڈیوں، بٹنے کے ساتھ بھیجا جاتا ہے اور دودھ پینے کے لیے کچھ زر نقد بھی۔ ان سب چیزوں کے ہمراہ حسب حیثیت ایک نہانے کی چوکی لوٹا، کٹورہ بھی بھیجا جاتا ہے۔

نمبر۱۴ ریل، اس ڈور کو کہتے ہیں جو مشین کے ذریعے سے تیار کی جائے۔

نمبر۱۵ ٹیم ٹام، دھوم دھڑکا۔

نمبر۱۶ تادے، چکر۔

نمبر۱۷ میر صاحب کے لفظ سے طبقۂ سادات کی طرف خطاب ہے اور ۳۵ ویں شعر میں لفظ سید کا اشارہ سید صاحب مشّاق کی طرف ہے جو نواب بنّے صاحب مشّاق مرحوم کے صاحبزادے ہیں اور جنھیں کنکوے بازی کا بہت شوق تھا۔

نمبر۱۸ ماسٹر صاحب سے مراد سید محمد رضا عرف پیارے صاحب ہیں جو ڈرائنگ ماسٹر اور بہار مرحوم کے چھوٹے بھائی ہیں اور کنکوّا اڑانے میں استاد مسلم الثبوت ہیں۔

نمبر۱۹ دو بنّے گول، اصطلاحاً بیوقوف آدمی کو کہتے ہیں۔ اور دو بنّا کنکوے کی بھی ایک قسم ہے جس کی کانپ کے دونوں سروں پر نعل کی قطع کے دو ٹکڑے کنکوے کے رنگ سے مختلف لگے ہوں۔

نمبر۲۰ مرزا صاحب سے مراد طبقۂ مغل ہے۔

نمبر۲۱ شیخ صاحب خطاب ہے طبقۂ شیوخ کی طرف۔

نمبر۲۲۔ سادہ کاری کے ذکر سے شیخ کاظم حسین سادہ کار جنھیں کنکوے بازی کی طرف بہت شغف تھا مراد ہیں۔

نمبر۲۳۔ خاں صاحب کے لفظ سے بالعموم طبقۂ خوانین اور بالخصوص وہ لوگ جن کے آباؤ اجداد کا پیشہ گری پیشہ تھا مراد ہیں۔

نمبر۲۴۔ میدان قلعہ اسٹیشن چار باغ کے دونوں طرف یعنی غرب و شرق میں ایک زمین دوز قلعے کی عمارت تھی اور اوپر کی طرف وسیع میدان وہیں کنکوّوں کے پیچ ہوتے تھے۔

نمبر۲۵۔ باناسیف بازی کی مشق کو کہتے ہیں۔

نمبر۲۶۔ لگّا، ایک لانبا بانس جس کے اوپر خشک ٹہنیاں باندھ کر اس سے کنکوّے لوٹے جاتے ہیں۔

نمبر۲۷۔ لنگر، ڈور میں اینٹ کا ٹکڑا باندھ کر کنکوے کی ڈور پھینکتے ہیں اور اس طرح لنگر میں پھنسا کر کنکوے کی ڈور کھینچ لیتے ہیں۔

نمبر۲۸۔ پاپڑ ایک باریک قسم کی روٹی ہے جو مونگ یا ماش کے آٹے سے نمک مرچ اور گرم مصالح ملا کر بیلن پر بڑے برتیار کی جاتی ہے اور آگ پر سینکنے سے کُرکُری ہو جاتی ہے۔ اسے کبھی تل لیتے ہیں اور سہال کی طرح خستہ اور لذیذ ہو جاتی ہے۔ پاپڑ کی تیاری میں چونکہ بہت محنت پڑتی ہے اس لیے پاپڑ بیلنا ایک محاورہ قرار پا گیا ہے جس کے معنی ہیں دِقّت اُٹھانا۔ پتنگ کا کاغذ بھی چونکہ بہت باریک ہوتا ہے اسی وجہ سے یہاں اِسے پاپڑ سے تشبیہ دے کر پاپڑ بیلنے کا محاورہ صرف کیا گیا ہے۔

نمبر۲۹۔ بھائی صاحب، خطاب ہے بہار مرحوم کی طرف جو ظریف مرحوم کے سمدھی تھے اور جنھیں کنکوّوں کے بنانے میں یدِ طولیٰ تھا۔

نمبر۳۰۔ مشّاق، نواب بنّے صاحب کا تخلّص ہے یہ لکھنؤ کے مشہور شاعر صاحب تلامذہ تھے یہاں مشّاق کا لفظ بطورِ ایہام صرف ہوا۔

نمبر۳۱۔ آفاق، نواب کلّن صاحب تخلّص ہے یہ مشّاق صاحب کے چھوٹے بھائی تھے اور کنکوّے بازی کے مُسلّم الثبوت اُستاد ہیں، دیں شعر میں آفاق کا لفظ نہایت خوبی سے صرف کیا گیا ہے۔ تعمیم و تخصیص

:دونوں کا فائدہ دے رہا ہے بطور ایہام۔

نمبر۳۲۔ ارا ٹا، زور شور کی بلند آواز، موقع و محل کے اعتبار سے نہایت بلیغ لفظ ہے۔

نمبر۳۳۔ نواب وثیقہ داران لکھنؤ کا طبقہ مراد ہے جنھیں پتنگ بازی کا زیادہ تر شوق تھا۔

نمبر۳۴۔ ضلع کے حاکم، سے ڈپٹی کمشنر مراد ہیں اُس وقت اِس عہدے پر مسٹر گرُن مامور تھے جو تقسیم انعام کیلئے مدعو ہوئے تھے اور اُنھوں نے منظور بھی کر لیا تھا۔ لیکن جب یہ نظم شایع ہوئی تو نہ وہ آئے اور نہ صدر صاحب جلسے میں تشریف لے گئے۔ صدر صاحب جن کے خطابات سے نظم شروع ہوئی ہے نواب حامد علی خاں صاحب ظریف مرحوم کے بے تکلف دوست انجمن تفریح الاحباب کے سکریٹری تھے۔

نمبر۳۵۔ بدھو، یہاں بمعنی بے وقوف نا عاقبت اندیش استعمال ہوا ہے۔

ضمیمہ۔ بلحاظ قد و قامت یا ساخت یا رنگ کنکوؤں کی مختلف قسمیں ہیں اِن کی پوری تفصیل مع تصویرات اور پتنگ بازی کے تمام و کمال مصطلحات اگر لکھے جائیں تو مبسوط ایک کتاب ہو جائے گی اس لیئے بطور مشتے نمونہ از خروارے چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:۔

(۱) قد و قامت۔ پورے تاؤ کا کنکوا، اکتا وا، اور چوتھائی تاؤ کم کر کے تین چوتھائی تاؤ کا کنکوا پون تاوا کہلاتا ہے۔ چھوٹے کنکوؤں کو کنکیاں کہتے ہیں یعنی دھیلچی پیسے کی دو والی دمڑچی پیسے کی چار والی پانچی بھی کنکیا کی ایک قسم ہے جو دمڑچی کے برابر ہوتی ہے اور بہت باریک ڈور پر اڑائی جاتی ہے یعنی بانے پر۔

(۲) ساخت کے لحاظ سے کنکوے سپنے دار اور جُھلجُھل دار ہوتے ہیں آخر الذکر کو ڈیڑھ کنا بھی کہتے ہیں اس لیئے اس کے کنّے کسی قدر چڑھا کر باندھے جاتے ہیں۔

(۳) رنگ کے اعتبار سے کنکوے سادے اور رنگین کہلاتے ہیں۔ سادے اپنے رنگ کے نام سے بولے جاتے ہیں مثلاً کوئل یا حبشن سیاہ رنگ کا کنکوا کہلاتا ہے۔ رانڈ یا بگلا سفید رنگ کے کنکوے کو کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ رنگین اُن کنکوؤں کو کہتے ہیں جو مفرد خواہ مرکب وضع کے بنائے جائیں اور وہ اپنی وضع کے نام سے بولے جاتے ہیں۔ مثلاً الفیہ، جمجھر، چپ، بانگ دار، وغیرہ مفرد وضع کے ہیں اور مرکب وضع کے مثلاً چپ۔ الفیہ، بانگ دار۔ چاند تارا، پتنا بڈھی دار، دو با زلو فیہ وغیرہ۔ (صفی عفی عنہ)

نظم نمبر ۳۹ — ۲۷ سنہ ۱۹ع — تعداد اشعار ۶۳

بڑھوا منگل

نوٹ۔ تفریح الاحباب کلب کے ایک ممبر کا عقد ثانی بتاریخ ۱۵ر فروری مطابق ۱۲ر شعبان سنہ ۱۳۴۵ ہجری روز سہ شنبہ عمل میں آیا تھا۔ اسی کے متعلق یہ ظریفانہ نظم ہے تفصیلی واقعات اس نوٹ میں ملیں گے جو اس نظم کے آخر میں درج ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف۔
ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

چمن میں جب گُل و بلبل سے ہو گئی تکرار
یہ رنگ دیکھنے آئی پلٹ کے فصلِ بہار

نئے شگوفے کے کھلنے سے ہو گیا ظاہر
نمو کا جوش ہے بعد خزاں یہ دوسری بار

خبر ہو عام یہ تعجیل تھی جو مد نظر
پرانے پھولوں کو گلچیں نے دے دیا اِک تار

خزاں رسیدہ گلوں کا چمن میں کام نہیں
یہاں تو گُل جدید لذیذ ہے درکار

نہ تم میں بوئے محبت نہ رنگ مہر و وفا
پھر اس سے کیا جو کبھی تھے کسی گلے کا ہار

چمن میں تیس برس تک رہے بہر صورت
خزاں کا ساتھ دیا پھر بھی تم نے آخر کار

نہ چھوڑا ایک بھی تنکا چمن سے جاتے وقت
کہ آشیانہ بناتی کہیں یہ بلبلِ زار

ہوا زمانے کی اس طرح دفعتہً بدلی
کہ آیا موسم سرما میں ابر تیرہ و تار

جو عیدِ نیمۂ شعباں کا زن سے پھسلا پاؤں
شب برات ہوئی بارھویں کو آپ کی بار

بھری ہوئی تھی جو شوقِ وصال کی بارود
تو چھوٹا صبر کے ہاتھوں سے ایک دل کا انار

وہ جھوم جھوم کے ابرِ سیاہ کا آنا
گماں گرج پہ تھا گولوں کے چھٹنے کا ہر بار

تڑپ گئی دلِ بیتاب کی طرح بجلی
بڑھو بڑھو وقنا ربنا عذاب النار

اُدھر تو ابر کو ضد تھی کہ میں برس کے رہوں
کسی کے دل میں اِدھر شوقِ دیدِ روئے نگار

یہ ہم نے مانا کہ بائیس اور چوالیس میں
ہے فرق دُونے کا جب کیجیے گا آپ شمار

سن وقوف میں لیکن وہ جوش ہوتا ہے
کہ مات کرتا ہے ہر نوجوان کو سن دار

مکاں سے جانا ضرورت میں تا امین آباد
اس ابرو باد میں تھا واقعی بہت دشوار

کمندِ زلف کا لیکن اسیر کیا کرتا
کشاں کشاں گیا اپنے مکان سے بازار

پلیٹیں لے کے پلٹ آیا شوق میں فوراً
کہ جس طرح یہ کوئی کامیاب لے کے شکار

وہ انتظار کی گھڑیاں وہ اشتیاق کا جوش
گھڑی کا دیکھنا اک اک منٹ میں سو سو بار

وہ شامِ وصل کی آمد ارے معاذ اللہ
اُسی سے پوچھو کہ جس دل میں ہو نہ صبر و قرار

غرض کہ شام ہوئی جمع ہو گئے احباب
مگر وہی کہ بلائے گئے تھے جو دو چار

پلاؤ قورمہ پھلیاں مٹر کی سیم کے بیج
غذائیں کھا چکے یہ خاص خاص جب غمخوار

کچھ ایسے بھی تھے کہ بیٹھے رہے الگ چپکے
وہ اس ولیمۂ مخصوص کے نہ تھے حق دار

خدا کا شکر کہ نوشاہ کے بلانے کو
وہ بھیگی بلی کے مانند آیا خدمت گار

پیام سنتے ہی تیار ہو گیا نوشاہ
کہ وہ تو بیٹھا ہی تھا دن رہے سے کھائے اُدھار

درِ عروس تک اس طرح سے جھپٹ کے گیا
کہ جیسے جاتا ہے شہباز کوئی سوئے شکار

وہ راہ چلنے کا کس بل تھا دید کے قابل
نکل کے میان سے جیسے چلے کوئی تلوار

دلھن کے گھر پہ جو چپکے سے آگیا دولھا
برائے نقب اندھیرے میں جیسے چور چکار

درِ امید کھلا اور گھس پڑا دولھا
متاعِ حسن جسے لوٹنا تھی دوسری بار

نکاح پڑھ دیا کشتی ملی ہوئے رخصت
جنابِ مولوی صاحب سے کیا رہا سروکار

ہوا جو آرسی مصحف تو یہ نہیں معلوم
غلام بیوی کے مرتبہ بنے سرکار

غرض رسوم یہ تعجیل ہو گئے جب ختم
زنان خانے کے اندر ہوئی یہ چیخ پکار

دلھن کے لینے کو آتا ہے گھر میں اب نوشاہ
وہ کر لیں آڑ کہ جو دُور کے ہیں ناتے دار

ابھی غلام بنے تھے ابھی بنے مزدور
ملی، سلام کرائی کے دس روپئے اُجرت
ہنسی خوشی پلٹ آیا مکان پر نوشاہ
براتی چل دیئے دولھا دلھن رہے تنہا
اُدھر سکوت کا عالم اِدھر دلِ پُرشوق
اندھیری رات وہ بے فصل کی بھری برسات
کہ خوب دیکھتے رہنا کھڑا نہ ہو کوئی چور
نہ کام آئی حفاظت مگر ہوا کھٹکا
وہ قفل ٹوٹ گیا وہ متاعِ حُسن لٹی
کلیدِ کہنہ سے اِک قفلِ نو کا کھُل جانا
وہ کیسا ہی ہو نیا قفل کیوں نہ کھل جائے
قلم سے کہہ دو کھساک جا کہ ہے گریز کا وقت
شگوفۂ چمنِ اجتہاد کی تعریف
اب اپنی راہ لے وہ ہو چکا جو ہونا تھا
وہ مانگ لے جو تجھے مانگنا ہو جلدی سے
یہی جنابِ مؤدب کا حکم تھا تجھ کو
اگر یہ وقت نکل جائے گا تو مشکل ہے
یہ عرض کر کہ خدا کے لئے نئے دولھا
مبارک آپ کو شادی ہمیں دلیمۂ عقد
کہیں گے لوگ کہ کنجڑے قصائی ہیں گیاب

دُلھن کو گود میں لے کر گیا فنس میں سوار
مثل یہ سچ ہے بھلے نقدِ نُہ تیرہ ادھار
خزاں رسیدہ چمن میں پھر آئی فصلِ بہار
کسی کا کام نہیں تخلیہ ہے اب درکار
اُدھر خموشیاں ناگفتہ بہ ادھر اظہار
یہ بار بار صدا دے رہا تھا چوکیدار
مکان والو ذرا جاگتے رہو ہشیار
گیا وہ سوئے خزانہ کوئی لئے اوزار
کسی طرف سے وہ آئی صدائے گیر ودار
اگرچہ عقل کے نزدیک تھا بہت دشوار
لگا دو ایک ہی کنجی پلٹ کے جب دو بار
کسی کے وصفِ حمیدہ کا کچھ نہ کر اظہار
تجھ ایسا خشک زباں کر سکے یہ ہے دشوار
کھڑا نہ رہ ارے مطلب کا اپنے کر اظہار
سخن میں طول دیا تو نے اس قدر بیکار
کہ مانگ کھانے کی کر فکر جلد اے نادار
دلیمہ پا نہیں سکتا ہے پھر کوئی زنہار
بس اب نہ کیجئے للہ بحث اور تکرار
پلاؤ اور مزعفر کی جس میں ہو بھرمار
مزہ پلاؤ اگر آپ نے دیا سرکار

اُنہیں کھلایئے گا کابلی مٹر نوشاہ
اُٹھا کے لائے تھے ڈولی عروس کی جو کہار

حضورِ عقد شریفوں کا یوں نہیں ہوتا
کہ ماش بھات بٹے یا مٹر پلاؤ اچار

ذلیل کیجیے نہ اس عقد کے وسیلے کو
کہ جس میں مہر بندھا ہے سُنا پچاس ہزار

مناسبت سے اُسی کی ہو صرف دعوت میں
دگرنہ دعوتِ احباب و عقد سب بے کار

یہ عرض سُن کے اگر آپ کھا بدے اُس کو
تو یاد رکھیے کہ ہم ہیچ کے ہیں نامہ نگار

ولیمہ کیوں کریں ماہِ صیام میں منظور
کہ ہم نہ زاہدِ خشک اور نہ عابدِ ابرار

بتایئے کوئی تاریخ ماہِ شعباں کی
برات اِدھر تھی ولیمہ ملے گا کیوں اُس پار

ظریفؔ ختم کر اب اپنی نظمِ لا یعنی
اُٹھا دعا کے لیے ہاتھ جلد ہو تیار

الٰہی شب سے ہے جب تک سحر کا گٹھ بندھن
کسی کی قوّتِ شہوانیہ نہ ہو بے کار

حدودِ شرع میں تکرارِ عقد ہو اِس طرح
کہ ایک ایک سے دو، دو سے تین، تین سے چار

نوٹ۔ انجمن تفریح الاحباب جو لکھنؤ میں ظریفؔ مرحوم اور ان کے بے تکلف دوستوں نے غم غلط کرنے کے لیے قائم کی تھی اس میں ایک اچھے خاصے ادھیڑ چوالیس برس کی عمر کے دوست تھے جن کی بیوی بھی موجود تھیں اور جوان اولاد بھی۔ میاں بیوی کے درمیان سنّ کہولت کے عالم میں شیطان نے کچھ ناچاقی کرا دی کہ بیوی بال بچّوں سمیت گھر کا کل اسباب سمیٹ سماٹ کے اپنے میکے چل دیں اور مدّت تک وہیں رہیں۔ میاں انتقام کے جوش میں میدان خالی پا کر دوسری شادی کا اقدام کر بیٹھے۔ ظریفؔ مرحوم نے نیابتہً کل بے تکلف احباب کی طرف سے مزاحًا دعوتِ ولیمہ کا تقاضا اس نظم کے ذریعے سے کیا۔ نظم اگرچہ مخصوص واقعے سے متعلق ہے مگر حیاتِ انسانی اور معاشرت واصلاحِ اخلاق سے اس کو بہت تعلق ہے اِسی نظر سے یہ منظرِ عام پر لا کر اہلِ دنیا کے سبق سکھانے کے لیے پیش کی جاتی ہے۔ شادی اتفاق سے منگل کے دن بتاریخ

۱۵ فروری ۱۹۲۷ء مطابق ۱۲ شعبان ۱۳۴۵ھ ہوئی تھی بارش بھی ہو رہی تھی۔ اسی مناسبت سے اس کا نام بڑھوا منگل رکھا گیا نظم کے اندر واقعات کی صراحت شاعرانہ لطافت و ظرافت کے ساتھ موجود ہے۔ اس لیئے اسی قدر نوٹ اُس سے لطف اندوز ہونے کے لیئے کافی ہے جناب مؤدب کا دعوت ولیمہ کی فرمائش کرنا بھی ایک نئے محل اور عنوان سے اس میں ظاہر کیا گیا ہے۔

(صفی عفی عنہٗ)

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۴۰ — ۲۷ ستمبر ۱۹ء — تعداد اشعار ۲۲

البعیر

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

ناقۂ لیلیٰ کے بچے اے بعیرِ ذی وقار — قومِ شیعہ تیرے استبداد کی دُم پر نثار

تیرے چہرے سے نمایاں اک شرارت کی شبیہ — خود نمائی جس کا شیوہ سرکشی جس کا شعار

تیری آنکھیں بحرِ عیاری کے گویا دو حباب — کان جن میں کلمۂ حق کی صدائیں ناگوار

اُمِ صبیاں سے زیادہ تیرے تھوتھن کی گرفت — پنجۂ دستِ قضا کے مثل وقتِ گیرودار

دانت تیرے پنجۂ موذی سے بڑھ کر سخت گیر — ناک میں تیری دکھانے کو شریعت کی مہار

کیا دولتی جھاڑتا ہے مظلموں کو لاد کر — فطرۃً سرکش ہے تو لیکن بظاہر بُردبار

اپنی کبڑی پیٹھ پر لادے ہوئے قومی حقوق — کتنے اطمینان سے چلتا ہے تو مستانہ وار

زینتِ گردن تری کُل قوم کی لعنت کا طوق — اس سے ظاہر ہے کہ تو نے کھو دیا سب اعتبار

دیکھنے میں کس قدر سیدھا ہے تو اے زرد رُو — کج روی سیکھا ہے تجھ سے ابلقِ لیل و نہار

قوم کو باہم لڑا دینے میں تیری ذات فرد — میرے قومی اونٹ اے جنابِ جمل کی یادگار

بال میں اک باندھ کر تو نے جو لٹکائی تھی تیغ — اتفاقاً چل گیا اُس کا تری گردن پہ وار

ڈال دی انجام بینی سے حکومت نے نکیل — جا رہا تھا ورنہ تو گردن اُٹھائے بے مہار

پیٹ تیرا قوم کی گاڑھی کمائی کے لیے — وقف ہے کھا کر نہیں لیتا کبھی تو اک ڈکار

تو جو امرد ہے کا کانٹا بے تکلف چر گیا — تہِ معدہ میں چھپا تیرے کر دہی انجام کار

بلبلاتا ہے شتر خانے میں بے چینی کے ساتھ — گرد تیرے جمع بیسوں ساربانِ غم گسار

کوئی آیا ہے سہارن پور سے لے کر دوا — تیل رینڈی کا پلا نے منہ کے اندر دے کے نار
اور کوئی خاکِ شفا تجھ کو چٹانے کے لئے — چپکے چپکے پڑھ رہا ہے کچھ دعائیں بار بار
کوئی خالی نیم کی ٹہنی ہلا کر دُور سے — کہہ رہا ہے کھا بھی جا نخرہ نہ کر لے بدشعار
کوئی کہتا ہے اسے لے جاؤ پٹنہ اسپتال — ورنہ اس کی زندگی کا اب نہیں کچھ اعتبار
اور کوئی پنجاب سے آیا ہے گھبرایا ہوا — مال و زر اپنا مدادا پر ترے کرنے نثار
کوئی کہتا ہے کہ اس کو نحر کرنا چاہیئے — عیدِ قرباں کو حسین آباد میں لے جا کے پار

الغرض ہیں جتنے مُنہ اُتنی ہی باتیں مختلف
اختلافِ باہمی میں کس پہ کیجے اعتبار

نوٹ۔ ظریف مرحوم نے ۱۹۲۷ء میں یہ نظم اخبارات کے مضامین سے متاثر ہو کر نیز اپنے تجربوں اور معلومات کی بنا پر استعارات کے پیرائے میں لکھی ہے۔ خود شتر و شتر سیرت اور شتر قامت انسان میں جو مشترک خوبیاں شاعر کے خیال میں تھیں اُن کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض آدمی عیّاری میں لومڑی بعض شقاوت میں بھیڑیئے ہوتے ہیں بعض مار آستیں ہوتے ہیں اُسی طرح قومی معاملات میں کوئی صاحب اونٹ کے صفات سے بھی متصف ہو سکتے ہیں۔ ظریف مرحوم زندہ نہیں کہ اُن سے دریافت کر کے یہ عقدہ حل کیا جائے کہ وہ قومی اونٹ جس پر جنگ جمل کی یادگار ہونے کا فخر کیا گیا ہے وہ اب کس کے قبضے میں ہے۔

وقف حسین آباد لکھنؤ میں پہلے بقر عید کے دن ایک اونٹ بھی نحر کیا جاتا تھا اب اس واقعے کو لوگ بھولتے جاتے ہیں اس حیثیت سے یہ نظم لکھنؤ کے تاریخی واقعے سے بعنوانِ دلچسپ وابستہ ہے۔

(صفیؔ عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۱۴۱ | ۲۸ سنہ ۱۹ ع | تعداد اشعار ۲۴

چوپائی ہوا

نوٹ اس نظم کا عنوان خود بتا رہا ہے کہ اس کا تعلق کسی ایک خاص واقعے سے نہیں ۲۸ سنہ ۱۹ع اور اس کے قریب ماقبل زمانے میں جو ہندوستان اور ہندوستان کے مسلمانوں خصوصاً شیعوں کی دلچسپیوں کے خاص اشغال تھے اُن میں سے بعض کا ذکر اختصار سے اس طرح کر دیا گیا ہے کہ اس سے خاص خاص طبقوں اور افراد، قومی رہبروں اور پیشواؤں کے دلی منصوبے اور جذبات آشکار ہوتے ہیں۔ سائمن کمیشن سے عدم تعاون، خلافت کے لیئے علی برادرس کی گرماگرمی اور گاندھی جی کے اصول و مظاہرات میں ہم آہنگی۔ ہندوستان میں شاہ کابل کی آمد۔ انجمن خدام کعبہ کا قیام اور ابن سعود کے مظالم سے تنگ آ کر حج کے لیئے لوگوں سے کچھ لوگوں کا مانع ہونا اور کچھ لوگوں کا سعودی ایجنٹ کی حیثیت سے ابن سعود کے حسن انتظام کا پروپیگنڈا کرنا۔ اسی زمانے میں جناب باقر العلوم مجتہد العصر اعلی اللہ مقامہ کا کربلائے معلےٰ میں انتقال فرمانا۔ اور کچھ لوگوں کا ہندوستان میں تابوت نکالنا اور اُن کے غم میں شغف۔ اور دیگر تاریخی حالات سے جس طرح طبائع پر اثر تھا ان سے متاثر ہو کر ہدایت اور مفادِ قومی کے لیئے خاص عنوان سے یہ نظم ترتیب دی گئی ہے۔ اور اس میں اظہارِ واقعات نہایت خوش اسلوبی سے کیا گیا ہے

(صفی عفی عنہ)

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

یوں کمیشن کا تماشا روز دیکھا کیجیئے — ملک کے دلال بنیئے اور جھگڑا کیجیئے
اک طرف قومی محبت اک طرف شوقِ بلاد — جانِ مضطر کشمکش میں پڑ گئی کیا کیجیئے
جب تصادم منفعت میں ہو نتیجہ الفراق — اتحادِ باہمی کا راگ گایا کیجیئے
اَب ہوا اگلی سی بندھنی ہے ذرا مشکل حضور — کچھ نہ ہوگا جایئے پنکھا ہلایا کیجیئے

کچھ نشاں باقی نہیں قشقہ پرانا ہو گیا
چل کے پنڈت جی کے اب قدموں پہ سجدہ کیجیے

پھینکیے کھدّر کا اب تھیلا پرانا ہو گیا
ڈال کر زنّار کو گردن میں گھوما کیجیے

بن پڑے ہندو سبھا کے بنیے اب دھان آپ
جنم بھومی میں گئو ماتا کی رکشا کیجیے

شاہِ کابل آئیں جب لے جائیے زرتار ہار
اور اس صورت سے اظہارِ تمنّا کیجیے

ما مسلمانانِ ہندستاں غریب و مفلسیم
یعنی کچھ دلوائیے بھوکوں سے سودا کیجیے

آیۂ لَا تَقنَطُوا مِن رَّحمۃِ اللہ سن چکے
پیار کرنے پر تو اس سن میں نہ رویا کیجیے

بھیجیے حاجی سہالک کا زمانہ آ گیا
آپ تو خدّامِ کعبہ ہیں اسے کیا کیجیے

آپ کی تو دل لگی اور قوم کا نقصان ہے
جائیے ہڑتال سے گنجی نہ چندا کیجیے

اس میں کیا رکھا ہے اس میں بھی تو ملنے کی امید
از سرِ نو پھر سعودی پر پلنڈا کیجیے

کیجیے ہنس ہنس کے کیوں ہم غمزدوں پر اعتراض
غم بنا دیتا ہے دیوانہ یہ سوچا کیجیے

آپ کہتے ہیں کہ ہے افراط و تفریط عیب
غم سہی لیکن توازن کچھ تو رکھا کیجیے

خاص آلِ عبا کے غم میں جو مخصوص تھا
عالمِ دیں کے لیے کیوں اس کا چرچا کیجیے

جعفری مذہب پہ رہیے اور رکھیے اعتدال
جوش میں اک باقری مذہب پیدا کیجیے

سنیے حضرت آپ کا کہنا بجا ہو یا نہ ہو
یہ عوام الناس جب سمجھیں نہ پھر کیا کیجیے

سب ہیں جاہل عالمانِ دیں کو یہ معلوم ہے
کیا نہ کیجیے جب کوئی مر جائے اور کیا کیجیے

ہم تو شیعہ ہیں ہمیں اتنا فقط معلوم ہے
ہے ثواب اس میں فقط رو یا رلایا کیجیے

جب نکل جاتے ہیں آنسو پھر نہیں رہتا ہے جوش
ہم کو اطمینان ہو جاتا ہے پھر کیا کیجیے

ہم مقلّد عالموں کے ہیں انھیں کا ہے یہ حکم
ہو نجس جو چیز اس کو خوب غوطا کیجیے

نفسِ امّارہ ہے شیطاں اور شیطاں ہے نجس
آنسوؤں سے ہم اسے دھوتے ہیں دیکھا کیجیے

جوشِ دقتی ہے بلا کا ہم ہیں اے بندہ نواز
آپ کیا جانیں اسے ہرگز نہ روکا کیجیے

نظم نمبر ۴۲ | سنہ ۱۹۲۸ء | تعداد اشعار ۲۸

دعوتِ بھوپال

نوٹ۔ ظریف مرحوم حیدرآباد دکن گئے تھے وہاں سے واپسی میں اپنے ایک دوست اقبال حسین صاحب کے اصرار پر بھوپال میں دو چار دن ٹھہر گئے اقبال حسین صاحب وہیں بھوپال میں ملازم تھے جب وہاں کے لوگوں کو اُن کے آنے کی خبر ہوئی تو سلام الدین صاحب (علیگ) چیف جج ہائیکورٹ اور دیگر حضرات نے بڑی دھوم دھام سے اِن کی دعوت کی اور بھوپال کے اہل ذوق اور عمائد کو مدعو کیا۔ اسی موقع پر یہ نظم بطور ڈنر اسپیچ پڑھی گئی۔ (صفی عفی عنہ)

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف — ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

ظریف آئے دکن سے پلٹ کے جب بھوپال
پسند کی پھر اقامت بخانۂ اقبال

یہاں پہونچ کے ملی جھٹ پٹ انھیں یہ خبر
ہے چیف جسٹس بھوپال کی طرف سے ڈنر

وہ چیف جسٹسِ ذی جاہ معدلت آرا
کہ جن کے عدل کا بجتا ہے چارسو ڈنکا

زمانہ بسکہ ہوا نورِ عدل سے معمور
ہوئی ہے ظلم کی ظلمت جہان سے کافور

خلیق ایسے جو گویا کہ ہیں مجسّم خلق
مسلم اُن کی کرم گستری مسلّم خلق

سجا ہے میز کو ہر ایک میہماں کے لیے
"صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے"

وہاں شریکِ ڈنر پنچ دربار کل ہوگا
بلند چار طرف تہنیت کا غل ہوگا

سبھی تو خوش ہیں مسرت کسے تباؤ نہیں
کہ پہلے جج تھے ہیں اب چیف جج سلام الدین

جو چیف جسٹس سابق تھے ہیں مشیر مہام
خدا کا شکر لیاقت ہے بس اسی کا نام

ہے اِن کی ذات بھی مجموعۂ صفاتِ اتم
وہ ماہِ برج ترقی وہ دُرِّ دُرجِ کرم

تمھیں بھی شرکتِ دعوت کی دی گئی ہے نوید
فروغ ذرّے کو دے چاہتا ہے یہ خورشید

سجی ہوئی تھی تکلّف سے میز کھانے کی
اُسی طریق سے جو رسم ہے زمانے کی

کباب قورمہ قلیہ پلاؤ بورانی
ہزاروں نعمتیں فہرست جن کی طولانی

جسے بھی میز پر جس چیز کی ہوئی خواہش
نظر کے سامنے فی الفور آگئی وہی ڈش

تمام چیزیں بکثرت غرض وہاں موجود
طعام کھا کے کیا دل نے شکرِ ربِّ ودود

کھڑے ہوئے ڈنر اسپیچ کو ادھر احباب
نکالی جیب سے میں نے بھی مختصر سی کتاب

غذا کے بعد ظرافت کا چاہیئے چورن
کریں پسند اگر صاحبانِ ذوقِ سخن

برنگ خاص پڑھوں چند برمحل اشعار
کہ سُن کے وجد میں آجائے ہر در و دیوار

غزل

بحر مضارع مثمّن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف
ارکان مفعولُ فاع لات مفاعیلُ فاع لات یا فاعلن

ٹیبل پہ ساز و برگ کُلو و اشربو ہے آج
مثلِ زباں ضیافتِ کام و گلو ہے آج

اللہ رے سیلِ اشربہ و اطعمہ کا زور
زاہد کے دل کو خوفِ شکستِ وضو ہے آج

جی چاہے جتنا کھائیں مگر کم نہ ہوگی ڈش
سنگین اغذیہ میں وہ جوشِ نمو ہے آج

کایا پلٹ گئی ہے ڈنر سے زمانے کی
وہ بھی ہے شیرِ نر جو کوئی مادہ رو ہے آج

کہتی ہے بوسہ لے کے کسی لب کا شیرمال
مجھ سے زیادہ کون بھلا سُرخ رو ہے آج

دعوت ہے بیخ و بار کی داعی ہیں چیف جج
بھوپال بھر میں دھوم یہی چار سو ہے آج

مہماں نوازیوں کا کہاں تک ادا ہو شکر
بندہ رہیں لطف و کرم مو بمو ہے آج

چیں بر جبیں ہے صحتِ دندانِ مست ہیں
زاہد سے بڑھ کے کون بھلا بانگرو ہے آج

ڈش مدعی بنامِ شکم مدعا علیہ
دائر مقدمہ ہے زباں چارہ جو ہے آج

کھائی ہیں پیٹ بھر کے عجب نعمتیں ظریف
منّت پذیر ہر نفسِ مشک بو ہے آج

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۴۳ — اکتوبر ۱۹۲۸ء — تعداد اشعار ۲۰

نشترِ غمزہ

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ہمیشہ اک نہ اک دینے نیا آزار بیٹھے ہیں
جہاں بھی صدر بن کر قوم کے غدار بیٹھے ہیں

لگائیں گے یہ بیڑا پار کیا کشتی ڈبو دیں گے
جو قومی ناؤ کھینے تھام کر پتوار بیٹھے ہیں

خدا رکھے یہ ہم شیعوں کے ٹھہرے چارلی چیپلن
نیا اک پارٹ دکھلانے بہت ہشیار بیٹھے ہیں

اسی کو لوگ کہتے ہیں شریعت کا نشترِ غمزہ
ڈرامیٹک کلب میں باندھ کر دستار بیٹھے ہیں

وہی ہے پاؤں میں اُن کے پرانا بوٹ ڈاسن کا
نیا پاجامہ گو پہنے ہوئے بردار بیٹھے ہیں

خلافِ شرع ہے شعر و سخن تک شیعوں کا جن میں
ڈراما سیکھنے سرکارِ فیض آثار بیٹھے ہیں

یہ فعل مستحب ہے اور وہ لہو و لعب ٹھہرا
تھیٹر سے یہ خوش فٹ بال سے بیزار بیٹھے ہیں

سیاست کا ڈراما اک نیا تصنیف فرما کر
ریہرسل کے لئے اطفال کے غمخوار بیٹھے ہیں

سکھانے آئے ہیں یہ ایکٹ لڑکوں کو سیاست کا
وہ دیکھو صدر میں ایکٹرس کے سردار بیٹھے ہیں

کمیشن کے نئے ہر مونیم کا ماسٹر سمجھو
جو قومی گت بنانے کے لئے تیار بیٹھے ہیں

یہ آگے بڑھ کے طبلے کے عوض ڈمبک بجائیں گے
تھیٹر میں ابھی ہڑتال سے بیزار بیٹھے ہیں

اسی کا نام ہے بگلا بھگت کتنے مقدس ہیں
جو چھوٹی مچھلیوں میں بن کے بوتیمار بیٹھے ہیں

کمیشن کی خبر سن کر بہت مسرور ہیں دل میں
نئے دلّال لینے کے لئے تیّار بیٹھے ہیں

انھیں پر لیڈروں کی انگلیاں اُٹھتی ہیں محفل میں
وہ دیکھو سائمن صاحب کے خدمت گار بیٹھے ہیں

ہوا تھا لکھنؤ میں ہندو مسلم کا جب جھگڑا
یہ بن بن کر اشدّاءُ علی الکفّار بیٹھے ہیں

نثار اس جامہ زیبی کے گئے تھے جب یہ بہرائچ
ڈفالی کہتے تھے وہ سیدِ سالار بیٹھے ہیں

نشترخانہ بنے گا ناقہ کلج کا سنتے ہیں
اسی سے لکھنؤ میں جم کے ٹھیکہ دار بیٹھے ہیں

بہت خفیہ عظیم اللہ خاں سے اِن کا رشتہ ہے
وصیّت نامہ کی رو سے یہی حق دار بیٹھے ہیں

حسین آباد، ہم جنسوں کو اِن کے تحفہ کرتا ہے
یہ اُن کا خوں بہا لینے کو اب تیّار بیٹھے ہیں

ذرا دیکھو تو وہ خم خانۂ وقفی کے متوالے
شرابِ تولیّت کے شوق میں سرشار بیٹھے ہیں

غلط بالکل غلط الوقف لا یملک کے کیا معنی
ابھی تو زندہ کل اوقاف کے حق دار بیٹھے ہیں

اُنھیں مہرہ سمجھیے اک بساطِ شیعہ کالج کا
جو اُٹھ کر قرعہ اندازی سے سو سو بار بیٹھے ہیں

بیاسی جو نچ کھولے وادیٔ پُرخارِ قومی ہیں
بولوں پر اِنھیں کے طالبِ دیدار بیٹھے ہیں

انھیں کا سر ہر اک رخنے سے شیعوں کے نکلتا ہے
اَلگ جو سب سے گنڈلی مارے مثلِ مار بیٹھے ہیں

نظر گِد کی طرح پر کس قدر ہے دُوربیں ان کی
نہیں ٹلتے جہاں پر دیکھ لیں مُردار بیٹھے ہیں

انیلے ہیں یہ شوفر قوم سے لڑ جائے گی موٹر
چلانے درسگاہِ مغربی کی کار بیٹھے ہیں

قریبِ کربلا کالج کی میّت دفن کرنے کو
وہ دیکھو مردہ شو لاشہ لیے اُس پار بیٹھے ہیں

ہماری رونے والی قوم کو ہنسنے سے کیا مطلب
لیے پہلو میں اک اک سب دلِ بیمار بیٹھے ہیں

یہ کہتے ہیں سُنا تو نے اَرے او ناصحِ ناداں
پتے کی بات کہنے پر ہم اکثر مار بیٹھے ہیں

"نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لے اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سُوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں"

نوٹ۔ اس نظم میں ظریف مرحوم نے حضرتِ انشاء علیہ الرّحمہ کے شعر کی تضمین کی ہے اور بطورِ شہر آشوب مختلف واقعات کی طرف اس میں اشارہ کر دیا ہے جو اُس زمانے میں وقوع پذیر ہوئے۔ مثلاً شہر لکھنؤ کے محلہ میدان ایلچ خاں میں عرصے سے ایک مذہبی ڈراما ربیع الاول کے مہینے میں ہر سال ہوتا تھا مگر ایک سال لمبے لمبے ڈگ بڑھا کر شاید کسی بزرگ نے پہلے اس کی مخالفت کی کہ وہ بند ہو جائے مگر بند نہ ہوا۔

اسکے انعقاد کی اجازت حاصل ہونے پر بعض حضرات نے بر بنائے خلوص بہ نظر ثواب اونٹ پر بیٹھ کر اشتہارات جلسہ تقسیم کیئے چنانچہ جلسہ منعقد ہونے پر وہی بزرگ جو پہلے مخالف تھے ڈراما ملاحظہ فرمانے اور داد سخن دینے آکر شریک ہو گئے۔ یا اُس زمانے میں سائمن کمیشن کا ہر جگہ بڑا چرچا تھا۔ بات بات میں اس کا ذکر آجاتا تھا۔ اس نظم میں ضمناً اس کی طرف بھی اشارہ ہے یا کچھ پہلے لکھنؤ میں ہندو مسلم بلوہ بڑے شد و مد سے ہوا تھا جس میں ایک کمیٹی کے ذریعے سے ہندو اور مسلمان لیڈروں کی مدد سے تصفیے اور سمجھوتے کا انتظام کیا گیا تھا جس میں بابو بشیشر ناتھ صاحب ایڈوکیٹ سابق چیف جج نے ہندوؤں اور خان بہادر مولوی سید مہدی حسن صاحب نے مسلمانوں کی حمایت میں بہت حصّہ لیا تھا اور دیگر ہنود اور مسلمانوں نے بھی بڑی سرگرمی دکھائی تھی اس کا بھی تذکرہ ہے۔

یا بعض لوگوں کو یہ بدگمانی تھی کہ شیعہ کالج جس کی عمارت کربلائے نصیر الدّین حیدر بادشاہ مرحوم کے قریب ہے اُس کا انتظام اچھا نہیں ہے اور وہ اندیشہ کرتے تھے کہیں یہ فنا نہ ہو جائے اس کی طرف بھی اشارہ ہے۔ یا وقف حسین آباد میں بقر عید کے موقع پر پہلے ایک اونٹ بھی نحر کیا جاتا تھا۔ اُس رسم کا بھی ذکر ہے۔ الختصر اسی طرح کے قومی منتشر افکار اور خیالات کی اس نظم میں شیرازہ بندی کی گئی ہے۔ اور یہ نظم گویا ظریفانہ انداز میں ایک خیالی یا واقعاتی جیسا بھی سمجھا جائے کارٹون ہے جس کی بنیاد خلوص دل اور قومی جذبات پر ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۱۴۴ — سنہ ۱۹۲۸ء — تعداد اشعار ۶۴

کچا چٹھا

نوٹ: مولوی سیّد علی گوہر صاحب نقوی نصیر آبادی نے علماءِ مجتہدین لکھنؤ کے متعلق ایک پمفلٹ ۱۹۲۸ء میں شایع کیا تھا جس میں تفصیلی کمزوریاں اُن حضرات کی دکھائی گئی ہیں۔ چنانچہ اُسی کی تائید میں ظریف مرحوم نے یہ اصلاحی نظم لکھ کر اودھ پنچ میں شایع کرائی۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر خفیف مسدس مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

رحم کر رحم ایزدِ غفار — کہ نمایاں ہیں قحط کے آثار

تو ہی اس ظلم کو جانتا ہے خبیر — کیوں ہوا ابر مُردہ ابرِ مطیر

آیا دنیا میں کون سبز قدم — ہے نحوست سے جس کی یہ عالم

چھا گیا لکھنؤ پہ سنّاٹا — ہو گیا پانچ سیر کا آٹا

اَب محرّم کا بھی زمانہ گیا — حصّوں کے ساتھ آب و دانہ گیا

رحم شیعوں پہ کر مرے معبود — لکھنؤ میں ہیں جس قدر موجود

سب کے حالِ دروں کا تو دانا — کون کافر ہے کون مولانا

خاص وہ بندگانِ نیک و سعید — لکھنؤ والے عالموں کے مُرید

فکرِ دنیا سے کر اُنھیں آزاد — مِل کے سب گھر ترا کریں آباد

مسجدوں میں قیام ہو اُن کا — وہ ہوں اور پیش امام ہو اُن کا

یوں سویرے اُٹھیں کہ دِن نہ چڑھے — بجماعت ہر اک نماز پڑھے

ہو ہر اک اِن میں صاحبِ خیرات — علما پائیں تا کہ خُمس و زکواۃ

پھر وہ دِن ہو کہ گاڑی گھوڑے آئیں — عاقبت کے مکاں پہ جوڑے آئیں

من و سلوی کی طرح بھیج کریم ۔۔۔ خوان توروں کے پھر بہ لطفِ عمیم
نہ شریعت کدے سے کوئی ہٹے ۔۔۔ سب کو حصۂ رسد پلاؤ بٹے
نفع اپنوں کا ہو بلا پس و پیش ۔۔۔ اوّلاً خویش بعدہٗ درویش
جس قدر مانتی ہیں انجمنیں ۔۔۔ یارب اُن کی وہ خیر خواہ بنیں
یہ فنس پر جہاں جہاں پہونچیں ۔۔۔ اِن سے پہلے کیپٹال پہونچیں
کسی مجلس میں جب ہو اِن کا ورود ۔۔۔ تا فلک جائیں نعرہ ہائے درود
ہو سلامی درود خوانی سے ۔۔۔ لوگ پہچانیں اس نشانی سے
کہ اِنھیں پر ہے شرع و دیں کا مدار ۔۔۔ شیعوں کے ہیں یہی سپہ سالار
اُشترِ قوم ہو گیا طالح ۔۔۔ بہرِ ارواح ناقۂ صالح
یہ جلوسوں میں سربلند رہے ۔۔۔ کام اس کا کبھی نہ بند رہے
اس کے کوہانِ فضل پر یارب ۔۔۔ جلوہ افروز رایتِ مذہب
وقف کی نان لنگری کا شُتر ۔۔۔ لکھنوی حوضِ اجتہاد کا کُر
رہے یوں ہیں بھرا پُرا یارب ۔۔۔ کہ ہے مومن بڑا اکھرا یارب
اپنی محنت کے دام پایا کرے ۔۔۔ اونٹ گاڑی یوں ہیں چلایا کرے
ہے رواں اُس کے دم سے جو پہیّا ۔۔۔ اس قدر تیز جس قدر پہیّا
نام کا شیعوں کے جو کالج ہے ۔۔۔ ہے وہ بیمار یہ معالج ہے
عربی کا وہ جامعہ بن جائے ۔۔۔ بی۔ اے۔ ایم اے۔ بی کی اُس سے اُلجھن جائے
وہ رہے عالموں کے پنجے میں ۔۔۔ نہ دبے منعمی کے شکنجے میں
فنڈ پر اُن کو اختیار رہے ۔۔۔ قوم کو صرف اعتبار رہے
صرف ہوں اُن کے ہاتھ سے نو لاکھ ۔۔۔ تاکہ قائم رہے سبھوں کی ساکھ

رات ہو شب برات اور دن ہو عید
اُمنا اُن کی سب کریں تقلید

رکھیں نوکر ٹرسٹیانِ اجمیر
کالج مشرقی میں اپنے نصیر

آنکھ بھر کر اُسے نہ دیکھنے پائے
قوم کو ایسی گہری نیند آ جائے

پمفلٹ جو لکھیں علی گوہر
یارب اُس کی کسی کو ہو نہ خبر

سب وہ بارش میں بیل کر رہ جائیں
پاٹے نالے میں یا تو سب بہ جائیں

ہم جنھیں کہتے ہیں فرشتہ خصال
اُس میں لکھا ہے اُن کا کچا حال

میرے مالک تری دہائی ہے
گھر کے بھیدی نے لنکا ڈھائی ہے

یہ شریعت کے خون کا بے کار
بدلا لیتے ہیں بن کے کیوں مختار

یہ تو خط کش تھے کر دی فوج کشی
دیکھ کر مومنوں پہ چھائی غشی

واعظ خوش بیاں بڑے عالم
صرف ایماں اُنھیں کا تھا سالم

ہو گئے دفعتہً وہ اخباری
ہوئی اُن کو نئی یہ بیماری

کر دیا جاری آپ نے اخبار
اُن کو مطلب کے مل گئے اک یار

کمپنی کا تھا تجربا جن کو
اور ادارت کا ادعا جن کو

کاغذی جو اُڑا کے طیارہ
گھومے ہر سمت مثلِ سیارہ

جن کو اک جا کبھی قرار نہیں
اور لوگوں کو اعتبار نہیں

مثلِ سیماب یہ رہے بے تاب
گئے کلکتے اور کبھی پنجاب

گہہ جون پور، بادلِ ناشاد
لکھنؤ گاہ، گاہ فیض آباد

جو بھی اخبار اِن کے ہاتھ آیا
اُس نے اپنے کیے کو بھر پایا

حوصلے اب نکالیں گے دل کے
پشت پر رہ کے ایک کابل کے

کچھ نہ دیکھیں گے یہ نہ بھالیں گے
دیکھ لیجے گا گو اُچھالیں گے

دیکھئے دیکھئے جوان مردی — پہلے ہی چوٹ اپنوں پر کر دی
خاندان ہی سے اب تو آ پڑی بات — سچ تو یہ ہے بڑوں کی ہے بڑی بات
اور ہنکوا دیئے اناڑی سے — اپنے ہی کچلے اونٹ گاڑی سے
راہبر اِتنا بد حواس ہوا — اس پہ نفرت کا ووٹ پاس ہوا
کس قدر جلد انقلاب آیا — بعد خوشنودی کے عتاب آیا
پہلے دکھلائی جاتی تھی جو سند — ہائے افسوس ہو گئی وہ رد
اس سبق کو ہمیشہ رکھیے یاد — یعنی اُستاد پھر بھی ہے اُستاد
دوسرے کیوں ہوں مورِدِ الزام — کر گئی اُلٹی سیفی کام تمام
تیری رحمت کو جوش آ جائے — میرے واعظ کو ہوش آ جائے
بہر ازواج خاصگانِ کبار — دشمن اِن کے کبھی نہ ہوں بیمار

وہ رہیں یوں ہی چاق اور چو بند
اُن کو یا رب نہ پہونچے کوئی گزند

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۱۴۵ — سنہ ۱۹۲۹ء — تعداد اشعار ۲۲

شکوۂ فقیرانہ

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف — ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

یہ کارڈ آج ملا ہے قصیدہ خوانی کا — سلیم پور میں محفل ہے کل بصد تنویر

لکھا ہے مصرعِ طرحِ مقاصدہ اُس میں — "ہے عید نیمۂ شعبان" جوابِ عید غدیر"

کوئی مشین ابھی تک نہیں ہوئی ایجاد — قصیدہ ڈھل کے نکل آئے جس سے بے تاخیر

اسے صلائے سمرقند ہم نہ کیوں نہ سمجھیں — نہ شکوہ سنج ہو کیوں کر دلِ وفا تخمیر

غریب خانے تک آ کر کبھی تو عزت دی — کبھی ادائے تغافل سے کی گئی تحقیر

ہم اپنے آئینۂ دل میں رکھیں گے محفوظ — اب ایک خُلقِ مجسم کی دُورخی تصویر

ہمارے آپ کے ملت کی کون سی صورت — کہ آپ راجہ مہاراجہ ہم غریب فقیر

ہوئے جو موقعِ شادی پہ ہم نظر انداز — یہی سبب تھا کہ سمجھے ہمیں حضور حقیر

نہ ہم سے نیوتے کی اُمید تھی نہ زینت کی — نہ ہم تعلقہ دار اور نہ صاحبِ جاگیر

نہ جج نہ ڈپٹی کلکٹر نہ کوئی بیرسٹر — نہ ایڈوکیٹ نہ مختار ہم نہ کوئی مُشیر

ریفارمر ہیں نہ ہم قوم کے کوئی لیڈر — نہ یہ اُمید گورنر کے ہم بنیں گے وزیر

نہ کنڈی ڈیٹ نہ ووٹر نہ ہم کوئی ورکر — نہ ہم کو یاد الکشن میں جنگ کی تدبیر

عمامۃ العلماء اور نہ جُبّۃ البرکات — نہ مجتہد ہیں نہ مُلّا نہ ہم مُرید نہ پیر

نہ حاذق الحکماء اور نہ ہم سول سرجن — نہ کوئی عاملِ کامل نہ صاحبِ اکسیر

نہ کانگرس سے ہے مطلب نہ لیگ میں شامل — نہ صدر بن کے کمیٹی میں کی کبھی تقریر

نہ کونسلوں کے ایم ال سی، نہ کے سی - ایس آئی
کہ جن پہ ختم ہے دنیا کی عزت و توقیر

نہ ہم ہیں خان بہادر کہ احترام ہو فرض
نہ ہم پہ اُتری ہے لندن کے چرخ سے تشہیر

ہم ایسے گوشہ نشینوں سے آپ کو مطلب
اُنھیں بلائیے شہرت ہو جن کی عالمگیر

انھیں کو کیجیے مدعو قصیدہ خوانی میں
جو لوگ صاحبِ دولت ہوں یا امیر کبیر

ہم اپنی کملی میں خوش ہیں ہمیں پسند نہیں
وہ صحبتیں کہ جہاں ہوں دوشالۂ کشمیر

پلاؤ کے نہیں بھوکے ہیں اب بھی وہ سادات
کہ جن کے جد کی خورش تھی ہمیشہ نانِ شعیر

حضور تو علوی ہیں یہ جانتے ہوں گے
کہ تھا غریبوں سے کیا مسلکِ جنابِ امیرؑ

ظریفؔ تلخ نوا کا قصور کیجیے معاف
اگر خلافِ طبیعت ہو شوخیٔ تحریر

نوٹ - لکھنؤ سے دس بارہ کوس پر ایک ریاست سلیم پور ہے جہاں کے راجہ صاحب احمد علی خاں علوی نہایت خلیق، حکّام رس اور قومی ہمدرد ہیں۔ اُن کے یہاں نیمۂ شعبان کے موقع پر ایک خاص منتخب صحبت ہوتی ہے اس میں قصیدہ خوانی کے لئے مثل اور شعرا کے ایک اطلاعی کارڈ مع مصرع طرح کارپردازانِ ریاست نے ظریفؔ مرحوم کو ایک روز پیشتر بھیج دیا تھا لیکن اس سے کچھ پہلے کتخدائی دختر راجہ صاحب کی جو تقریب ہوئی تھی اور جس میں بعض بعض معمولی لوگوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا اس موقع پر معلوم ہوتا ہے کارپردازوں کی فروگذاشت سے اُن کو یاد نہیں کیا گیا۔ ظریفؔ مرحوم نے ایک اخلاقی فریضہ سمجھ کر اصلاحی نقطۂ نظر سے شکوہ مخلصانہ کے طرز پر یہ نظم لکھ کر بھیج دی تھی۔ (صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۴۶ — ۲۰ مئی ۱۹۲۹ء — تعداد اشعار ۲۱

نخلِ آب رسانی

نوٹ ۱۹۲۹ء میں واٹر ٹیکس (محکمۂ آب رسانی) لکھنؤ نے یہ انتظام کیا تھا کہ روزانہ ۹ بجے دن کے تھوڑی دیر کے لیئے میونسپلٹی کے بمبے میں پانی آتا تھا اور یہ عالم ہوتا تھا کہ جہاں جہاں بمبے تھے اُس کے گرد بالٹی گھڑے، مشکیں، چھاگلیں، لیئے صدہا مرد و زن بچے بوڑھے دن بھر کے لیئے پانی کا ذخیرہ کر لینے کے انتظار میں جمع رہتے تھے کھلنے سے پہلے بمبے کی ٹونٹی گھمائی جاتی تھی تو شوں شوں کی آواز نکلتی تھی۔ وقت جب آجاتا تھا تو پانی بمبے سے نکلنے لگتا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد پھر بند ہو جاتا تھا۔ اسی سال ایسا اتفاق ہوا کہ ۲۰ مئی ۱۹۲۹ء کو بقرعید کا تہوار پڑ گیا۔ عموماً مسلمان عید کا دوگانہ (نماز) ادا کرنے کے لیئے غسل کرکے اور کپڑے بدل کر مسجد اور عید گاہ جاتے ہیں اور قربانی میں مصروف ہوتے ہیں۔ پانی وقت پر نہ ملنے سے تکلیف کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمان ممبروں کی بے توجہی اور بے اثری اور پبلک کی تکلیف خصوصاً اسلامی تہوار کے دن مسلمانوں کی تکلیف کی اس نظم میں جس طرح مصوری کی گئی ہے وہ قابل داد ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

پریشر گھٹ کے انجن ہو گیا بے کار ایماں کا
الٰہی اب محافظ ہے تو ہی ہر اک مسلماں کا

تڑپتے تھے نمازی ماہیِ بے آب کی صورت
نظارہ دید کے قابل تھا اب کی عیدِ قرباں کا

تھا قحطِ آب ہر سو شربتِ دیدار سے بڑھ کر
ہمارا لکھنؤ تھا اک نمونہ کوئے جاناں کا

یہ بھی میونسپلٹی جان کا ادنیٰ کرشمہ تھا
جلا کر خاک کرنا عاشقوں کے قلبِ سوزاں کا

مئی کی بیسویں تاریخ گرمی کی یہ شدت تھی
کہ چہرہ تمتما اُٹھا تھا خود مہرِ درخشاں کا

سبھوں کا نو بجے بلبے پہ مجمع آئے معاذ اللہ — وہ اس کی گوشمالی اور ہنگامہ وہ شوں شاں کا
زبانِ حال سے کہتا تھا بلبا اے مسلمانو! — نہ پانی مجھ میں باقی ہے نہ تم میں جوش ایماں کا
سُنو تم کو جوابِ خشک اثر ڈور کس دیتا ہے — کہ مجھ پر کیا اثر سلطان[1] یا منصور[2] ذیشاں کا
تیمم سب کریں نو بج چکے پانی کہاں ممکن — دوگانہ جو کہ پڑھنا چاہتے ہوں عیدِ قرباں کا
ہے ناجائز اگر پیاسے کی قربانی شریعت میں — بلا تفریق گر یہ ہے عقیدہ ہر مسلماں کا
نہیں پانی تو قربانی کو اب کی ملتوی کر دیں — دلالت فرض پر کرتا نہیں جب حکم قرآں کا
خلیق ایسا نہیں کیا کوئی بھی تم میں مسلمانو! — کرے رکشا بنے ہمدرد کچھ تو نوعِ حیواں کا
مسلماں ممبروں پہ فرض قومی ترجمانی تھی — کہ بے مانگے ہوئے بچے نے پایا دودھ کب ماں کا
اُنھیں تکلیف کا احساس پبلک کی اگر ہوتا — اثر انجن پہ جا کر ڈالتے کچھ قلبِ سوزاں کا
اُنھوں نے برف پی پی کر کلیجہ کر لیا ٹھنڈا — خیال آئے انھیں کیوں قوم کی راحت کے ساماں کا
سنو جو لوگ اپنی قوم کے ہمدرد ہوتے ہیں — اثر ہوتا ہے ظاہر اُن کی ہر سعیِ نمایاں کا
مہابیروں کا میلہ چار دن میں آنے والا ہے — تماشا دیکھنا دریا دلی کے جوشِ طوفاں کا
بہے گا رات کے بارہ بجے سے شہر میں پانی — کہ دل میلا نہ پیچھے سے ہونے پائے انساں کا
رہے گی صبح سے تا شام ہر بلبے میں طغیانی — پریشر خود بخود بڑھ جائے گا انجن علی خاں کا
نہیں قومی وکالت دل لگی بازی ہنسی ٹھٹھا — پسینہ خون دونوں ایک ہو جاتا ہے انساں کا

حکایت سُن کے بلبے سے ظریف اتنا ہوئے غمگیں
نہ آنسو تھم سکا ہم سے ہماری چشمِ گریاں کا

[1] محمد سلطان صاحب اُس وقت میونسپلٹی کے مسلمان ممبروں میں تھے۔ یہ جان محمد مالک جان محمد ہوٹل کے خاندان سے ہیں۔
[2] منصور علی خاں صاحب سابق ڈی، ٹی، اِس، اُس وقت مسلمان ممبر میونسپلٹی تھے۔

۵۳ چودھری خلیق الزماں صاحب میونسپلٹی میں بحیثیت چیرمین تھے۔

۵۴ لکھنؤ میں جیٹھ کے پہلے منگل کو بمقام علی گنج جہاں مہابیر کا مندر ہے بڑی دھوم سے ایک میلہ ہر سال ہوا کرتا ہے اطراف سے صدہا نیچ ذات کے ہندو پیکرما کرتے ہوئے (یعنی اپنے قد سے زمین ناپتے ہوئے) مندر تک پہونچتے ہیں اور موتی چور کے لڈّو لے کر ہار پھول کے ساتھ مندر میں چڑھاتے ہیں۔ اعلیٰ طبقے کے ہنود بھی درشن کرنے اور (سنّتی) نذر چڑھانے جاتے ہیں۔

(صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۴۷ — اگست ۱۹۲۹ء — تعداد اشعار ۲۲

سکوت بے محل

نوٹ۔ لکھنؤ کے امین آباد پارک میں جہاں گھنٹہ گھر ہے ایک زمانے سے مسلمان ربیع الاول کے مہینے میں پنڈال بنوا کر بہت دھوم سے محفل میلاد منعقد کیا کرتے تھے۔ اسی پارک میں ایک مستقل مندر کی نئی عمارت بعض حضرات کی خفیہ کارروائیوں سے تیار ہو گئی اس پارک میں مسلمان تجار اور دیگر اہل اسلام شام کی نماز مدت سے پڑھتے آتے تھے لیکن بعض شورش پسندوں کی وجہ سے کچھ مقامی ہندو مسلمانوں میں بعض نزاعی امور پیش آئے جس کا ذکر ۱۹۲۹ء کے اخبار میں ہے۔ اسی زمانے میں نہرو رپورٹ بھی شایع ہوئی تھی جس کی بنا پر گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ مرتب ہوا اور ہند میں جدید نظام گورنمنٹ کا شاخسانہ پیدا ہوا اسی زمانے یعنی اگست ۱۹۲۹ء میں مقامی نزاع مذکور کے فیصلہ کرنے کو لکھنؤ میونسپلٹی نے جس کے زیر نگرانی وہ پارک ہے ایک کمیٹی چار ہندو اور چار مسلمان ممبروں کی زیر صدارت جارج جیکسن بیرسٹر منعقد کی مسلمان ممبروں میں حکیم ہادی رضا صاحب المتخلص بہ ماہر بھی تھے جن کے زیر انتظام مدرسہ منبع الطب قائم ہے اور جو قانون شیخ جیسی طبی کتابوں کے درس و تدریس میں بھی غالباً مہارت رکھتے ہوں گے۔ کمیٹی کے چار ہندو ممبر ایک طرف متفق الرائے تھے اگر دوسری طرف چار مسلمان بھی متفق الرائے ہو جاتے فیصلہ صدر کی رائے سے ہو جاتا لیکن حکیم صاحب موصوف نے اپنی رائے کفایت شعاری سے صرف نہیں فرمائی اور غیر طرف ہو گئے۔ نتیجہ جو ہونا چاہیئے تھا وہ معلوم۔ اسی واقعے کی طرف اس نظم میں اشارہ ہے۔ (صفی عفی عنہ)

بحر خفیف مسدس مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

لکھنؤ تیرے صاف دل مسلم — اس تصور میں ہو رہے تھے شاد

یہ سمجھتے تھے پارک میں امسال — منعقد ہو گی محفل میلاد

ساتھ دیں گے برادرانِ وطن / جائیں گے سب کے سب امین آباد
لاج نہرو رپورٹ کی رکھنے / ہو گی کثرت نہ مائلِ بیداد
خود کرے گی خیالِ قلّت کا / حقِ ہم سایہ آئے گا جب یاد
بھائی بھائی گلے ملیں گے ضرور / پیش آئیں گے پھر بہ لطف و داد
اصل میں یہ امید ہی تھی فضول / اور بے جا ہے شکوہ و فریاد
اپنے پیروں کھڑا جو ہو نہ سکے / کوئی دیتا نہیں اُسے امداد
صید کی التجا پہ ہنستا ہے / رحم کرتا نہیں کبھی صیّاد
بے کڑی آنچ کے نہیں ممکن / نرم ہو جائے خود بخود فولاد
فرقہ وارانہ ذہنیت والے / قوم کی کھودتے ہیں خود بنیاد
نام اسی کا ہے گر رواداری / ہو گا ہندوستان خاک آزاد
بورڈ میں جب یہ مسئلہ ہوا پیش / اِک کمیٹی کی ڈالیے بنیاد
چار ہندو ہوں چار مسلم ہوں / صدر ہو جیکسن سا اِک آزاد
یہ کمیٹی رپورٹ پیش کرے / پئے تسہیل محفلِ میلاد
ہوئی ووٹنگ کی بنا جس وقت / دفعتہً پڑ گئی نئی اُفتاد
ووٹ دیتے جو ہندو و مسلم / تھے برابر شمار میں اعداد
صدر کا ووٹ فیصلہ کرتا / لوگ سنتے کہ کیا ہوا ارشاد
املی کی جڑ سے نکلا ایک پتنگ / ہو گئیں ساری محنتیں برباد
مظلمہ کس کا سر لیا کس نے / واقعی یہ اُپج تھی قابلِ داد
ایک صاحب جو تھے بڑے ماہر / گھر سے قانون کر کے آئے تھے یاد
وقت آیا جو ووٹ دینے کا / دل میں سوچے بڑے پھنسے اُستاد

ساتھ قلت کا دیں اگر اس وقت — کھوئیں کثرت کو جس سے ہوں گے مفاد

جان اپنی بچائی حکمت سے — آگیا وقت پر یہ نسخہ یاد

نیوٹرل بن کے ہو گئے خاموش — آپ نے یہ ستم کیا ایجاد

اس خموشی کی داد وہ دیتی — ہوتی چپ شاہ کی اگر اولاد

رزولیوشن ہی کو غلط سمجھے — اس قدر تھی وسیع استعداد

رعب کثرت کا ہو گیا غالب — کہ خفا ہوں نہ سنگھٹن پرشاد

اس مسلمان کے ردّ دینے پر — کفر دینے لگا مبارک باد

فرطِ الفت سے ڈال دیں باہیں — اک مہاشے نے بڑھ کے بادلِ شاد

دھن ہوائے مہاتما کے داس — برہمن، دے رہے تھے آشرباد

مسلمں نے جو دیکھا یہ منظر — آگیا شیخ کا مقولہ یاد

"مردم از دستِ غیر می نالند"
"سعدی از دستِ خویشتن فریاد"

نظم نمبر ۴۸ — ۲۹ ستمبر ۱۹ء — تعداد اشعار ۲۰

ہٹ دھرمی

نوٹ حکیم صاحب موصوف کو اپنے سکوت بے محل کے اعتراف میں چونکہ تامل رہا لہذا بہ تحریک ممبران مسلم پہلی نظم کے بعد یہ دوسری نظم ماہ ستمبر میں بطور داستان شکایت کے ظریف مرحوم نے کہہ کر شائع کرائی۔ (مصفی عفی عنہ)

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

یہ قسمت کی قلابازی نہ ہو کیوں وجہ بربادی — کوئی نااہل بن جائے جو بے قومی رضا ہادی

چلا جو قافلے سے ہٹ کے وہ گم کردہ منزل ہے — صدا دیتا ہے ہر رہرو کو یہ اسلام کا وادی

فنا ہوتا ہے قطرہ گر جدا ہو جائے دریا سے
نشیمن سے جو تنکا ہو الگ ہے اُس کی بربادی

رسولِ ہاشمی خلقِ مجسم رحمتِ باری
عرب سی قوم وحشی کو اُخوت جس نے سکھلادی

مسلمانوں میں دیکھو بھائی چارہ کر گیا قائم
کہ جس سے رشتۂ اسلام ہے زنجیرِ فولادی

اسی کو توڑنے میں کفر کے شل ہو گئے بازو
مُعطّل ہے اسی کے سامنے تدبیرِ حسّادی

رہیں پیوستہ جب تک قوم کے افراد کی کڑیاں
زمانے کو جکڑ لینے کی قوت اِس نے دکھلادی

ہم آہنگی میں مضمر ہے سراسر راز قوت کا
مگر ہے تفرقے کا نام شامت اور بربادی

بکار آمد ہے جب تک ساز ہم آواز ہوں پردے
صدا یکساں ہو تار اس میں برنجی ہوں کہ فولادی

صدا کثرت سے مل کر جلوۂ وحدت دکھاتی ہو
یہی تو نغمۂ توحید کی سرگم ہے اک سادی

بھجن اپنا الاپے نغمۂ توحید سے ہٹ کر
تو یہ ہے بانگِ ڈَین کون اِسے کہتا ہے اُستادی

الگ سب سے بجائے اپنی ڈفلی جب کوئی اندھا
تو پھر وہ سُورداسی ہے نہیں تو رام پرشادی

بنے قومی وکیل اپنے نمود و نام کی خاطر
یہ مکّاری ہے مکّاری یہ کیّا دی نہ ہے کیّادی

نمائندہ بنائے ایسے سادہ لوح کو پھر کیوں
کہ جس کی حرکتوں سے سرنگوں ہو مسلم آبادی

وکالت قوم کی قانون پڑھنے سے نہیں آتی
خصوصاً ہو کتابِ عقل ہی جس شخص کی سادی

بناؤ ترجمانِ قوم اس کو کیا حماقت ہے
فقط جس چارپائے نے کتابیں چند ہوں لادی

اُسے کیا ماہرِ علمِ طبابت آپ سمجھیں گے
بندھے گر طبیہ کالج میں کچھ دن اونٹ بغدادی

مرض کو قوم کے پہچاننا ہی عینِ حکمت ہے
ذہانت شرطِ لازم ہے نہ شاگردی نہ اُستادی

وہ چاہے صدرِ حلّاقان بنے بے اُسترہ پکڑے
رگِ قومی یہ ناممکن ہے لیکن کارِ فصّادی

سکوتِ بے محل یوں ہی مُضر قومی مسائل میں
تپِ دق میں کھلائیں جیسے معجونِ زرا نبادی

امورِ مذہبی میں مسلموں کے ساتھ سے ہٹنا
پئے خوشنودیِ کُفّار ہے اک فعلِ الحادی

رسول اللہ کی اُلفت فی الحقیقت عینِ ایماں ہے
دلِ مسلم کے شیشے کی یہی ہے خشتِ بنیادی

جو اس کعبے کو ڈھائے نفس امارہ کی قوت سے — تو پھر زیبا ہے اس کو ابرہہ کی خانہ دامادی
اسے اسلام والے کیا کہیں گے فیصلہ کرلیں — عمارت بزم میلادی کی جس خود رائے نے ڈھادی
درخت اسلام کا سینچا تھا جس نے خون اطہر سے — اسی کی بزم میلادی اسی کی بزم میلادی
خطا ہونا بہت ممکن ہے ہر انسان سے لیکن — خطا ہو جائے جب ثابت تو پھر انکار شیادی
دلائل سے خطا کی پردہ پوشی ہو نہیں سکتی — یہاں بے کار ہو جاتی ہے منطق اور استادی
فقط اقرار ہی کام آگیا اکثر یہ دیکھا ہے — کہ جس سے شاہد سلطان بنا اک مجرم عادی
کہیں انکار سے مرغے کی ایک ہی ٹانگ ہوتی ہے — اے قومی چرٹیمار اب نہ کر اظہار صیادی

دلیل انسانیت کی ہے خطا پر منفعل ہونا
خفا کیوں ہو گیا نادان گر کی بات بتلادی

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۴۹ — ستمبر ۱۹۲۹ء — تعداد اشعار ۹

تین ترلوک

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

لکھنؤ میونسپلٹی نے جو چولا بدلا — سورما بن گئے جتنے بھی تھے پہلے ڈرپوک
بودھ مت کا وہ زمانہ تھا جو گذرا پہلے — اب نیا راج ہوا کہیئے اسے عہد اشوک
جتنے اس وقت کے ہیں میونسپل شاستری — سنگھٹن کرکے یہ پڑھنے لگے تازہ اشلوک
کام آیا نہ غریبوں کی اگر حاجت میں — مال کس کام کا گر جمع کیا تھوک کے تھوک
ہال اسکول سڑک نام ہر اک جا پہ رقم — کہ چیرمین تھے مختار کہیں روک نہ ٹوک

رَس نچوڑا گیا سابق کی چیرمینی کا شخصیت رہ گئی بے اُلس فقط جیسے پھوک

صیدِ رَم خوردہ کی جانب قدر اندازوں نے سَر کیا تیر وہی جس کی بہت تیز تھی نوک

بورڈ میں ایک سہ پہلو رزولیوشن ہوا پاس جس نے دِل ناتھ لیا کام نہ آئی کوئی روک

اب تو خود رائے بہادر کو بھی سُوجھے گا ظریفؔ

نام مٹنے سے نظر آتے ہیں تینوں تر لوک

نوٹ۔ اس نظم کو میونسپلٹی لکھنؤ کے سابق چیرمین بابو ترلوکی ناتھ کے عہد میں جو انتظامات ہوئے تھے ان واقعات سے تعلق ہے اور اُن تغیرات سے جو اِن کا دور ختم ہو جانے پر رونما ہوئے۔

(صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۵۰ ۳ ستمبر ۱۹۲۹ء تعداد اشعار ۵

ماتا کا جوش

نوٹ۔ اس مجموعے میں ایک نظم مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۲۹ء جس کی سُرخی (بخل آب رسانی) ہے ملے گی جس میں یہ شکایت کی گئی ہے کہ بقر عید کے تہوار کے موقع پر بمبے کے بر وقت نہ کھلنے اور پانی کی کمی سے مسلمانوں نے کیا کیا تکلیفیں اُٹھائیں وہی بمبہ تھا کہ تین ہی مہینے بعد کنھیا کے جنم والے تہوار جنم اشٹمی کے موقع پر دافر پانی دینے کے لیے کھول دیا گیا۔ اس موقع پر یہ نظم ہند و نواز میونسپلٹی کے جوشِ ہمدردی کی تعریف میں بعنوان بالا (ماتا کا جوش) لکھی گئی ہے نظم تو مختصر مگر بہت معنی خیز اور جس صفائی سے اس میں شکوۂ دوستانہ کیا گیا ہے اس سے آئینہ دل ظریف مرحوم کی طینت اور طبیعت کا پتا چلتا ہے۔

(صفی عفی عنہ)

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف۔ ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان یا فعلن

لکھنؤ میونیسپل بورڈ ترے سر کی قسم
ہم بہت خوش ہیں کنھیا کا ہوا جب جنم

فرط اُلفت سے ہر اک بمبے کے بنھیا اترا
گائے ماتا کا جو اس عہد میں کچھ دودھ تھا کم

کل چھٹی تک تو بلا رات کو اکثر پانی
دن کو دو چار گھڑی بند رہا تو کیا غم

اور مسلمانوں کے تہوار ہیں ایسے منحوس
فیل ہو جاتا ہے انجن کا پریشر اک دم

ہاں مساوات کو تو ہاتھ سے پھر کیوں دیتا
ہم مسلمان نہ ہوتے اگر ایسے بوڑم

مُراجعتِ بھوپال

نوٹ دوسری بار ظریف مرحوم حیدرآباد دکن سے پلٹتے ہوئے اپنے ایک دوست مولوی شکراللہ صاحب سہیل سے ملنے کی غرض سے بھوپال میں اتر پڑے اسی موقع پر یہ نظم کہہ کر ایک بڑی دعوت کے جلسے میں مرحوم نے پڑھی اس میں وہاں کے بعض حضرات کا ذکر بھی ہے خصوصیت سے سید محمد عسکری صاحب وکیل بھوپال ساکن مصطفےٰ آباد ضلع رائے بریلی کا ذکر نہایت ظریفانہ انداز سے کیا گیا ہے بھوپال میں بدھواری اس مقام کا نام ہے جہاں مولوی شکراللہ صاحب کا قیام تھا۔ بھوپال میں ایک بزرگ صدیق احمد خاں صاحب تھے جو بزم احباب کی دلچسپی اور تفریح کا ذریعہ تھے اس نظم میں اُن کی سیرت و حالات خاص انداز سے بیان کیے گئے ہیں گوروں کا خانصاحب کے ساتھ برتاؤ اور خاں صاحب موصوف کی ایک دعوت کا بیان جس شاعرانہ اور ظریفانہ لطافت سے کیا گیا ہے وہ نہایت دلچسپ ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر ہزج مثمن سالم ---- ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

دکن سے پھر پلٹ کر جب ہوا بھوپال میں آنا ---- تو شکراللہ کا یاد آ گیا مستوں کو میخانا
چلا پھر جھومتا ساقی کے در کے سمت متوالا ---- مقدر کا نئی صورت سے تھا گردش میں پیمانا
پہونچتے ہی پڑھا بے ساختہ یہ مطلعِ رنگیں ---- زبس لغت نے ساقی کی بنا رکھا تھا دیوانا
"بہار آئی ہے بھر دے بادۂ گلگوں سے پیمانا ---- رہے ساقی ترا لاکھوں برس آباد میخانا"
مسلماں ہیں بلا تفریق بھائی بھائی آپس میں ---- ہمیں تو یاد ہے پیرِ مغاں کا اپنے فرمانا
وہی پیرِ مغاں ارشاد جس کا عینِ ایماں ہو ---- وہی پیرِ مغاں ہر قول ہے جس کا حکیمانا

جو ایسے بادۂ گلگوں کی خواہش ہو کسی دل میں — تو بدھ واری میں جا کر پوچھ لے ساقی کا میخانا
وہ ساقی رند مشرب مولوی فاضل لقب جس کا — وہ فاضل جس کا مکتب مے کشوں کی بزم رندانا
سرِ شام آکے دیکھو کششِ اُس شمعِ محفل کی — کہ کھنچ کر کس طرح گرتا ہے پروانے پہ پروانا
مئے اُلفت کے متوالوں کا جو دلبر ہے وہ ساقی — وہ ساقی صاف دل ہر اک ادا جس کی شریفانا
تواضع عام جس کی کچھ خصوصیت نہ ہو جس میں — ہر اک سے جھک کے ملنا چاہے اپنا ہو کہ بیگانا
مجسّم خلقِ اسلامی کا جو پتلا ہے وہ ساقی — مئے اُلفت جہاں تقسیم ہوتی ہے وہ میخانا
خدا محفوظ رکھے چشمِ بد سے ایسی محفل کو — کہ ہر اک فرد میں جس کی بلا تفریق یارانا
امارت ناز برداری جہاں غربت کی کرتی ہے — اخوّت کا جہاں لبریز ہے ہر سمت پیمانا
جہاں ذرّے کو دیتا ہے جگہ خورشید پہلو میں — جہاں مشکل نہیں قطرے کو دریا میں سماجانا
امین الملک و عالی مرتبت سے جس کے متوالے — ہر اک شمعِ جمالِ احمدی کا جن میں پروانا
امین الملک جن کے شغل اوراد و وظائف کی — گواہی پیشِ خالق دے گا ہر تسبیح کا دانا
امیرِ پاک باطن نیک سیرت صاحبِ ثروت — ملیں جھک کر غریبوں سے مزاج ایسا فقیرانا
وہ محمودِ خلائق یعنی عالی مرتبت حاکم — دلوں پہ حکمرانی کا ملا ہے جس کو پروانا
یہ کہہ دو وصاف اب متاجرانِ ستِ اُلفت سے — کہ ایسے مال کے حاکم کا نقدِ دل ہے نذرانا
وکیل احمد سا خوش دل بذلہ سنج و نکتہ داں میکش — وہ پُر معنی لطیفے اُن کے وہ جملے ظریفانا
مقنّن خوش گلو سیّد محمد عسکری ایسا — جسے معلوم ہے قانون کے ہر راگ کا گانا
یہ ہائیکورٹ میں سرگم سناتے ہیں نظارے کی — جما دیتے ہیں سب پر رعب اپنا اوستادانا
رکھب گندھار پنچم اور دھیوت سے غرض اُن کو — یہ اک ہی سُر میں دیوانی کے کر دیتے ہیں دیوانا
وہ سچے واقعے گذرے ہوئے صدیق احمد کے — مکرّر سب کا سُننا اور اُنھیں ہر بار دھرانا
میاں اُلفت علی سے ماہرِ فن کی خوش الحانی — بجانا ان کا باجہ اور وہ دلکش طرز پہ گانا

جسے سن سے تو ہر اک جانور بھی مست ہو جائے　　اثر آواز کے جادو کا کر دیتا ہے دیوانا

ظریف لکھنوی کی وہ غزل خوانی سرِ محفل
وہ اُس کے قدرداں احباب کا اصرار فرمانا

غزل

خیالی ہجر میں فرضی مریضِ غم کا مرجانا　　یہ سب کیا ہے سلامت جھوٹ کے پل سے اُتر جانا
دولتی سے سمندِ ناز کی عاشق کا مرجانا　　یہی تو ہے طویلے کی بلا بندر کے سر جانا
رُخِ روشن کی جھرّی حُسن کا گویا ٹھٹھر جانا　　قیامت ہے کسی معشوق کا سِن سے اُتر جانا
مری آہوں کی توپوں کا وہ خالی خولی سر ہونا　　وہ اُن کا لاٹ صاحب کی طرح غیروں کے گھر جانا
مریضِ ہجر پہ فالج کا گرنا سرد مہری سے　　وہ آخر تختۂ مشقِ اطبّا کا بِکھر جانا
وہ ضبطِ آہ سے عاشق کی بے چینی معاذ اللہ　　وہ ہر سو کروٹیں لینا وہ پیٹ اُس کا اُبھر جانا
مُہذّب چوٹا پن ہے یہ معشوقِ خیالی کا　　کہ دُزدیدہ نگہ سے دل کا لینا اور مکر جانا
بھگانا دیکھ کر سرپٹ وہ اُس کا اپنے ناقے کو　　میاں مجنوں کا چلّانا کہ بی لیلے ٹھہر جانا
جو آنا رتجگے میں گلگلے مضمون کے لے کر　　ظریف اچھا ہے اُردو شاعری کا طاق بھر جانا

گلوں کی طرح سے وہ کھِل کھِلا کر سب کا ہنس دینا　　وہ دل خوش کن لطیفے ایک خاں صاحب کے فرمانا
خدا رکھے ہمارے دوست خاں صاحب کو دنیا میں　　دلوں پر نقش جن کی خوش بیانی کا ہر افسانا
وہ اُن کا ہو کے جانا انسپکٹر دفعتہً جھانسی　　انگرکھا اور گھٹنا ڈانٹ کر دورے کا فرمانا
وہ گھوڑے کی سواری اور وہ اُٹھتے ہوئے دامن　　نہ اس ہیئت سے خطرے میں کسی کا آپ کو لانا

وہ آنا اسپیشل گوروں کا ان کا اس میں گھس پڑنا
بلا سمجھے ہوئے بستر لگا کر لیٹ ہی جانا

اُدھر ان سب کا کھانا کھا کے آنا اپنی گاڑی میں
میاں کالے کو لیٹا دیکھ کر گوروں کا جل جانا

بنا لینا انھیں فٹ بال چاروں سمت سے سب کا
وہ جنٹلمینیت کا راستے بھر ٹھوکریں کھانا

بلاڈی فول کہنا اُن کا ان کا معذرت کرنا
وہ ہر گھونسے پہ کیا کرتے ہو صاحب ان کا فرمانا

وہ جڑنا اُن کا ٹھوکر مُن کے اک بکس پر ان کے
وہ کھڑ کھڑ کرتے اُس کا دور گاڑی میں چلے جانا

وہ ان کا بے کسی سے دیکھنا اُس بکس کو اپنے
وہ اُس کا لوٹنا اور سارے کپڑوں کا بکھر جانا

بغل میں داب کر بکھرے ہوئے کپڑوں کو پھرتی سے
وہ ان کا پینترے سے بکس کو لے کر سنبھل جانا

وہ جڑنا اُن کا ڈگ اور روک لینا بکس پر ان کا
وہ پھر خود ساختہ انگلش میں ان کا ڈانٹ بتلانا

وہ گٹ پٹ اُن کی سُننا اور کھٹ پٹ ریل میں ہونا
وہ ان کا پٹ پٹا کر گٹ پٹ کرنا اور رہ جانا

بچا کر جان آخر کو دپڑنا چلتی گاڑی سے
وہ اُن گوروں کا ہنسنا اور اسٹیشن کا آ جانا

بیاں کرنا پھر ان کا حال دھاوے کا احبا سے
نماز صبح پڑھ کر بیٹھنا اور اُن کا آ جانا

دہی انڈے پراٹھے توس مکھن اور کیکوں کا
وکیل احمد محمد عسکری کا بل کے کھا جانا

ابھی یہ واقعہ پورا بیاں کرنے نہ پائے تھے
امین الملک کا یوں مسکرا کر حکم فرمانا

ظریف آیا ہوا ہے کیجیے سامان دعوت کا
یہی موقع ہے دکھلا دیجیے شان اک رئیسانا

ہمارے دوست خاں صاحب کی گھبراہٹ معاذ اللہ
کبھی اقرار کرنا اور کبھی انکار کر جانا

کبھی کہنا کہ اچھا پوچھ تو لوں سیٹھ سے اپنے
کبھی کہنا مصاحب کیا بھلا کھلوائے گا کھانا

کبھی کہنا کہ اچھا شام کو کل سب کی دعوت ہے
خیالی کارڈ لکھ لکھ کر وہ مہمانوں کا بلوانا

وہ لنگڑے آم کی چٹنی کی تعریفیں ارے توبہ
زباں کا وصف میں اس کے وہ چلتے چلتے لنگڑانا

کبھی فہرست کھانوں کی بنا دیجئے یہ فرمائش
کبھی بھاجی کھلا دینے کا وعدہ صرف فرمانا

کبھی پرہیز میں سادی غذا پر اکتفا کرنا
کبھی جوع البقر میں گائے کے سالن کا پکوانا

آلہی خیر جزر و مد سخاوت کے سمندر کا   کبھی پچیس تک بڑھنا سو تک بڑھ کے گھٹ جانا
کبھی کہنا کہ کیا سچ مچ ظریف آؤ گے دعوت میں   یہ جرأت کی تو کھل جائے گا ہم کو آپ کا آنا
بچانا چاہتے ہیں معصیت سے ہم تمھیں بھائی   اگر کھانے کو ہم پوچھیں کبھی انکار کر جانا
ہمارے پاس ناجائز رقم ہے آبکاری کی   اسی سے ہم تمھارے واسطے پکوائیں گے کھانا
فقط تنخواہ کی جائز رقم ہے صرف کو اپنے   نہیں کچھ اس میں حق اُن لوگوں کا جن سے ہے یارانا
تمھارے واسطے ہم نے غذائیں چند سوچی ہیں   کہیں ایسا نہ ہو اُن کی لطافت سن کے گھبرانا
چلے آؤ ہمارے گھر پہ چپکے سے ہوا کھاتے   یہی دعوت سمجھنا اور شکریہ بجا لانا
تمھاری خوبیٔ قسمت سے آیا موسم سرما   سویرے آؤ گر منظور ہو سردی تمھیں کھانا
تمھیں ہم دل میں جتنی گالیاں دیں چپکے کھا جاؤ   خدا رکھے ہمارے اور تمھارے جب ہے یارانا
کسی دن آ کے بھٹی پر کرو کھانے کی فرمائش   ہمارے ہاتھ کی منظور ہو گر مار ہی کھانا
منگا دیں گے دواخانے سے تم کو مفت کہہ سن کے   گلاب تند پینے کے لئے کھانے کو بھدانا
دوا کی یہ دوا ہے اور غذائیت بھی ہے اس میں   یہی راس آئے گا تم کو نیا پانی نیا دانا
کبھی بھٹی پہ سب کو نیوتنا اور پھر یہ کہہ دینا   کہ اب تو مولوی صاحب کا گھر ہے میرا کاشانا
مری جانب سے یہ کر دیں گے سب سامان دعوت کا   مصارف کے لیے نقدی طلب کرنے پہ گھبرانا
کبھی چودہ روپے دیکر یہ کہنا ڈانٹ کر فوراً   اسی میں آپ پکوا دیجئے دس بیس کا کھانا
کبھی کہنا کہ اچھا پھیر دیجے اب رقم میری   امین الملک صاحب کو نہیں منظور ہے آنا
پلٹ کر جب میں آ لوں کیجیے اس وقت یہ دعوت   ابھی تو ہے مجھے بالفعل فوراً آسٹے[ع] جانا
کبھی جیبوں کو کھنکا کر جمانا رعب لوگوں پر   رجز خوانی اولو العزمی کا اپنی ذکر فرمانا
اسی داد و ستد میں دفعتہً پڑنا بجوگ ایسا   رقم قبضے میں آخر مولوی صاحب کے آجانا

ع نام مقام ۱۲

عجب مضحک سماں تھا رات کو محفل میں ساقی کی — الٰہی خوش رہیں میکش عجب مجمع تھا ر

دعا گو ہے ظریف احباب کا دل سے خداوندا — سبھوں کی حاجتیں لطف و کرم سے اپنے بر

بصحت سب کو رکھ یارب تصدق میں محمدؐ کے — بخیر انجام سب کا اے مرے معبود ن

مئے وحدت کے متوالوں کو رکھنا سُرخ رُو یارب — مہ و خورشید کا جب تک کہ ہے گردش میں پیم

احبّا سے مُعافی چاہتا ہوں اپنی بک بک کی
ظرافت کا مری کیا ٹھیک دیوانہ تو دیوانا

نظم نمبر ۵۲ سنہ ۲۹ ۱۹ ع تعداد اشعار ۱۱

معذرت

نوٹ:- یہ دوسری بار جب ظریف مرحوم بھوپال گئے تو اور احباب کی دعوتوں کے علاوہ اس موقع پر بار ایسوسی ایشن یعنی انجمن وکلا کے سکریٹری صاحب نے بھی چاہا کہ وکلا کے چندے سے ان کی دعوت کی جائے۔ ظریف نے اُس کو پسند نہیں کیا اور یہ معذرت نظم میں لکھ کر بھیج دی (صفی عفی عنہ)

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

مہرباں سکریٹری بار اسوسی ایشن
ڈالیئے بہر خدا آپ نہ اب بار پہ بار

واقعہ ہے یہ تصنع کو ذرا دخل نہیں
آپ کے لطف و کرم کا ہوں یونہیں شکر گذار

میرے بھوپال کے آنے کا نہیں یہ مقصد
پارٹی چندے سے کی جائے پڑھوں میں اشعار

نہ ستائش کی تمنا ہے بقولِ غالب
آپ پھر دیجیے تکلیف مجھے کیوں بے کار

کر چکا سمع خراشی وکلا کی پر سال
کیا ضرورت ہے کہ یہ بے ادبی ہو ہر بار

بار میخانہ ہے قانون کے متوالوں کا
محفل شعر و سخن سے نہیں اس کو سروکار

روح را صحبت ناجنس عذابیست الیم"
حق بجانب ہے جو شرکت سے اُسے ہو انکار

ہے اخوت کی کشش دوسری شئے بندہ نواز
دہ تو اسلام کے قانون کا ہے اک اظہار

شعر خوانی میں ہے اب حدِ سماعت عارض
بحث بے فائدہ فرمائیں نہ اس میں سرکار

ہوں وہ کم مایہ ذخیرہ نہیں رکھتا اتنا
جس کو ہر سال کروں آپ کے قدموں پہ نثار

بہر انسان ہے معیوب جگالی کرنا
پڑھ چکا جو اُسے اب پڑھنے میں ہو مجھ کو عار

نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۵۳   سنہ ۱۹۳۰ء   تعداد اشعار ۱

کونسل الکشن ریس

بحر متدارک[ع] مخبون شانزدہ رکنی   ارکان فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن

جب کونسل کے جم خانے میں صوبے والی گھوڑ دوڑ ہوئی
اکتوبر میں لوکل ریسز کا حال کھلا ہم پر سار
ہر سو تھا چاروں میں چرچا ہنس ہنس کر کہتے تھے چاکر
گھوڑے کی بدھیا بیٹھ گئی بھر پونی نے پالا مار
جتنی ٹٹو میں غربت تھی، اتنی گھوڑے میں چالاکی
اک سو کھا سہما ڈگا سا، اک کھائے ہوئے دانا چار
اِن دونوں دیسی گھوڑوں میں پونی کے ٹریز کانگریسی
اِنگلش اصطبل کا ایک اَڑیل آگے نہ بڑھا یوں جی ہار
اتنے میں کہا اک جاکی نے اب دوسری دوڑ کا حال سُنو
جس میں کہ پلٹ گئے بُک میکر، اتنا ہارا ہر دکھیار
جو سَن پچیس[۲۵] میں دوڑا تھا، اس کا تھا بھاؤ برابر کا
جو اَب کی سال شریک ہوا اس پر تھے اِک کے دس بار
نسلاً عربی دو گھوڑے[ع۲] یہ میدان میں آئے ریس کے جب
اِک اِن میں بانسوں آگے تھا اک پیچھے پیچھے بے چار

ع۱ اس بحر کے اوزان میں مخبون اور مخبون مسکّن کا اجتماع ہر جگہ جائز ہے۔ ع۲ اس کونسل الکشن میں ایک صاحب کان پور کے امیدوار تھے جو بہت سیہ فام تھے اور دوسرے صاحب لکھنؤ کے جن کا رنگ کھلتا تھا۔ (صفی عفی عنہ)

گپُو کے جُواری گھبرائے، جب چار طرف سے شور ہوا
دونی اور چوپڑ دلواؤ، سبزہ جیتا مشکی ہارا
کچھ دِن یہ ظریف تماشا ہے پھر آگے چل کے کچھ بھی نہیں
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

نوٹ۔ ۱۹۳۰ء میں صوبۂ یوپی کی کونسل کے لیئے ممبروں کا انتخاب ہوا تھا اس میں پست اقوام کے لیئے بھی نشست کا تعین تھا۔ نظم میں نہایت سلیقے سے گھوڑدوڑیوں کے محاورات صرف ہوئے ہیں۔
(صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۵۴ ؁ ۲۲؍ اپریل ۱۹۳۰؁ء تعداد اشعار ۱۵

انویٹیشن کارڈ

نوٹ ۔ لکھنؤ میں چند خاص بے تکلف احباب نے جس میں ظریف مرحوم بھی شامل تھے ایک انجمن تفریح الاحباب قائم کی تھی جس میں دوست احباب جمع ہو کر غم غلط کرتے تھے ۔ اکثر دعوتیں بھی ہوتی تھیں اور خاص خاص تلمیحات کے ساتھ ظریف کی نظمیں اس میں پڑھی جاتی تھیں ایک بار اسی انجمن کی طرف سے رمضان شریف کے مہینے میں شب کے وقت راجہ نواب علی خاں صاحب تعلقہ دار اکبر پور کی دعوت کی گئی جو خود بھی اسی انجمن کے رکن خاص تھے ۔ اس موقع پر اسی نظم کے ذریعے سے پیام دعوت ان کی خدمت میں پیش کیا گیا ۔ یہ نظم لطافت و ظرافت کی خوبیوں کے ساتھ سبق آموز بھی ہے ۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

یہ اک سودیشی ڈنر کا ہے انویٹیشن کارڈ
خلوص سے جو لکھے جا رہے ہیں کچھ اشعار

قبول کیجئے احباب خاص کی دعوت
خصوصیت یہی کیا کم ہے یا اولی الابصار

کہ ہم میں کوئی بھی موٹر نشیں نہیں سردست
نہ ہم کو پنچ سے مطلب نہ ہم کو بار میں بار

نہ ہم میں آنریبل کوئی اور نہ ایم ۔ ال ۔ سی
اگر شرافت ذاتی ہوئی تو وہ بے کار

کہ آپ تو ہائی پوزیشن کی قدر و قیمت ہو
شریف ہے وہی ہو گھر میں جس کے موٹر کار

محب جو آپ کے بنتے ہیں ہم کو زیب نہیں
محب راجہ کے معنی ہیں آج کل زردار

خطا یہ آپ کے اخلاق کی ہے بندہ نواز
جو بے تقیہ کیا اپنا حال دل اظہار

یہ خلق ہی نے جسارت دلائی ہے ورنہ
کہاں غریبوں کی دعوت کہاں تعلقہ دار

یہاں تو دعوت احباب بے تکلف ہے
نہ جس میں مرغ نہ جس میں پلاؤ کی بھرمار

نہ آلو میتھی کا سالن ہے اور نہ لوکی گوشت
نہ زعفرانی پراٹھے نہ ماہیِ بے خار

نہ یاں کباب ہیں شامی نہ یاں بھنی ہوئی ران
نہ خستہ پوریاں جن کا اٹھانا ہو دشوار

نہ مستحقوں کی کچھ قید ہے کہ ساٹھ ہی ہوں
کہ جس کو رونے کا کفارہ سمجھیں سب دیندار

یہاں تو اِک میٹیشن ڈنر ہے آپ کا صرف
کہ میہمان ہے ایک اور میزبان دو چار

یہ افتخار ہے کیا کم کہ ساتھ کھائیں گے
ہم ایسے چند غریب اور آپ اے سرکار

بہ لطفِ خاص اگر التجا ہوئی مقبول
تو ہم رہیں گے ہمیشہ اِسی کے شکر گزار

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۵۵ — ماہِ جون سنہ ۱۹۳۰ء — تعداد اشعار ۱۲

ہوسِ شہرت

بحر متقارب مثمن سالم — ارکان فعولن فعولن فعولن فعولن

گورنمنٹ کا ابرِ رحمت جو بھر دے — خطابوں کے چھینٹوں سے سوکھی تلیاں
اپاہج کھڑے ہوں نہ پیروں پہ اپنے — ذرا اگر حکومت چڑھائے گھڑ بیاں
ٹکے سیکڑہ پھر بکیں رائے صاحب — نہ پوچھے کوئی آم جیسے بھدیاں
گورنر کے بن جائیں جو خانساماں — بنائیں گے وہ قوم کی کیوں رُسیاں
کریں بعض تو سجدۂ احترامی — خوشی سے پڑیں لاٹ صاحب کے پیاں
بنادیں جو سید سے وہ خان صاحب — تو دوڑے ہر اک پوربی اور پچھیاں
لیاقت سے کیا کام شہرت سے مطلب — ہوئے نامور جیسے شہدوں میں سیاں
یہی تو ہے معراج خاں صاحبی کی — ام ال سی جو بھولے سے کردے گسیاں
بساطِ سیاست کی اب چال یہ ہے — نہیں گوٹ بلتی تو رکھتے ہیں ٹیاں
بڑے دن میں جو کیک کھائیں خوشی سے — مزا دیں انھیں عید کی کیا سِوّیاں
چراگاہِ کونسل کی رونق ہیں دونوں — مسیحا کی بھیڑیں کنھیا کی گیاں

ظریف ایسے کالے کلوٹوں کے صدقے
کوئی ہے ذرا بڑھ کے لے لے بلیاں

نوٹ:۔ یہ نظم حکام کے خوشامدی حضرات کے حرکات سے متاثر ہو کر آزاد خیالوں کی ترجمانی کے طور پر

لکھی گئی ہے بعض حضرات خطاب اور شہرت کی ہوس میں خوشامدانہ عنوان کے مضامین اخباروں میں طبع کراتے ہیں اور بعض سے طرح طرح کی اور حرکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

جب خطابات شایع ہوتے ہیں اس زمانے کے اخباروں میں ڈھونڈھا جائے تو ایسے حضرات کا پتہ چل سکتا ہے جن کی طرف خصوصیّت سے اشارہ خیال کیا جا سکتا ہے مگر عمومیّت کا عنوان شاعرانہ انداز بیان کے لحاظ سے زیادہ لطیف ہے اس لیئے وضاحت غیر ضروری ہے (صؔفی عفی عنہٗ)

مغرب پرستی

نوٹ:- انگریزی تعلیم اور مغربی تمدّن کا جو اثر ہندوستانیوں پر پڑا ہے۔ اس کا صحیح خاکہ اس نظم میں اُتارا گیا ہے۔ صورت، سیرت، کردار، لباس اور عمل میں جو تغیرات ہندوستانیوں نے پیدا کیے ہیں اُن کی تصویر کشی بہت اچھے شاعرانہ اسلوب سے کی گئی ہے جس سے واقعات کے صحیح اظہار کے ساتھ ظرافت کے شامل ہو جانے سے سونے میں سہاگے کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ (مصنفی عفی عنہٗ)

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ہوائے مغربی ہو تجھ میں کتنا جذبِ پنہانی
دھرم ہندو کا غائب اور مسلماں کی مسلمانی

سمندر پھاند کر اک لہر ایسی ہند میں آئی
پہونچ کر جس نے ٹھنڈا کر دیا سب جوشِ ایمانی

نئی تعلیم تو نے حافظے پر کیا اثر ڈالا
کہ یاد آتے نہیں بھولے سے بھی احکامِ قرآنی

حیا جامے سے باہر ہو گئی اللہ ری آزادی
ابھی تھوڑی سی بڑھنے پائی تھی تعلیمِ نسوانی

بڑھے گی روشنی جتنی خود اٹھتا جائے گا سایہ
نظر آئے گی ہر شے اُف رے جلووں کی فراوانی

نظر بازو جوانی ہو گی اس کی دید کے قابل
ابھی تو گھٹنیوں چلنے لگا ہے شوقِ عریانی

مساوات اِس کو کہتے ہیں نئی تہذیب کیا کہنا
کہ یکساں ہو گئی صورت زنانی اور مردانی

نہیں معلوم کس مٹی سے پیدا ہو گئے لیڈر
کُدکتے پھرتے ہیں ہر سُو انھیں کی ہے فراوانی

جدھر دیکھو اُدھر اک انجمن سازی کا طوفاں ہے
جتھے بندی سے ہر گوشے میں پیدا حشر سامانی

بجائے خود الکشن کم نہ تھا میونسپلٹی کا
اب اس پر اور طرّہ کونسلوں کی حلقہ جنبانی

یہ معجونِ مرکب ہند کو کیا نفع بخشے گی
کہ ترکیب اُس کی انگریزی ہے اور اجزا ہیں لحانی

سیاست کے سمندر میں تموّج ہے تلاطم ہے
الٰہی خیر کرنا سر سے اونچا ہو گیا پانی

بچالے ڈوبنے سے کشتیٔ اسلام کو یارب — ہوائیں چل رہی ہیں کیا تلاطم خیز طوفانی

مسلمانوں کے حق میں یہ الکشن اک مصیبت ہے — جہاں تعلیم کی قلت جہالت کی فراوانی

الکشن کیا مفادِ قوم کا اپنے تحفظ ہے — الکشن کیا فقط اک امتحانِ عقلِ انسانی

یہ سب اُن کے لیئے کچھ دردِ قومی دل میں ہو جن کے — یہ ان کا حق ہے ہو چشم بصیرت جن کی نورانی

تعصب کے رمد سے پاک ہوں جو دور بیں آنکھیں — وہ چن لیتی ہیں اچھی چیز اپنی ہو کہ بیگانی

وہی جو معنیٔ "خذ ما صفا دع ما کدر" سمجھیں — وہی جو پھول کانٹوں سے جدا کرلیں بآسانی

اخوت کا سبق جو دے گیا تھا رہبرِ کامل — جنھیں ہو یاد وہ سب ہیں سزاوارِ ثناخوانی

وہی اصلی نمائندہ ہے جس کو دردِ قومی ہو — کرے سعیٔ عمل سے رات دن اپنا لہو پانی

فقط دولت کے برتے پر وکالت قوم کی کرنا — یہ ناسمجھی ہے ناسمجھی یہ نادانی ہے نادانی

ڈنر دے کر نیابت قوم کی لینا تو آساں ہے — مگر مشکل ہے چرواہے کو گلّے کی نگہبانی

نمود و نام کی خاطر اگر کونسل میں جانا ہو — تو ایسی ممبری کی عمر کم ہوتی ہے طولانی

اگر بے لوث خدمت قوم کی منظور ہے تجھ کو — تو پہلے ترک کر راحت طلب وقتی تن آسانی

اے موٹر نشیں للہ اتنا تو بتا تا جا — کبھی نادار ہم جنسوں کے در کی خاک بھی چھانی

جو خدمت قوم کی کرنا ہو دل میں درد پیدا کر — ارے او بے خبر ناواقفِ ایذائے روحانی

نیابت جن کی مینی تال کی چوٹی پہ کرنا ہے — ابھار ان کو بھی پستی سے یہ ہمدردی انسانی

کہیں ایسا نہ ہو ٹھنڈک سے ہمدردی ٹھٹھر جائے — کہیں ایسا نہ ہو جم جائے چشمِ لطف کا پانی

بھلا دینا نہ اس کو جب ڈنر کھانے کو آئے تجھے — ہے تیری قوم فاقہ کش کو کیا ایذائے روحانی

چبینا چابنے والوں کی محنت کا تصدق ہے — یہ سب جو کھا رہا ہے تو مزعفر اور بریانی

جہازِ قوم کے گر ناخدا بننے کا دعویٰ ہے — تو دل مضبوط رکھنا جب ہوا چلتی ہو طوفانی

خدا حافظ نصیحت یاد رکھنا پیرِ دانا کی — "چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی"

جو خود مطلب ہیں ان سب میں الکشن کا یہ مطلب ہے
بھلا ور گر زجن کو کام اپنے حلوے مانڈے سے
مفادِ قوم کو قرباں کریں جو فرقہ بندی پر
اُنھیں کا ترجمانی قوم کی جو کرنے جاتا ہے
اگر پتھر کے اسٹیچو کو رکھ دو جا کے اسی پر
یہ بت بن کر ٹھنے گا اور کی یا خود بھی بولے گا
جو بے سمجھے اُٹھا دے ہاتھ جب رائیں گنیں جائیں
لکیریں بیٹھ کر کھینچا کرے پنسل سے کاغذ پر
سوال اُس کے اگر ہوں گے تو بس اس قسم کے ہوں گے
کہ اب کی فصل میں سُرخاب یا قازیں بہت آئیں
بڑا گھاٹا ہوا امسال چمڑے کی تجارت میں
بنایا جائے اِک قانون یہ حفظانِ صحت کا
کمیشن بہرِ تحقیقات اس کا بھی معین ہو
کوئی فہرست رکھی جائے گی کیا میز پر اس کی
کہ ان سب ٹڈیوں کی آخری تعداد کتنی ہے
کھلے اِک اور مچھر مارنے کا بھی نیا صیغہ
لگائی جائے کچھ خفیہ پولیس اس کام پہ فوراً
جہاں مجمع ہوا ان کا اور یہ اسپیچ دیتے ہوں
خبر دے ضلع کے حاکم کو فوراً اس ارادے کی
نظر رکھے ہر اک حرکت پہ ان آوارہ گردوں کی

ایم-ال-سی. کوئی ہو اُجرت اُنھیں مل جائے من مانی
اُنھیں کیا امتیازِ نیک و بد لے دے کے نادانی
تو ایسے ووٹروں کی انتخابی آنکھ ہے کانی
کچھ اس میں مادہ ہے یا فقط شکلِ ہیولانی
تو یہ ٹمیو کھیے گا خاک دردِ قوم کی بانی
کرے گا ترجمانی سب کی یا اپنی مگس رانی
تو اسٹیشن کا سگنل ہے وہ ممبر ظلم کا بانی
یہ جس کا مشغلہ کونسل میں ہو از راہِ نادانی
گورنمنٹ اس کو بتلا دے ز راہِ لطفِ سلطانی
زیادہ آج کل صوبے کی ہے کس جھیل میں پانی
ربڑ کے جب سے جوتے چل گئے کثرت سے جاپانی
سول سرجن کریں بچوں کی آئندہ مسلمانی
کہ پرنالوں سے کتے گیلن بہا برسات میں پانی
بتا دیں گے فقط یا ہوم ممبر ہی بہ آسانی
حکومت کی طرف سے مارتے ہیں جن کو دہقانی
ہے یہ ننھا سا ظالم کثرتِ اموات کا بانی
بجز یہ چاہیے کہ یہ خلقت پہاڑی ہے کہ میدانی
وہ خاموشی سے کرتی جائے نوٹ ان کی رجز خوانی
فلاں مچھر پیے گا آج اِتنا خونِ انسانی
کسی صورت سے اُن کو پھانس دے تا حدِ امکانی

رفاہِ عام کی دو چار باتیں ہم نے تبلادیں　　نہیں تو ایسی تجویزوں کی ہے فہرست طولانی
جہاں یہ قوم کی حالت ہو پھر اس کی شکایت کیا　　گراں ہے عقلمندی اور بہت ارزاں ہے نادانی
"مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد"
بیاں کرنا ظریفؔ آساں نہیں ایذائے روحانی

نظم نمبر ۵۷ — اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو — تعداد اشعار ۱۲۰

۳۱ مئی ۱۹ء

ہمارے لیڈر

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

مادرِ ہند کی آغوش کے پالے بچو — کم سخن سارے زمانے سے نرالے بچو
ناتوانی ہیں تمھیں کون سنبھالے بچو — اپنے پیروں پہ کھڑے ہو مرے کالے بچو
گود میں رہنے کے عادی ہوئے چلنا بھولے
واہ کیا بات بڑی شان سے جھولا جھولے

پالنے والوں نے یوں تم کو جھلایا برسوں — کوئی بچہ نہ کبھی فیل کی لایا برسوں
لوریاں دے کے عجب طرح سلایا برسوں — نیند میں دودھ کا بھی دھیان نہ آیا برسوں
جتنے دن سوئے ہو برٹش کی عملداری میں
اُتنا ہی وقت لگے گا ابھی بیداری میں

یوں بظاہر انھیں دیکھو تو کہیں اُور نہ چھور — گنتی گنوانے کو تعداد میں تینتیس ۳۳ کرور
ان میں کے زندہ ہیں اور کتنے ہیں زندہ درگور — کم جو تعداد میں قومیں ہیں یہ اُن سے کمزور
بس میں غلہ ہے نہ قابو میں تجارت اِن کی
غیر ہاتھوں میں چلی جاتی ہے دولت ان کی

قوم میں دم نہیں اور قوم کے لیڈر بشاش — جیسے گدھ ہوتے ہیں خوش دیکھ کے لاوارث لاش
واہ کیا بات ہے اے قوم کے بچو شاباش — سہل سے وہی یہ لٹکے ہیں پئے فکرِ معاش
زر کمانا ہے تو پڑھ لکھ کے پلیڈر بن جاؤ
جب وکالت نہ چلے قوم کے لیڈر بن جاؤ

دیکھئے قوم کی تاریخ یہ دیتی ہے پتا — جب کسی قوم کا لیڈر ہوا صرف ایک ہوا
خطۂ ہند میں بہنے لگی اُلٹی گنگا — ہر طرف لیڈری کی آئی ہوئی ہے بہیّا

کہیں چالاک کہیں ہیں بڑے بھولے لیڈر
چھوٹے لیڈر بڑے لیڈر ہیں منجھولے لیڈر

لے لے موٹر نئی اک چاہے وہ خود مِٹ کرلے — گھر میں جس طرح بنے بجلی کی رو فِٹ کرلے
جمع دعوت کے لیے ایک ڈنر سِٹ کرلے — اور انگریزی میں کچھ تھوڑی سی گٹ پٹ کرلے

جب یہ سامان مُہیّا ہو تو پھر کیا ڈر ہے
قوم تسلیم کرے گی کہ بڑا لیڈر ہے

زیبِ تن تا بقدم سر سے ہو کھدّر کا لباس — جُتّی پیروں میں ہو جوتوں کی جگہ بارہ ماس
گھومے چرخے کی طرح چاہے نہ ہو سُوت کپاس — جہلا جمع ہوں جب گرد کرو تم بکواس

مجمعِ عام میں لازم ہے کہ بولے لیڈر
قوم کہہ دے گی کہ ہاں ہیں منجھولے لیڈر

یا بنالو کوئی کھدّر کی ترنگی جھنڈی — دھاوا اُس سمت کرو تم کہ جدھر ہو منڈی
کھاؤ سڑکوں پہ ہوا گشت میں ٹھنڈی ٹھنڈی — جسم نازک پہ ہو گاڑھے کی فقط اک بنڈی

کچھ برہنہ ہوں تو کچھ باندھے لنگوٹے لیڈر
شور ہو جائے گا وہ آتے ہیں چھوٹے لیڈر

پکے بنتے ہیں بڑے تاؤ سے کچّے لیڈر — ہوشیاری یہ بھی کھا جاتے ہیں غچّے لیڈر
نوجواں ہیں کہیں بوڑھے کہیں بچّے لیڈر — اب تو جھوٹے بھی نظر آتے ہیں سچّے لیڈر

غیر ذی روح بھی جاندار بھی اب لیڈر ہے
سب تو سب دیکھیے اخبار بھی اب لیڈر ہے

لیڈری کے ہیں بہرکیف بہت سے اقسام — ایک وہ جن کا ہے جینے کے لئے لیڈر نام
اک وہ دعوت ہے رسپشن سے فقط جن کو کام — اک وہ جو کام کریں اور نہ سوچیں انجام
واقفِ کار تو کم اور اناڑی صدہا
قوم فٹ بال ہے لیڈر ہیں کھلاڑی صدہا

جس طرف دیکھئے تیار ہے اک ٹیم نئی — دل کا انجن تو پرانا ہے پہ اسٹیم نئی
یہ سکھائی ہے فقط اب ہمیں تعلیم نئی — نہ عمل کچھ ہو بنے روز اک اسکیم نئی
لیڈری کے لیے اوصاف کی حاجت کیا ہے
دردِ قومی کی بھلا اس میں ضرورت کیا ہے

خدمتِ قوم میں عمر اپنی گنوانا کیسا — قومیّت ہی نہ ہو جب قوم بنانا کیسا
ملک کے واسطے تکلیف اُٹھانا کیسا — پیٹ کی فکر مقدّم ہے زمانا کیسا
قوم مٹ جائے کہ رہ جائے تمھیں کیا مطلب
اصل تو یہ ہے کہ دنیا ہے اور اپنا مطلب

سب سے پہلے تو یہی چاہیئے زردار بنو — پھر کبھی دوست کبھی دشمنِ سرکار بنو
اک نئی چیز غرض یہ ہے کہ ہر بار بنو — گہ نمک ساز بنو گاہ نمک خوار بنو
کام آتا نہیں کچھ بندۂ بے زر بننا
شان و شوکت ہی سے بنتا بھی تو لیڈر بننا

قوم کے نام سے لندن کی کبھی سیر کرو — قومی سرمائے کا سب خاتمہ بالخیر کرو
خادمِ کعبہ بنو رُخ طرفِ دیر کرو — دوستی غیروں سے اپنوں سے کبھی بیر کرو
قشقہ ماتھے پہ لگاؤ کبھی غازی بن جاؤ
گہ پجاری بنو تم گاہ نمازی بن جاؤ

مادرِ ہند کے بن کر کبھی بے پالک پوت　　رشتہ جوڑ دو کبھی گاندھی سے کبھی کا توسوت
کبھی تنظیم میں افراد کی ہو کر مبہوت　　ہند کو سر پہ اُٹھا لو کبھی طاری ہو سکوت
گاؤ اک راگ نیا روز پئے خوشحالی
کبھی درباری الاپو تو کبھی بھوپالی

کبھی تکبیر کبھی نغمۂ جے کار سنو　　قومی افسانہ کبھی قصۂ سرکار سنو
محو کر دو اُسے تم دل سے جو اک بار سنو　　بات مطلب کی جو ہو اُس کو غرض یار سنو
جیل میں تم کبھی روٹی بفراغت کھاؤ
شملے کی چوٹی پہ چڑھ کر کبھی دعوت کھاؤ

رنگ گرگٹ کی طرح اپنا بدلتے جاؤ　　رُخ ہوا کا ہو جدھر آپ بھی چلتے جاؤ
شمع کی طرح غمِ زر میں پگھلتے جاؤ　　الغرض روز نئے سانچے میں ڈھلتے جاؤ
کردو اندھیر بیابن کے فدائے ملّت
قومی اندھے تمھیں کہہ دیں گے ضیائے ملّت

نام کے شیر گدڑ بھبکیاں دکھلا کے بنو　　قائدِ قوم کبھی قوم کو لڑوا کے بنو
دوست دشمن کے سمندر کی ہوا کھا کے بنو　　گھر میں جب تن نہ سکو غیر جگہ جا کے بنو
کام آئے گی پھبتی اسے تم نوٹ کرو
گلے مل جاؤ لنگوٹی پہ کبھی چوٹ کرو

پہلوانی کے کبھی داؤں کبھی پیچ دکھاؤ　　پہلے تم ٹھو کو اکھاڑے میں تو پھر ہاتھ ملاؤ
چت ہی کر دو گے زبردستی، وہ آمد کی آؤ　　گو سکت تم میں نہ ہو پھر بھی ادھیڑا ایک لگاؤ
دھوبی پاٹا جو نہ دے کام تولا جنگ کرو
عافیت تم پہ انعام فقط تنگ کرو

اور گاندھی کی نہ پوچھو وہ ہے اک مردِ فقیر
فاقہ کش قوم کی گویا ہے مجسّم تصویر
نہ اُسے مال کی خواہش ہو نہ فکرِ جاگیر
رام راج اس کا ہے خواب اور خود اُس کی تعبیر
اُس کا محبوب فقط سوت ہے یا چرخہ ہے
اُس کے نزدیک ہر اک دُکھ کی دوا چرخہ ہے

اپنے ہم قوم غریبوں کی خبر لیتا ہے
اُن کے افلاس کا خود دل پہ اثر لیتا ہے
تھیلیاں بھر کے یہ دیکھا ہے کہ زر لیتا ہے
قوم ہی کے لئے لیتا ہے، اگر لیتا ہے
یَں کو میں بھی کہے تو دل پہ اثر کرتا ہے
وہی جو دودھ پہ بکری کے بسر کرتا ہے

اُس کو تعریف سے کام اور نہ دُشنام سے کام
غیر قوموں سے نہ مطلب ہے نہ اسلام سے کام
اہلِ دولت سے غرض اُس کو نہ کچھ نام سے کام
قوم کی فکر ہے اور قوم کے انجام سے کام
جتنی محنت کرے، پا جاتا ہے پھل بھی اُس کا
قول جو کچھ ہے اُسی پر ہے عمل بھی اُس کا

اُس کے ایثار کا اتنا تو ہوا عام اثر
شخصیت دیکھ کے یورپ بھی ہوا ہے ششدر
مینچسٹر سا مخالف بھی ہے اب دست نگر
بدگمانوں کو بھی کہتے یہ سُنا ہے اکثر
"اشتیاقے کہ بدیدار تو دارد دلِ من"
"دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من"

کون قوّت ہے کہ یوں جس نے اُبھارا اُس کو
کون سی شئے ہے جو دیتی ہے سہارا اُس کو
بس فقط نفس کشی ہی نے سنوارا اُس کو
لوگ اس طرح سمجھتے جو ہیں پیارا اُس کو
نہیں ممکن کوئی رہزن بھی ہو رہبر بھی بنے
بندۂ نفس بھی ہو قوم کا لیڈر بھی بنے

یوں اثر عام نہ ہوگا جو صداقت ہی نہ ہو
مانے کس طرح سے دنیا جو لیاقت ہی نہ ہو
کیا تن و توش اگر روح میں قوت ہی نہ ہو
صاف گو خاک بنے گا جسے جرأت ہی نہ ہو

خاص حلقے میں دکھانے کو تنے بھی تو کیا
اپنے مُنہ، آپ میاں مٹھّو بنے بھی تو کیا

لیڈری ہند کی اور پیرس ولندن کا قیام
مادرِ ہند ہیں کچھ ایسے بھی تیرے خُدّام
دُکھ سہیں کیا نظر آئے جنھیں ہر سو آرام
بندۂ حضرتِ دل نفس کی خواہش کے غلام

جانتے وہ ہیں فقط ماہ وشوں کی حالت
اُن کو معلوم نہیں فاقہ کشوں کی حالت

سر جو ہو جائیں تو پھر پاؤں سے چلنا کیسا
جب ہوا سرد ہو پیلس سے نکلنا کیسا
دھوپ کیا چیز ہے اور دھوپ میں جلنا کیسا
گرمیِ فکرِ معیشت سے پگھلنا کیسا

پیاس لگتی ہے تو وِھسکی سے بُجھا لیتے ہیں
وہی فاقہ ہے ڈنر گھر پہ جو کھا لیتے ہیں

راس آئی ہو جسے خطۂ یورپ کی ہوا
وہ ہوا خواہ بنے ہند کا مشکل ہے ذرا
اسپشل پر جو سفر کرنے کا عادی ہوگا
مینیل ٹرین کے بھلا تھرڈ میں بیٹھے گا وہ کیا

ملک اور قوم چنیں ہے کہ چناں کیا جانے
اندھا ساون کا بھلا رنگِ خزاں کیا جانے

سوانگ اِک اِس کو سمجھ لیجیئے اَدھرنگی کا
کہ زنانوں کا کبھی باٹ، کبھی جنگی کا
کیوں نہ باعث ہو فقط قوم کی دل تنگی کا
سُر چکارے سے کہاں نکلے گا سارنگی کا

نہیں ممکن ہے وہی جج بھی ہو ریڈر بھی بنے
حکمرانی بھی کرے قوم کا لیڈر بھی بنے

یہ سُنیں خاک غریبوں کی صدائے دل ریش
سب یہ دیوانے ہیں ہشیار بکار خود و خویش
ایک ہی طرح کی طینت ہے جو ان کی کم و بیش
آدمی یہ نہیں سچ مچ کے ہیں گو بر گنیش

سر میں نخوت ہے تکبّر ہے اِسے کیا کہیے
بُت ہیں جی چاہے تو رسماً اُنھیں پوجا کیجے

ہو جو مفلس تو یہ اُس سے نہ کبھی بات کریں
نذر دکھلائیے پہلے تو ملاقات کریں
کیا غرض قوم سے جو پرسشِ حالات کریں
عیش و عشرت میں بسر اپنی جو دن رات کریں

عشق پولو سے ہے گھوڑ دوڑ سے الفت اِن کو
ناچ گانے سے کہاں مِلتی ہے فرصت اِن کو

رہیں زندہ کہ نمک خوار سب اِن کے مر جائیں
تیغِ تخفیف سے خونِ دلِ عشاق بہائیں
مول لے لیں جو اُنھیں اُن کو سخاوت یہ دکھائیں
کہہ دیں چوہوں سے خزانے میں قلابازیاں کھائیں

شان یورپ کی دکھاتے تو ہیں لمبی چوڑی
چاہے باقی نہ رہے گانٹھ گرہ میں کوڑی

مادرِ ہند! سُنی بچّوں کی اپنے روداد
ایک ہی گود میں پالی ہوئی تیری اولاد
بھائی بھائی ہیں مگر رکھتے ہیں آپس میں عناد
ایک کے واسطے ہے دوسرا گویا جلّاد

نہ محبّت نہ مروّت نہ روا داری ہے
سر پھٹوّل ہے کہیں جنگ کی تیّاری ہے

اِک کو دولت پہ غرور اِک کو شجاعت پہ گھمنڈ
ناز قوت پہ اُسے اس کو شرافت پہ گھمنڈ
جہل پہ فخر اِسے اِس کو حماقت پہ گھمنڈ
ایک کو بحث پہ ناز ایک کو حُجّت پہ گھمنڈ

رسمِ خط کا ہے کسی سمت زباں کا جھگڑا
گوشے گوشے میں ہے ناقوس واذاں کا جھگڑا

کہیں قربانی یہ مذہب کا نقطۂ دار و مدار　　پیڑ پیپل کا کہیں پر ہے مجسّم اوتار
ہے کسی ہاتھ میں ترسول کسی میں تلوار　　خانہ جنگی کا ہے اعلان غرض ہر تیوہار
عید آئی تو گلے ملتے ہیں تلواروں سے
ہولی اب کھیلتے ہیں خون کے فوّاروں سے

مادرِ ہند کی قسمت میں لہو پینا ہے　　یوہیں غم کھانا ہے مر مر کے یوہیں جینا ہے
نظر آئے اُسے کیا خاک جو نابینا ہے　　بھائی چارہ یہی الفت یہی دیرینا ہے
واہ کیا خوب سنبھالیں گے وہ سب حالتِ ملک
جو ڈکیتی کو سمجھتے ہوں فقط خدمتِ ملک

ملک کی کیا اُنھیں لوگوں سے ہے وابستہ فلاح　　خونِ انسان کا سمجھیں جو حلال اور مُباح
پھونکنا گھر کو کسی کے جو سمجھتے ہیں مزاح　　یہی ہم جنسوں کی سب اپنے کریں گے اصلاح؟
یہی تعلیم یہی تربیتِ قومی ہے
کان پور آئینۂ معرفتِ قومی ہے

کوئی ضدّی ہے اگر اُن میں تو کوئی ہٹّی　　مشتعل قلب میں ہر سمت حسد کی بھٹّی
پھر اتالیق پڑھائیں نہ اُنھیں کیوں پٹّی　　جنگ کرنا ہے تو مذہب کو بنا لو ٹٹّی
کیا غرض اس سے بُرا ہے کہ آل اچھا ہے
جاہل آسانی سے پھنس جاتے ہیں جال اچھا ہے

ایک کا ایک اگر پھوڑ دے سر اُن کو کیا　　اِک کا بازو ہو شکست ایک کا پَر اُن کو کیا
سر سے تا پا ہو کوئی خون میں تر اُن کو کیا　　بند پھٹکی میں ہوں لڑنے پہ اگر اُن کو کیا
جن کو دلچسپی ہے ان تازہ گرفتاروں سے
کم سمجھیے نہ اُنھیں آپ چڑیماروں سے

بال و پر ٹوٹ چکے قوتِ پرواز نہیں | حالِ دل کون سُنے جب کوئی دمساز نہیں
ہم ہیں اور کنجِ قفس کوئی ہم آواز نہیں | اب یہ حالت ہو ظریفؔ اس میں کوئی راز نہیں

"نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے"

نوٹ:- یہ نظم اس وقت لکھی گئی جب رفتہ رفتہ پرانی تہذیب و تمدن اور تعلیم ہندوستان سے اُٹھتے اُٹھتے اور کم ہوتے ہوتے معاشرت و سیاست کی یہ حالت ہوئی کہ نئی تہذیب اور تعلیم نے ہر ایک کے سر میں رہنما اور لیڈر ہونے کا سودا ابھر دیا تھا اور ہندوستان کی ہر قوم اور ملت میں لیڈر ہزاروں ڈھل گئے اور ان کے قول و فعل میں اتنا اختلاف کہ ملک اور سوسائٹی کو اُن سے بجائے فائدے کے نقصان پہونچنے لگا اور اس کی کوئی روک تھام نہ تھی اس حالت میں جیساکہ ایک فطری شاعر اور حساس طبیعت کو اثر قبول کرنا چاہیئے اُس طرح متاثر ہوکر یہ نظم ظریفؔ مرحوم نے کہی۔ ملک کی حالت اور لیڈروں کی بے حسی کا یہ نظم مرقع ہے اور اُس وقت کے لیڈروں کی سیرت و کردار کی طرف پوری روشنی ڈالی گئی ہے جن کے کردار پر اِن الفاظ کی قبا چست ہو ان کو سمجھ لیا جائے مقصد کردار کی تصویر کشی سے اصلاح قوم ہے اگر کسی سے اس کے مطالب کا تعلق نہ بھی ہو اور ایسے صفات سے متصف ہونے کی صلاحیت اور امکان اُس لیڈر میں ہو تو اُس کا ذکر بھی فائدے سے خالی نہیں۔ (صفی عفی عنہٗ)

تلمیحات مُندرجۂ نظم ہذا

بند نمبر ۱۴ مصرع اول میں محمد علی مرحوم اور مصرع سوم میں شوکت علی مرحوم کی طرف اشارہ ہے۔
بند نمبر ۱۵ چھٹے مصرع میں درباری اور بھوپالی راگوں کے نام ہیں۔

بند نمبر ۱۹ مصرع پنجم میں دھوبی پاٹا، قلاجنگ پہلوانی داؤں پیچ کے نام ہیں۔

بند نمبر ۲۳ مینچسٹر لندن میں کپڑے کا کارخانہ ہے، جب ہندوستان میں ولایتی مال کا بائیکاٹ ہوا تو وہاں کی تجارت پر بہت بُرا اثر پڑا۔

بند نمبر ۳۱ مصرع پنجم میں پولو سے وہ انگریزی کھیل مراد ہے جو گھوڑوں پر چڑھ کر بطور گوئے وچوگان کھیلا جاتا ہے۔ اس بند میں سر آغا خاں کی طرف اشارہ ہے۔

بند نمبر ۳۴ کے پانچویں مصرع میں اردو ہندی کی بحث کی طرف اشارہ ہے اور چھٹے مصرع میں ان بلوؤں اور فسادوں کی جانب جو مسجد کے سامنے باجا بجانے اور سنکھ بجانے پر ہوتے رہتے ہیں

بند نمبر ۳۶ کے چھٹے مصرع میں کاکوری کی ڈکیتی کی طرف اشارہ ہے جس میں کچھ کانگریسی بھی ماخوذ تھے۔

بند نمبر ۳۷ کے چھٹے مصرع میں کانپور کے ہندو مسلم بلوے کی طرف اشارہ ہے۔

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۵۸ — ۷ دسمبر ۱۹۳۱ء — تعداد اشعار ۲۴

الکشن چوک وارڈ

نمبر (۱)

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف

ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

تضمین شعر میر علیہ الرحمہ

یہ چوک وارڈ کے ووٹر بھی ہیں عجیب شریر
سبھوں نے مل کے الکشن میں کی نئی تدبیر

شریف طائفے والے جوان ہوں یا پیر
کھنچ آئے سب کشش حسن تھی جو دامنگیر

کمند ووٹ میں اک صید نو کو کر کے اسیر
عجیب طرح کی گردن میں ڈالدی زنجیر

نچایا کوچہ بکوچہ جو کر چکے تشہیر
یہ سبز باغ دکھانے لگے صغیر و کبیر

جہاں یہ گھاس کے اوپر ہے ایک جم غفیر
چلو تو دیکھیں وہ منظر ہے بے عدیل و نظیر

گھری ہے حلقے میں ایک ایک بدر و ماہ منیر
چمک سے برق کی صورت دکھائے گی تنویر

سنا کے یوسف بے کارواں نئی تقریر
ٹھہر ٹھہر کے پھرائیں گے حلق پر شمشیر

ہیں دینے آیا ہوں پیغام ایک تن کے سفیر
جہاں جہاں ہو سنیں سب وہ صاحب توقیر

لٹا کے چوک میں گھر بار جو ہوئی ہو فقیر
وہ پوری قوم ہے اس کی نہ کیجیے تحقیر

یہاں یہ جمع ہیں جتنے غریب اور امیر
وہ آب زر سے کریں میرے قول کو تحریر

سنو سنو مرض حریت ہے عالمگیر
خدا کی شان جو تانیث بن گئی تذکیر

سٹی مدر کی تمنا میں آئی ہے ہمشیر
کرو نہ بھائیو اس کار خیر میں تاخیر

یہ سب ہے عرض ہو اے بندگانِ ربِّ قدیر
کہیں کہ جھوٹ ہے مہمل ہو گردشِ تقدیر
دکھادی وصل بہ امیدِ ووٹ نے تاثیر
مقامِ شکر ہے بی دلربا نہ ہو دلگیر

بڑھائیں یوں دلِ نازک کو سب وفا تخمیر
تحمّل اور جو کریں تو تھی اُمیدِ کثیر
نکالے اُس نے بھی ترکش سے اپنے چھین تیر
شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے امیرؔ

"مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا"

قطعہ نمبر (۲)

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

لکھنؤ میونیسپل میں ابتری ہونے کو تھی
دل میں تھے اپنے بہت سرور ارباب نشاط
سرد ہو کر رہ گئی سب گرمئی بازارِ بورڈ

بورڈ میں امسال شامل اک پری ہونے کو تھی
ممبروں میں اور ان میں ہمسری ہونے کو تھی
جنسِ نازک اہلِ دل کی مشتری ہونے کو تھی

دل کی دل میں رہ گئی لوگوں نے بد دِل کر دیا
دِلرُبا میونیسپل کی ممبری ہونے کو تھی

قطعہ نمبر (۳)

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف
ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

تمام شہر کے اوباش اس پہ ہیں مسرور
کہ جان بچ گئی نازل نئی بلا نہ ہوئی

تماش بینوں پر امسال ٹیکس بندھ جاتا
مقامِ شکر ہے ممبر جو دلربا نہ ہوئی

نمبر (۴) قطعۂ دیگر

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف
ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

تماش بین یہ کہتے ہیں چوک کے اکثر
کہ وُرک کرنے اُٹھے جوش میں جو مادۂ زر

اثر یہ ووٹ کے امساک کا تھا آخر کار
سٹی مدر نہ ہوئیں ہو گئے سٹی فادر

نوٹ ۔ الکشن چوک وارڈ کے متعلق ظریف مرحوم نے یہ چند نظمیں سپرد قلم کی ہیں پہلی نظم میں میر علیہ الرحمہ کے ایک مشہور شعر کی تضمین کی ہے ۔ باقی تین نظمیں قطعات کی شکل میں ہیں ۔ اس الکشن کے واقعات یہ ہیں کہ حکیم خواجہ شمس الدین صاحب شہر لکھنؤ کے کشمیری النسل رئیس ہیں جو میونسپلٹی کی ممبری کے بہت قدیم اور لاگو امیدوار ہیں ۔ ایک سال کچھ خوش طبع حضرات نے تنگ آکر کہ خواجہ صاحب کسی طرح میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں، ان کے مقابلے کے لیئے اسی چوک وارڈ سے جہاں کی ممبری کا الکشن تھا ایک دلربا نامے طوائف کو کھڑا کیا ۔ یہ کل نظمیں اسی واقعے سے تعلق رکھتی ہیں ۔

پہلی نظم میں دلربا کی وکالت میں پبلک کو درس عبرت دینے کے لیئے ظریف مرحوم نے ایک بیرسٹر صاحب کا ذکر کیا ہے جو ہکلا کر اور ٹھہر ٹھہر، رُک رُک کر تقریر فرماتے ہیں ۔ میونسپل کمشنر کو اصطلاحاً سٹی فادر کہتے ہیں چونکہ یہاں ممبری کی امیدوار صنف نازک سے ایک طوائف تھی اس لیئے اس کی مناسبت سے اس کو سٹی مدر کہا گیا ۔ خوش مذاقوں نے اسی الکشن میں خاص رنگینی پیدا کر دی تھی اور دلربا کی ہمدرد کچھ طوائفوں نے اس میں بڑی دلچسپی لی کچھ دنوں خاصی چہل پہل رہی ۔ لکھنؤ کی رنگین طبعی کا خاصہ نمونہ یہ الکشن بن گیا تھا ۔ بالآخر دلربا کو ۵۶ ووٹ ملے جس کا ذکر اس پہلی نظم میں ۵۶ تیر کہہ کر استعارۃً کہا گیا ہے ۔ نظموں میں بدر منیر، ماہ منیر، مشتری، بے نظیر طوائفوں کے ذکر نے چار چاند لگا دیئے ہیں ۔

قطعہ نمبر ۳ میں دلربا طوائف کی ناکامی پر تماش بینوں کا اظہار مسرت کہ وہ سب ٹیکس بندھ جانے سے بچ گئے اور قطعہ نمبر ۴ میں "قلت ووٹ" کے لیے "امساک ووٹ" کو بلاغت کی جان سمجھنا چاہیئے۔ (صفی عفی عنہٗ)

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۵۹ — سنہ ۱۳۱۹ لغایت ۶ — تعداد اشعار ۲۱

شکر پارہ

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف — ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

ترا اگر از ادبیات ہست دل چسپی
الا بہ خواندنِ ایں نظم تر دریغ مدار

بیاد از قدمت نامہ بر دریغ مدار — بہ ووٹراں ز الکشن خبر دریغ مدار
برو بہ ہر درِ ووٹر بگو کہ ووٹ بدہ — خدا دہاد ترا یک پسر دریغ مدار
تو خود عطا کن و بر دیگراں تقاضا کن — برائے ووٹ ز ذاتی اثر دریغ مدار
بہ بند چشم و بدہ ووٹ گیتی تو مپرس — چو مادہ ہم طلبد جائے نر دریغ مدار
شدند آدمیاں گم تو نیک می دانی — بہ گیر ملک خدا ہمچو خر دریغ مدار
بہر طریق کہ باشد ز خلق ووٹ بگیر — رسد چو نوبتِ مادر پدر دریغ مدار
بہ انتخاب چو خواہی کہ کامیاب شوی — بہ ووٹرے ز دو یک سکہ زر دریغ مدار
پئے مصارفِ کالکھا دُ مو بڑھا — بگیر قرض ولے کرو فر دریغ مدار
تو ئی حیات محمد دراز عمر تو باد — بہ جلوہ ریزیٔ تیغ ظفر دریغ مدار
تو پشت او بہ زمیں در رساں کہ آویزد — الا بہ قوت بازو دگر دریغ مدار
کمشنری بہ تو نازاں کہ پہلواں استی — خدائے را کہ بہ ایں بر ز و بر دریغ مدار
بیا بہ دنگل میونسپل چو رستمِ ہند — ز دیگراں چو توئی ناموبر دریغ مدار
بگیر کرسی دبر جائے ممبری بہ نشیں — عدوئے را تو بیفگن بہ سر دریغ مدار

اگر ز لعلِ لبت قند و شیرمی ریزد — عدوئے را تو بیفگن بہ سر دریغ مدار
دہند بہر تو ورکرس جانِ شیریں را — برائے شربتِ ایشاں شکر دریغ مدار
باتفاق چو ممبر شوی تو اے قنّاد — بجانِ خویش ز حلوائے تر دریغ مدار
توئی حکیم و توئی حاکم و توئی حمّام — بہ خلق نفع رساں یا ضرر دریغ مدار
برائے مسہل سودائے ماسیہ بختاں — دو چار تولہ تو از گل شکر دریغ مدار
دعا بحق تو تریا کیاں کنند از صدق — بدہ بدہ ہمہ را نیشکر دریغ مدار

بہ بیں چہ گفت مجو ایں کہ گفت نفع بگیر
ازیں کلامِ سریع الاثر دریغ مدار

نوٹ۔ اس نظم کا نام شکر پارہ اس مناسبت سے رکھا گیا ہے کہ اس میں ایک حلوائی حیات محمد کے الکشن کا ذکر ہے سنہ ۱۹۳۱ء میں میونسپلٹی لکھنؤ کی ممبری کے لئے کچھ لوگوں نے امین آباد کے حلوائی حیات محمد کو کھڑا کیا تھا۔ اس کو کشتی اور پہلوانی کا بھی شوق تھا۔ پہلوانی اور پیشۂ قنّادی کو ملحوظ رکھ کر نہایت خوبی سے مناسب لفظوں کا صرف اس نظم میں کیا گیا ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۶   ۱۳۵۱ھ ۱۹ء   تعداد اشعار ۹

بندۂ زر

نوٹ۔ مولانا محمد علی مرحوم اور مولانا شوکت علی مرحوم جو علی برادران کے نام سے قومی کمپنی میں مشہور ہیں زمانۂ حال کے قومی لیڈر تھے۔ ان میں سے مولانا محمد علی مرحوم کا انتقال لندن میں ہوا۔ جس طرح قومی چندے کے مصارف سے اُن کی بود و باش کا طریقہ تھا وہ اکثر متدین اور ہمدرد مسلمانوں کو پسند نہ تھا۔

اسلام کی سادہ اور پرخلوص زندگی کی ان سے جن مسلمانوں کو توقع تھی وہ پوری نہ ہو سکی۔ انھیں مسلمانوں کے جذبات کی یہ مختصر نظم ترجمان ہے۔ (صفی عفی عنہ)

بحر ہزج مثمن سالم   ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

رہے شوکت علی کے چھوٹے بھائی زندگی بھر تم
مرے لندن میں جب عقدہ کھلا ہم پر کہ کیا تم تھے

غنی عثمان سے تھے اور تم صدیق سے صادق
سیاست میں کہیں فاروقِ اعظم سے سوا تم تھے

جو کچھ بھی ہو علی کا مرتبہ عہدِ پیمبر میں
مگر اس عہدِ انگریزی کے تو مشکل کشا تم تھے

بھلا بوزر کو کیا نسبت اُبوزر اصل میں تم تھے
کیا زر تم نے پیدا اس طرح کی کیمیا تم تھے

بلال اک تھے مؤذن ہم نے مانا تم سے کیا نسبت
کہ سارے ہند میں اللہ اکبر کی صدا تم تھے

تمھارا تذکرہ ہے آج تک چاروں مصلوں پر
مصلی ان مصلوں کے یہ کہتے ہیں خدا تم تھے

تمھیں نے کر دیا زندہ گڑا مردہ خلافت کا
مسیحائے زمانہ ابن مریم کے سوا تم تھے

تمھیں لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ اُنکے پاس پہونچایا
کلیم اللہ سے پیغمبر کا پس ماندہ عصا تم تھے

محبت تھی تمھاری اس قدر اللہ صاحب کو
کہ پیروں سے کہا کرتا تھا محبوبِ خدا تم تھے

نظم نمبر ۶۱ ۔ ۱۹۳۲ء ۔ تعداد اشعار ۱۰۸

شامتِ الکشن

نوٹ ۱۹۳۱ء ۱۹۳۲ء کے زمانے میں لکھنؤ میونسپلٹی کے الکشن کی بڑی دھوم تھی ہر کس و ناکس مبلغ پچاس روپیہ ضمانت داخل کر کے ممبری کی امیدواری کے لیے کھڑا ہو جاتا تھا۔ چنانچہ چوک وارڈ سے بعض خوش طبع اور زندہ دل حضرات نے بعض شرفا کے مقابلے کے لیے رنڈیوں کو بھی ممبری کے واسطے اُٹھا دیا تھا اور خاصی چہل پہل رہتی تھی۔

لہذا اس تنظیم میں فرضی ناموں کے ساتھ صحیح نقشہ ووٹروں اور ممبروں کا کھینچا گیا ہے اور وہ اس خوبی سے کہ جہاں جہاں بھی میونسپلٹی کا الکشن ہوتا ہے اسی طرح کے اتفاقات پیش آتے ہیں یہ نظم بھی ظریفؔ مرحوم کا ایک بہترین شاہکار ہے اور مطبوع خلائق ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف۔ ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

واہ بی میونسپلٹی جان کیا کہنا ترا ۔۔۔ تو چچی لیلےٰ کی، عاشق تیرا مجنوں کا چچا
اپنی خود داری کو کھو کر تجھ پہ جو شیدا ہوا ۔۔۔ بیخودی میں یہ زبانِ حال سے کہتے سُنا

بسکہ دیوانہ شدم عقلِ رسا در کار نیست
عاشقِ میونسپلٹی را حیا در کار نیست

تیرا خواہشمند ہر قیدِ لیاقت سے بَری ۔۔۔ جس کا جی چاہے لڑے اور لڑ کے لے لے ممبری
عہدِ آزادی نے ایسی ڈالدی ہے ابتری ۔۔۔ اب تو ہر تانیث اور تذکیر میں ہے ہمسری

تجھ کو کیا رنڈی ہے کوئی یا کہ رنڈی باز ہے
تیرا دروازہ کس و ناکس کے اوپر باز ہے

جمع کرے قرض ہی لے کر ضمانت کے پچاس — دُور ہوتی جائے غیرت جب الکشن آئے پاس

ووٹروں کے ہاتھ جوڑے خوب ہو کر بدحواس — گڑگڑا کر ہر کس و ناکس سے ہو یہ التماس

رہن پرچے کے عوض عزت مری کر لیجئے

اپنے بچّوں کا تصدّق ووٹ مجھ کو دیجئے

سنیے اک صاحب کا قصّہ جب ہوئی شامت سوار — یہ ضمانت کر کے داخل بن گئے امیدوار

چھوڑا پیشہ ترک فرمایا جو کچھ تھا کاروبار — کچھ اثاث البیت بیچا کچھ لیا سودی اُدھار

مضطرب رہتے تھے یہ نام آوری کے واسطے

گھر سے نکلے ووٹ لینے ممبری کے واسطے

سب سے پہلے ان کو جب ووٹر کے گھر جانا پڑا — شیخ بدھو نام تھا، اور تھا جلاہا قوم کا

دھوتی باندھے مرزئی پہنے تنا بیٹھا ہوا — اِک سڑا مٹّی کا حُقّہ پی رہا تھا کج ادا

جاتے ہی تسلیم کی جب اُس کو باصد احترام

مُنھ کو ٹیڑھا کر کے بولا "کو ہے بالیکم سلام"

بولے یہ پہلے نہ آیا میں ہوا اتنا قصور — شیخ بدھو آپ مجھ پر رحم فرمائیں حضور

آپ کو والد کہا کرتے تھے بھائی اَبسے دُور — میں بھتیجا آپ کا ہوں ووٹ لے لوں گا ضرور

بولے بدّھو، کا کہو ہم کہکا کہکا بوٹ دے ای

بُوٹ پہیئے اُو جو تُرتے ہمکا دیس کا لوٹ دے ای

ساس یہ مینا سیٹی ہے نہ جانے کیا بلا — اور تم لمبر جو ہوئی جیہو تو ہمرا پھاندا

ہم کبھو تم کا نہ دیکھا اور نہ تُمرے باپ کا — اَوتے ہی آوت بنایو بِن نہک ہم کا چچا

ہوئی گوا ہُسیار بُڑھوا، تم چلے ہو جوٹ دے

کان پکڑا ہم نہ جاؤب اَب کہو کا بوٹ دے

ہم یہی تریا پہ اک دن بیٹھ کے موتا جرا
کا کھی ہو، جھٹ دے چالان ہمرا ہوئی گوا

جب کوئی ممبر نہ آوا اور نہ پوچھس کا بھوا
ہم کچہری ما جھگڑے سے اُجر داری کیا

مُکدّما جھوٹا ہے صاحب ہم ہاں یہ بتہ مانہیں
سچ کہی مینا پسٹی پر کبھو موتا نہیں

جب سرتے دار بولا لائے ہو کوئو گواہ
ہم کہا سُسر اجاد ڑوا کہس ہم کا تباہ

ہم جلاہا آپ کے اور آپ ٹھہرے بادشاہ
کو ہی، کہہ کے سامنے مونٹ ہے صاحب واہ واہ

ہنس کے کہہ دینیں مجسٹر سیکھ جی جاؤ بری
رہ گئی منہ بائے کے سب ممبرن کی ممبری

سُن لیہو ساری کتھا، دیہو کہ ناہیں یہ بتاؤ
بوٹ مانگے آئے ہو ہم سے تو ہم کا کچھ دلاؤ

کر چکن بچواس اب بھیّا نہ ہمرا موڑ کھاؤ
کہہ دیا بس کہہ دیا اب جاؤ چپتے گھر کا جاؤ

جو رکم تم سے کہا سب ہیسگی لے لیب ہم
بوٹ دے موڑ پہ لے جھیّو تو ہاں نے دیب ہم

جب میاں بدّھو کے تیور اس قدر دیکھے کڑے
دہنے بائیں دیکھ جھٹ قدموں پہ اس کے گر پڑے

دل میں پچھتائے کہ آخر کیوں ہوئے تھے ہم کھڑے
کہیئے ایسے جاہلوں سے کیا کوئی کشتی لڑے

آبرو کے ساتھ دے کر پانچ راضی کر لیا
کامیابی پر ہوئے خوش تاؤ مونچھوں پر دیا

آگے بڑھ کر ایک حضرت کا ہوا پھر سامنا
اُن سے جا کر اس طرح کی عرض با صد التجا

بندہ پرور ایک مذہب ہے ہمارا آپ کا
ووٹ دیجئے گا جو مجھ کو آپ خوش ہو گا خدا

ہیں مرے حلقے میں جو جو میرے مذہب کے خلاف
دیکھیئے ممبر ذرا ہو لوں تو کر دوں سب کو صاف

مہتر اُن کے در پہ جھاڑو دینے آئے کیا مجال
اور سقّا مشک سے نالی دھلائے کیا مجال

ٹیکس گھر والے کا اُن پر بند ہو نہ جائے کیا مجال
لے لیں بمبا گھر میں بے میٹر لگائے کیا مجال

ناچ تگنی کا اُنھیں اب میں نچاؤں گا حضور
دیکھیے کس کس طرح اُن کو ستاؤں گا حضور

خوش ہوئے سُن کر جنابِ مولوی مکتبی
ہاتھ پھیرا ریش پر اور اس طرح تقریر کی

آپ اس کے اہل ہیں میری نظر میں واقعی
ذاتِ سامی کو سمجھتا ہوں میں فخرِ ممبری

محترم میں وعدہ قبل از وقت کر سکتا نہیں
فرض ہے ایفائے وعدہ پھر مُکر سکتا نہیں

اس میں اک اشکالِ عظمیٰ اور بھی ہے کیا کہوں
میں اعانت آپ کی بالفرض قرضاً سا کروں

رائے تو اپنی ہبہ کردوں عوض کچھ بھی نہ لوں
کیوں بدل ضایع کروں کس واسطے مُسرف بنوں

جانتا ہوں یہ کہ میری رائے ہے کتنی وقیع
مفت ضایع کیوں کروں جب میں نہیں ہوں مستطیع

حسبِ خواہش گر بدل مجھ کو عطا کردیں جناب
کیا عجب پیشِ خدا ماجور بھی ہوں در مثاب

میں نے دکھلادی حدودِ شرع میں راہِ ثواب
میرے معروضات کو فرمائیے گر مستجاب

رائے دینے میں احقر کو تامّل کچھ نہ ہو
خود کروں تعجیل حتماً پھر تساہل کچھ نہ ہو

رائے دوں گا عوض میں آپ کو خمسین کے
اتنے ہی ملتے ہیں مجھ کو وعظ کے تلقین کے

حضرتِ والا تو خود پابند ہیں آئین کے
اس سے کم دینا فرادنٹ ہو مری توہین کے

ہاں یہ ممکن ہے کہ کچھ تقلیل فرما دیجیے
ہے یہ کارِ خیر اب تعجیل فرما دیجیے

مخلصِ احباب سے کیوں استتارہ کیجئے　　راز پوشیدہ رہے کیوں آشکارہ کیجئے
سب سے اچھا ہے ذرا زحمت گوارہ کیجئے　　لیجئے تسبیح مجھ سے استخارہ کیجئے
عرض کی ہے میں نے جو آئی رقم پر دیکھئے
منع جب آئے تو پھر کچھ اس سے کم پر دیکھئے

یہ نہایت کائیں تھے دل میں بولے سوچ کے　　شکل تو اچھی ہے پر زیبا نہیں میرے لیے
استخارہ میں کروں کیا آپکے ہوتے ہوئے　　کرتا ہوں نیت تو میں آپ استخارہ دیکھئے
نیت اُن کے دل میں تھی تسبیح اِن کے ہاتھ میں
چوہا اپنی گھات میں تھا، بلی اپنی گھات میں

منع آیا استخارہ چھوٹتے ہی پہلی بار　　مولوی صاحب کے چہرے پر ہوا کچھ انزجار
پھر جو دیکھا دا جب آیا ہوگئے بے اختیار　　پوچھا نیت کسقدر پر کی تھی بہرِ خاکسار
بولے نیت دس پہ کی تھی لیجئے بندہ نواز
کامیابی کی دعا فرمائیے بعد از نماز

اس جگہ سے اُٹھ کے گھر پر اک صاحب کے گئے　　دس برس ناکام رہنے پر ہوئے تھے جو بی اے
ریلوے میں تھے ملازم خود بھی تھے چلتے ہوئے　　آپ کی تنخواہ تو کم، ٹھاٹھ تھے لیکن بڑے
انگلش اسٹائل پہ رہنے کا جو اُن کو شوق تھا
بوٹ بیڑی پاؤں کی کالر گلے کا طوق تھا

پھوس کے چھپر میں رہتے تھے یہ اس سامان سے　　اور فرنیچر تو خارج ان کے تھا امکان سے
ٹوٹی پھوٹی کرسیاں لے کر کسی دوکان سے　　بیٹھتے تھے اُن پہ چھپر میں نہایت شان سے
نام اِک تختی پہ لکھ رکھا تھا یوں بہرِ وقار
مسٹر ابراہام۔ بی۔ اے۔ ٹی ٹی اسی ای آئی آر

دیکھ کر صورت گراں کی اسطرح کہنے لگے
آئی ایم ویری بزی میک ہیسٹ جلدی بولیے[1]

پھر ادھر ٹہلے اُدھر ٹہلے گھڑی کو دیکھ کے
اپنے کتے سے کہا۔ کم سون[2]، ان سے، "گو اوے"[3]

پھر کہا یو آر کنڈیٹ بٹ نو بولڈ مین[4]
تم کو اپنی ووٹ کیسے ڈیگا صاحب اولڈ مین[5]

چونکہ کنڈیٹ انگریزی کچھ سمجھتے ہی نہ تھے
گڑگڑا کر اس طرح صاحب سے فرمانے لگے

یہ تو ممکن ہی نہیں ہے آپ پیدل جائیے
میں نے موٹر مانگ لی ہے آپ ہی کے واسطے

اور کیونکر اس طرح چلیے گا مجھ کو دینے ووٹ
کھینچے پاکٹ بک یہ تاریخ الکشن جلد نوٹ

بات انگریزی سنا اردو میں یوں صاحب نے کی
ہم کہا انگلش میں ٹم سمجھا نہیں اُس آئی ڈسی

ڈیکھو اپنی ووٹ رکھنی مانگتا ہے ہم فری
کس کو ڈیگا پہلے بتلانے نہیں سکتا کبھی

ہم سٹی فادر نہیں ٹم کو بنانے مانگتا
ڈیم پھر موٹر پہ ہم کاہے کو جانا مانگتا

ہو کے یہ مایوس جب پلٹے وہاں سے منہ بنائے
دل میں کہتے تھے کہ ان کا ووٹ تو جاتا ہے ہائے

سال بھر پہلے بڑے دن میں جو ڈالی نے تو پائے
اب بجز اس کے کوئی صورت نہیں بنتی بنائے

فیس دے کر نرس اک بہر سفارش لاؤں گا
چل گیا چکمہ تو ان سے ووٹ پھر لے جاؤں گا

---

(1) I am very busy make haste (2) Come soon.
(3) Go away. (4) You are candidate but no-bold man. (5) Old man.

پھر بڑھے آگے یہاں سے ووٹ کے ارمان میں
گھس پڑے یہ ایک بزقصاب کی دوکان میں

نثر میں پڑھ کر قصیدہ پہلے اس کی شان میں
چاہتے تھے یہ کہیں کچھ شیخ جی کے کان میں

یوں کنوتی کو بدل کر شیخ صاحب نے کہا
سنیئے حجرت ہم ہیں لگی لپٹی نہیں رکھتے جرا

چودھری نے کل کہا تھا ہم سے اے بھیا سگور
سیکھ منے جس کو کہہ دیں ووٹ دے دینا جرور

پر مناہی کر گئے جب مولبی عبدل گفور
راپھیجی کو ووٹ دے سکتے نہیں ہم تو حجور

سنتے ہیں کراں میں پھرما گئے تھے کھد رسول
دین کی جب بات ٹھہری دکھل دینا ہے بھجول

حاجی کتب الدین بھی کہتے تھے سچی ہے یہ بات
گیر مجہب والے کو ممبر بنانا باہیات

سیکھ جی مجہب تمہارا اور اُن کی اور جات
ہو کے ممبر وہ کھدا جانے کریں کیا واردات

ہاں کوئی مجہب کا اپنے ہو تو اس کو ووٹ دو
جب تمھیں مو کا ملے ایسوں کو بھیا چوٹ دو

اُن کو بزقصاب نے جب دے دیا روکھا جواب
یہ اٹھے دوکان سے مایوس با چشم پُرآب

اپنے ورکر سے کہا جا کر کہ سنیئے تو جناب
آپ ہی تدبیر اب کچھ کیجیے اس کی شتاب

صرف کی پروا نہیں، جو ہو مناسب کیجیے
شیخ جی کے ووٹ کو لیکن نہ جانے دیجیے

دل میں ورکر خوش ہوئے کہنے لگے با صد سرور
اس طرف سے آپ بالکل مطمئن رہیے حضور

اور لوگوں سے زیادہ صرف تو ہوگا ضرور
تو سہی جب آپ ہی کو ووٹ دیں عبدالشکور

پیر لوٹن شاہ کی خدمت میں جاتا ہوں ابھی
حکم ان کا شیخ جی کے پاس لاتا ہوں ابھی

پیر لوٹن شاہ تھے اک خاندانی تکیہ دار
آنکھ میں سرمہ کئی رتی گلے میں چندہار
ریشِ اقدس پان کے دھبّوں سے رشکِ لالہ زار
گیروا کرتا گلے میں ہاتھ میں اک پشت خار

زرد تہمد ، پاؤں میں لکڑی کی اونچی سی کھڑاؤں
گھومتے پھرتے تھے یوہیں شہر شہر اور گاؤں گاؤں

پہونچے در کر اُن کی خدمت میں بہ تعجیلِ تمام
دو روپئے نذرانے کے دے کر کیا جھک کر سلام
عرض کی ہیں آپ تو حاجت روائے خاص و عام
شیخ جی کا ووٹ دلوا دیجیے بس ہے یہ کام

چونکہ حضرت کی ہیں بیعت میں میاں عبدالشکور
آپ فرمادیں اگر تو ووٹ دے دیں گے ضرور

آپ کی دعوت کا کل گھر پر کروں گا انتظام
شیخ جی کو بھی بلالوں گا وہیں پر وقتِ شام
تذکرہ میں ووٹ کا چھیڑوں گا مابینِ طعام
آپ اُن کو حکم دے دیں گے تو ہو جائے گا کام

بولے لوٹن شاہ بابا خوش رہو دعوت قبول
ہم فقیروں کی دعا سے ہوگا سب مطلب حصول

مختصر سے ابتدائی واقعے جو کچھ لکھے
کیا عجب کافی ہوں یہ پبلک کی عبرت کے لئے
اس طرح کے ووٹر اور ممبر ہوں جب اس قسم کے
کہیے اس میونسپلٹی سے کسے راحت ملے

ساکنانِ شہر اب ہشیار ہونا چاہیئے
ممبر اور ووٹر کا کچھ معیار ہونا چاہیئے

ختم بھی کر دو ظریف اب تم بیانِ ممبری
تا بہ کے آخر رہو گے قصہ خوانِ ممبری
خواب سے چونکیں ذرا جب سرگرانِ ممبری
پھر سنا دینا اُنھیں تم داستانِ ممبری

اب سمندِ فکر کی باگ اور جانب موڑ دو
سُونے والے سو گئے قصہ ادھورا چھوڑ دو

نظم نمبر ۶۲ سنہ ۳۳ ۱۹ء تعداد اشعار ۲۱

پیامِ اُردو

نوٹ سنہ ۳۲ ۱۹ء میں اعلیٰ حضرت سرکار نظام میر عثمان علی خاں بالقابہ خسرِ ملک دکن کا ورد لکھنؤ جیسے مرکز زبان اُردو میں ہوا منتظمین نے مختلف ادارات کے معائنے کو پروگرام میں رکھا اور بعض پیشہ ور اہل کمال کو حضوری کا شرف حاصل کرنے کا موقع دیا مگر اُردو کے اِتنے جلیل القدر محسن کے روبرو یہاں کے باکمال ادیب و شعرا کو پیش نہیں کیا گیا جس کا قلق تمام ہمدردانِ اُردو کو عموماً اور باکمال شعرا کو خصوصاً ہوا ظریف مرحوم نے اس واقعے سے متاثر ہو کر زبان اُردو کی طرف سے ایک عرضداشت لکھی جس میں احوال واقعی پیش کیے گئے ہیں۔ (مصنف عفی عنہ)

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف۔ ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

خسرِ ملکِ دکن حضرتِ سرکار نظام — میر عثمان علی خاں فلکِ عرش مقام
عاشقِ آلِ نبیؐ ناصرِ دینِ اسلام — ملکہٗ خلّدہٗ اللہ الیٰ یوم قیام

ثانیٔ شاہ جہاں رہبرِ راہِ اُردو
حامی اہل زباں پشت پناہِ اُردو

لکھنؤ وہ جو کبھی مرکزِ اہلِ فن تھا — لکھنؤ جس کی زباں پر تھے سخن، فہم فدا
یہ وہی شہر ہے ملکوں میں تھا جس کا شہرا — اب وہاں کچھ نہیں آثارِ قدیمہ کے سوا

آکے اُردو کے معلے وہیں پروان چڑھی
لکھنؤ وہ کہ جہاں تیغ زبان سان چڑھی

کچھ کم و بیش ہوا ہوگا ابھی ایک ہی سال — کہ وہاں شاہ نے فرمایا نزولِ اجلال
جمع اس طرح کے تھے منتظمِ استقبال — کہ انھیں آیا نہ بھولے سے بھی اُردو کا خیال

پیش جنگلر ہو رہیں اہل زباں ہی ناکام
اس کمی کا ہے فقط منتظموں پر الزام

تھے کچھ اس قسم کے اشخاص دخیلِ دربار / کہ جو اُردو کو سمجھتے ہیں فضول و بے کار
"میرؔ" کے نام سے ناراض "ولیؔ" سے بیزار / ملٹن اور شیکسپیر سے فقط ان کو سروکار
اُن کے نزدیک تو بس اہلِ زباں بھی ہیں وہی
جا کے لندن کوئی ہو آئے اگر پی ایچ ، ڈی

اہلِ مغرب کے مقلّد ہیں جو ابنائے وطن / وضع دار ایسے کہ شرماتی ہے روحِ کرزن
واقعی بھول گئے اپنی زباں اپنا چلن / "گارڈن" جب کہو تب جا کے وہ سمجھیں گلشن
نابلد ایسے کنیری کو جو بلبل سمجھیں
جب اُنھیں "روز" بتاؤ تو کہیں گل سمجھیں

مہتمم سب یہ مشاہیر کو پہچانتے تھے / مصلحِ قوم بھی بے لوث بھی گردانتے تھے
سُنتے رہتے تھے کلام اور بہت مانتے تھے / کون ہے لائقِ دربار اُسے جانتے تھے
پوچھتا تھا جنھیں وہ یاد اُنھیں آ نہ سکے
خدمتِ شاہ میں خوددار جو تھے جا نہ سکے

بانیِ جامعہ اے محسنِ دینِ اسلام / میں نہ شاعر ہوں نہ منشی مجھے اس سے کیا کام
آج جب تہنیتِ عام کا دیکھا ہنگام / میں نے پہونچا دیا اردوے مُعلّی کا پیام
آہ زاں خضر کہ تا چشمۂ حیواں نہ رسد
"وائے بر جانِ سخن گر بہ سخن داں نہ رسد"

نویدِ مراجعت

نوٹ۔ احمد حسن صاحب قریشی دہلی کے رہنے والے انجینیر جنھوں نے دہلی کے اکثر سرکاری عمارات تعمیر کرائے ہیں ظریف کے احباب میں ہیں۔ موصوف نے اپنے لڑکے کو انجینیری کی تعلیم کے لیئے ولایت بھیجا تھا اور اُن کی واپسی پر کامیابی کی مسرت میں احباب کی ایک دعوت کی گئی تھی جس میں یہ نظم پڑھی گئی تھی۔ میں بھی اس جلسے میں شریک تھا اور ایک نظم میں نے بھی پڑھی تھی۔ (صفی عفی عنہ)

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

مبارک ہو یہ دن احمد حسن صاحب قریشی کو
بہ خیر و عافیت نورِ نظر آرامِ جاں پلٹے

خدا کا شکر لندن سے ہوئے آنرز بی۔ ایس سی
سول انجینیری کے امتحاں میں کامراں پلٹے

وطن میں جس طرح پر کامیاب اختر حسین آئے
یونہیں اسلام کا ہر نونہالِ بوستاں پلٹے

اُسی سے قوم کی آئندہ وابستہ ہیں امیدیں
جو ضبطِ نفس کا لندن سے دے کر امتحاں پلٹے

وطن کے طالبِ علم اس طرح گر کامیاب آئیں
عجب کیا کچھ دنوں میں قسمتِ ہندوستاں پلٹے

ہمیں تو واقعی اظہار میں بھی شرم آتی ہے
کہ جس صورت سے لندن جا کے اکثر نوجواں پلٹے

سمندر میں ڈبو کر اپنی وضع خاندانی کو
فقط لے دے کے سوٹ اور بوٹ کالر ٹائیاں پلٹے

وطن میں آ کے انگلش ستیاناسی ہو گئے فوراً
یہاں سے جا کے کاشی جی کے لندن سے جہاں پلٹے

پہونچ کر میکدے میں حسنِ اخلاق اپنا کھو آئے
بہت سے بادۂ نخوت میں ایسے سرگراں پلٹے

غرض جن کی نہ تھی تحصیلِ علم و فضل یورپ میں
وہ خالی بن کے جنٹلمین لے کر لیڈیاں پلٹے

لگا دی آم کی جا کر قلم گملے میں یورپ کے
گلستانِ وطن کے یوں اناڑی باغباں پلٹے

بنے نہدی سے موڈی، رام بل سے ہو گئے ریمبل
قلابازی کچھ ایسی کھا گئے، نام و نشاں پلٹے

غلد و ودں کو بدلوا کر وہ بندر بن گئے قلمی
جناب ڈارون کے جب پرانے قلذداں پلٹے

گزارا منچلوں نے سینما میں وقتِ تعلیمی
سند کی جا پہ لے کر چند تصویرِ بتاں پلٹے

ظریف المختصر یہ ہے کہ ان کو کیا کہے کوئی
جو خود بیوی کی صورت بن کے لندن سے میاں پلٹے

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۶۴ — جنوری سنہ ۱۹۳۳ء — تعداد اشعار ۲۵

شاعر کی "سُو سُو" یا عرضِ حال

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

اخترِ برجِ شرف منبعِ جود و احساں — میرے رزّاقِ مجازی، میرے آقائے زماں
آپ کے لطف و عنایت سے جو کچھ پاتا ہوں — ہو گئے تین مہینے کہ وہی کھاتا ہوں
خوانِ نعمت سے جو ہوتا ہے مرا شش روز عطا — سچ تو یہ ہے کبھی کھانا نہیں ایسا کھایا
پھیکے سیٹھے کا میں عادی تھا ہمیشہ سرکار — چٹپٹی ایسی غذا پائی جو میں نے اک بار
کہ جسے کھا کے اچھلنے لگے بندر بن جائے — نتھنے بہنے لگیں مُنہ لال چقندر بن جائے
کردے پیدا تپش ایسی دلِ بیتاب میں وہ — چکھ لے مردہ تو اُچکنے لگے سرداب میں وہ
شوربا سونگھ لے گر سانپ تو یوں ہی رہ جائے — ڈنک پر ڈال دو بچھو کے تو گل کر بہہ جائے
صورتِ عقربِ جرّارہ ہے ٹکیا کا کباب — دال ہے جیسے جوا مرچ کا خالص تیزاب
قیمہ اور ساگ اگر کھائے تو ہو کر بیتاب — سِسکیاں لینے لگے اور خطا ہو پیشاب
مرچیں ہوتی ہیں جو کچھ حد سے سوا کھانے میں — مُفت خوری کی سزا پاتا ہوں پاخانے میں
کریلا میں اُسے کھا کر میں عبث ہوں بے چین — خود بخود اشک تو بہتے ہیں بلا ذکرِ حسینؑ
مُنصرم بخت کے جب تک ہیں مسٹر محمود — پیٹ بھرتا تھا بہر طور غنیمت تھا وجود
حیدر آباد کی ہے مہتمم دستر خواں — اب تو مرچوں ہی کے قبضے میں ہے انسان کی جاں
کیا عجب مرچ کا خشکے میں دیا جائے بساؤ — عید کے روز پکایا گیا جب مرچ پلاؤ
ایسے شوقین جو مل جائیں گے کھانے والے — کھیر میں مرچ ملا دیں گے پکانے والے

ہم سفر اور تو برسوں سے ہیں اس کے عادی
تو گرفتار نہ کس طرح سے ہو فریادی

اس قدر مرچ کی عادت مجھے سرکار نہیں
میں نمکخوار ہوں مرچوں سے سروکار نہیں

عرض کرنے یہ ہوں اس وجہ سے مجبور حضور
اللہ حافظ مجھے بننا نہیں منظور حضور

کھانا جب کھانے لگوں سورۂ رحمٰن پڑھوں
قل ہو اللہ پڑھیں آنتیں میں قرآن پڑھوں

ایک تو یوں ہی بصارت سے نہایت کمزور
مرچیں کھاتا رہا گر اور تو ہو جائے گی بھور

کچھ دنوں اور جو چلتی رہی اس طرح غذا
کیا عجب مرچ کی تاثیر سے بن کر طوطا

ہو زباں لال اگر کوئی کہے کچھ بولو
یا تو ٹیں ٹیں کروں یا کہہ دوں نبی جی بھیجو

مرچ ٹھنڈا کئے دیتی ہے قضا آتی ہے
"سوسو" کرتا ہوں تو سردی کو حیا آتی ہے

روکھی کھاؤں گا مرغن سے مرا استعفا
صرف روٹی ملے سالن سے مرا استعفا

آپ کا خادمِ دیرینہ نمک خوارِ ضعیف
مدتوں نان و نمک خوردۂ سرکار ظریف

نوٹ۔ ۱۹۳۳ء میں جب آخر بار ظریف مرحوم نواب نرہئی کے ہمراہ کربلا گئے تھے تو وہیں یہ چٹپٹی نظم کہہ کر نواب صاحب موصوف کی خدمت میں پیش کی تھی۔ واقعات مندرجۂ نظم سے ظاہر ہے کہ ایّا کھانے میں سرخ مرچ زیادہ ڈالتی تھی جس کا ذکر بہت دلچسپ عنوان سے کیا گیا ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۶۵ سنہ ۱۹۳۳ء تعداد اشعار ۲۴

عرضِ مقبول

نوٹ۔ مرحوم نے یہ عرض داشت روضۂ سید الشہدا میں پیش کی تھی جب سنہ ۱۹۳۳ء میں سفر عراق کیا تھا چنانچہ اس کی حیرت انگیز مقبولیت اس سے ظاہر ہے کہ بعد واپسی وہ سرکار محمود آباد میں ملازم ہو گئے اور حضور پر نور راجہ صاحب بہادر محمود آباد نے کل زر قرضہ ادا فرما کے ۱۰۶ اخانے کو سبکدوش کر دیا۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

حسین ابن علیؑ اے کریم ابنِ کریم خدا گواہ کہ تو ہے مرادِ ذبحِ عظیم
گلِ ریاضِ نبی فخرِ آلِ ابراہیم شہیدِ راہِ خدا سب کا واجب التعظیم

خود اپنا وعدۂ طفلی نباہنے والا
نبیؐ کی اُمتِ عاصی کا چاہنے والا

ذبیحِ خنجرِ ظلم و شہیدِ کرب و بلا نہ تجھ سا تھا کوئی پہلے نہ ہے نہ اب ہوگا
ترے کرم کا ہے شہرہ جہان میں مولا کہ جس نے سر بھی دیا راہِ حق میں گھر بھی دیا

نہ لا زبان سے نکلا تری شہِ ذی جاہ
مگر یہ "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا الله"

وہی تو ہے تری ذات اے امیر ابن امیر پھرا نہ در سے کبھی جس کے نا امید فقیر
تری نگاہ میں نعماتِ دنیوی تھے حقیر خدا کی راہ میں دی جان تو نے بے تاخیر

نبیؐ کو علم ہے بعد از خدا کہ کیا تو ہے
نجاتِ اُمتِ عاصی کا آسرا تو ہے

ترے سبب سے ہے باقی امام ابنِ امام — جہان میں ترے جدِّ بزرگوار کا نام
تری شہادتِ عظمیٰ نے دی حیاتِ دوام — ترے سبب سے حقیقت میں بچ گیا اسلام
تجھی سے قدرتِ صبر و رضا ہوئی ظاہر
ترے لباس میں شانِ خدا ہوئی ظاہر

یہ جانتا ہوں کہ بے حد گناہگار ہوں میں — خطائیں بخش دے آقا کہ شرمسار ہوں میں
رحیم کے درِ دولت پہ اشک بار ہوں میں — تجھی سے عفوِ جرائم کا خواستگار ہوں میں
مدد کا وقت ہے اے شاہِ مشرقین بچا
پناہ دے مری عزّت کو یا حسینؑ بچا

کیا ہے مجھ کو زمانے نے اس طرح مجبور — گرو مکاں ہو نہیں فکّ رہن کا مقدور
بتا تو دے مرے مولا مرے امامِ غیور — کریں مُحِب کی شماتت عدو یہ ہے منظور
بلائے قرض سے از حد ہراس ہے مجھ کو
فقط ترے درِ دولت کی آس ہے مجھ کو

یہ آخری مری تدبیر ہے مرے مولا — کہ عرض تجھ سے کروں آکے دردِ دل اپنا
خدا نے کی ہے حیاتِ دوام تجھ کو عطا — جو میں کہوں نہ سُنے تو یہ ہو نہیں سکتا
محال صبر ہے شاہا ترے گدا کے لئے
دکھا دے معجزہ معجز نما خدا کے لئے

مرے امامِ غریب الوطن کے قدرشناس — وطن کو چھوڑ کے اب تو پہونچ گیا ترے پاس
خدا کے واسطے آقا نہ کر مجھے بے آس — بحقِّ خونِ علمدار حضرتِ عباسؑ
خدا سے کہہ دے کہ پوری ہو آرزو میری
بچا لے اپنا عزا خانہ آبرو میری

نظم نمبر ۶۶ ۷ ۲ر اگست ۱۹۳۳ء تعداد اشعار ۹

اسمبلی کی بم چخ

نوٹ۔ سرحدی قبیلہ والوں نے ایک بار کچھ شورش کی تھی تو اُن کی سرکوبی کے لیے کچھ فوج بھیجی گئی اِس نے باقتضائے حالات موقع وہاں بم برسائے جس میں تقریباً پندرہ ہزار صرف ہوئے۔ اُس پر اسمبلی میں سوالات ہوئے اُسی کا ذکر اس نظم میں ہی۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان مفعولُ فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلات یا فاعلن

بم پر اسمبلی میں ہوئے جس قدر سوال
وہ سب فضولِ محض تھے بے کار ہی نہیں

افواجِ ہند کے ہے یہ سردار کا بیاں
اس میں مجالِ حجت و تکرار ہی نہیں

ہندوستان تیری حفاظت کے واسطے
جو بم پہ صرف ہو وہ گراں بار ہی نہیں

زخمی ہوا بس ایک اُٹھے پندرہ ہزار
جزوی رقم یہ لائقِ اظہار ہی نہیں

سرحد پہ بم گرے جو ہوائی جہاز سے
جنگ و جدل سے ان کو سروکار ہی نہیں

بم بے ضرر سی چیز ہے آلاتِ حرب میں
سچ پوچھیے تو یہ کوئی ہتھیار ہی نہیں

نوّے گرائے جائیں تو زخمی ہو ایک شخص
مثل اس کے کوئی چیز کم آزار ہی نہیں

مجمع پہ پھینکدو جو بلندی سے اک چہار
دو چار لوٹ جائیں یہ دشوار ہی نہیں

ڈھیلے سے بھی تو بم میں ضرر کم ہے اے ظریفؔ
اس واقعے سے اب ہمیں انکار ہی نہیں

نظم نمبر ۶۷ — ۱۵ر جنوری ۱۹۳۴ء — تعداد اشعار ۸

زلزلۂ بہار

نوٹ - ۱۵ر جنوری ۱۹۳۴ء کو ہندوستان کے بعض حصّوں میں خصوصًا صوبۂ بہار میں بہت سخت زلزلہ آیا جس کی وجہ سے بہت کچھ جان و مال کا نقصان ہوا لیکن ہندوستانی متاثر نہ ہوئے اور جس طرح سینما میں وہ مس سلوچنا اور یہودی کی لڑکی کا تماشا دیکھا کرتے تھے اسی طرح بدستور اس زلزلے میں بھی دیکھتے رہے جب وَیسرائے ہند نے غریبوں کی امداد کے لیے اپیل شایع کی اُس وقت ہندوستانی امداد کے لیے کچھ متوجہ ہوئے اسی بے حسی کا دکھڑا اس نظم میں ہے - فاعتبروا یا اولی الابصار - (صفی عفی عنہٗ)

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان مفعولُ فاعلات مفاعیلُ فاعلات یا فاعلن

گو زلزلے سے مِٹ گیا صوبہ بہار کا — اور پانیر میں روز خبر دیکھتے رہے

ہر شام کو گئے سنما دیکھنے ضرور — دل بستگی سے تا بہ سحر دیکھتے رہے

کتنے ہوئے شکارِ اجل اُن کو کیا غرض — جو مس سلوچنا کی نظر دیکھتے رہے

کس لطف سے یہودی کی لڑکی کے پارٹ کو — ہندوستان کے اہلِ نظر دیکھتے رہے

اُن کو فراقِ یار سے فرصت کہاں ملی — ہجراں نصیب خوابِ سحر دیکھتے رہے

جب تک نہ وایسرائے کی شایع ہوئی اپیل — منعم سب اپنا کیسۂ زر دیکھتے رہے

امداد دیکھی آہ تماشے پہ منحصر — ہم خیر میں بھی پہلوئے شر دیکھتے رہے

دل ٹس سے مس ہوا نہ کسی کا بھی اے ظریف
دنیا تمام زیر و زبر دیکھتے رہے

شہر آشوب

نوٹ: قصبہ سلون ضلع رائے بریلی میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا تھا جس میں لکھنؤ وغیرہ سے ایک خاص تعداد شعرا کی باہتمام امین صاحب سلونوی شرکت مشاعرہ کے لیئے گئی تھی ظریف مرحوم خود اس میں نہ جا سکے تھے لیکن اور شعرا کی واپسی پر جو حالات وہاں کے معلوم ہوئے ان سے متأثر ہو کر اور اپنے تجربے اور تخیّل کی مدد سے زمانۂ حال کی شاعروں اور شعرا و اہلِ ذوق کی زندگی کا صحیح خاکہ اس میں اتارا گیا ہے۔ یہ نظم ظریف مرحوم کا بہترین اور بے مثل کارنامہ ہے۔ مختلف مشاعروں اور صحبتوں میں نظم پڑھوائی گئی اور بے حد مقبول ہوئی۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر رمل مثمّن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

ناموافق ہے مجھے آب و ہوائے شاعری — میں کروں کس طرح آخر ادعائے شاعری
زیب دیتی ہی نہیں مجھ پر قبائے شاعری — فیضِ صحبت سے فقط ہوں مبتلائے شاعری
آپ لوگوں کے چمن کا سبزۂ بے گانہ ہوں
مجھ پہ ہنستے ہیں ظریف اکثر وہی دیوانہ ہوں

تجھ میں اے ہندوستاں کچھ آج کل حد سے سوا — چار سو پھیلی ہوئی ہے شاعری کی اک وبا
اس مرض میں اب تو اسّی فی صدی ہیں مبتلا — مستند شاعر ہے جس نے اک تخلّص رکھ لیا
شاعری گو عہدِ ماضی میں تھی پایانِ علوم
اب تخلّص میں سمٹ کر آ گئی جانِ علوم

چونک کب تک خوابِ غفلت میں رہے گی آنکھ بند
یہ تغیرّ دیدۂ عبرت سے دیکھ لے ہوش مند
تھی بنائے قومیت شاعر کی تخئیلِ بلند
قوم اب شاعر بنا لیتی ہے خود حسبِ پسند
درحقیقت یہ فنائے قوم کے آثار ہیں
قوم میں جب سب کے سب شاعر ہوں جو بے کار ہیں

شاعری کا خبط ہر طبعِ جنوں تخمیر میں
قید چند الفاظِ نامربوط اک زنجیر میں
کیجیئے جزوی تغیرّ شعرِ عالمگیر میں
آج کل شاعر نظر آئے گا اس تصویر میں
اُنچہ بر جستیم دیدم کم کہ بسیار است و نیست
نیست جز شاعر دریں عالم کہ بسیار است و نیست

شکوۂ تعلیم اے ہندوستاں بے کار ہے
تو عرب کی جاہلیت کا علمبردار ہے
تھا زباں سے عشق اُس کو تو مگر بیزار ہے
شاعری کا تجھ میں ہر نااہل دعوے دار ہے
تیری اُردو نے زمانے بھر کی بازی ہات کی
شاعر اسّی فی صدی، تعلیم سو میں سات کی

اے عجائب خانہ ہستی کی جنس بے بہا
عہدِ موجودہ کے شاعر واہ کیا کہنا ترا
تیری کثرت ہر جگہ مردم شماری سے سوا
تو فرشتہ ہے بشر کی شکل میں اِس عہد کا
تجھ کو کھانے سے نہ کچھ مطلب نہ کچھ پینے سے کام
شعر کہہ کہہ کر سنانے اور فقط جینے سے کام

ہے بہت تکلیف دہ شاعر کی وہ جنسِ عجیب
جو سنانے کے لیے بیچین رہتا ہو غریب
اس کو اچھا کر نہیں سکتا کوئی کامل طبیب
شاعری کی جس کو بدہضمی ہو ہیضہ کے قریب
چاہتا ہے سب سنا دوں جو کہوں اک سال میں
مبتلا ہے شاعری کے سخت تر اسہال میں

جو کہا ہو خود سنا بے فائدہ ڈرتا ہے تو — اس لباسِ عاریت پر فخر کیوں کرتا ہے تو
زیب جو تجھ کو نہ دے وہ روپ کیوں بھرتا ہے تو — اے حریصِ شاعری کیوں نام پر مرتا ہے تو

تیرے منھ سے جب سُنا جائے کلامِ غیر صاف
پھر تو ہے بزمِ سخن میں تو فقط فونوگراف

ربط الفاظ و معانی میں اگر باہم نہیں — قائل ایسی شاعری کے بندہ پرور ہم نہیں
عہدِ ماضی سے حقیقی شاعر اب بھی کم نہیں — قدر دانی کا مگر افسوس وہ عالم نہیں

جب یہ حالت ہے کرے کیوں علم و فن حاصل کوئی
محض تک بندی کی جانب کیوں نہ ہو مائل کوئی

نظم کر لیتا ہے سب کچھ اتنی آسانی کے ساتھ — جس طرح بہتے ہیں تنکے تیز رو پانی کے ساتھ
اور سب منھ دیکھتے ہیں تیرا حیرانی کے ساتھ — شاعری کی کوک ہے تجھ میں سخن دانی کے ساتھ

ہند میں تو عالمِ ایجاد کی ہے وہ مشین
ہر منٹ میں ڈھال دے جو شعر دو دو تین تین

تجھ کو کچھ معنی سے مطلب ہے نہ کچھ حاصل سے کام — ہے فقط اپنی غزل خوانی سے اور محفل سے کام
جب کہ تو لیتا نہیں اپنے دماغ و دل سے کام — سہل سے ہے تجھ کو مطلب اور کیا مشکل سے کام

شعر کا دامن فقط لفظوں سے بھر دیتا ہے تو
آ گیا جو دل میں تیرے نظم کر دیتا ہے تو

طرح کا مصرع نہیں بجلی کی ہو اک بیٹری — جڑ دی شاعر میں جہاں اُس نے غزل اک ڈھال دی
دعوتِ شعر و سخن اب دل لگی ہے دل لگی — سال میں جتنے ہیں دن تعداد اُن سے بڑھ گئی

جس جگہ شرکت نہ کی جائے وہی آزردہ ہو
سب کو خوش کرتا پھرے شاعر ہی کا دل گردہ ہو

سب کو قلتِ وقت کی تجھ کو فراوانی ملی سنگ کو انسان کی شکلِ ہیولانی ملی
کسبِ زر کے لیئے تجھ کو غزل خوانی ملی مفت کی بیگار کرنے کو سخن دانی ملی
ہر ضرورت تیری اک جھوٹا بہانہ بن گئی
معذرت تک آہ عذرِ شاعرانہ بن گئی

کچھ صعوباتِ سفر ہوتے نہیں مانع تجھے صحبتِ شعر و سخن میں فرض ہے جانا تجھے
کام شب بھر جاگنا مصرع کا دُہرانا تجھے ہر غزل کی داد دینا اور چلانا تجھے
تیری شرکت لازمی ہر شہر میں ہر گاؤں میں
سر میں سودائے سخن ہے اور سنیچر پاؤں میں

منعقد دیہات میں ہوتی ہے جب بزمِ سخن اور بُلائے جاتے ہیں اطراف سے کچھ اہلِ فن
جب سواری سے اُترتے ہیں اسیرانِ محن اُن کا استقبال یوں کرتے ہیں اہلِ انجمن
پہلے قربانی کے بکرے کی طرح گردن میں ہار
اُن کے پڑتے ہیں جو ہوں شعر و سخن کے جاں نثار

پھر اقامت گاہ کی جانب بصد جاہ و جلال بڑھتا ہے آہستہ آہستہ گروہِ باکمال
گرد مجمع طالبانِ دید کا خوش اور نہال کچھ جواں کچھ بوڑھے کچھ بچے بھی ان میں خورد سال
آگے آگے ڈھول تاشے پیچھے دہقانی گنوار
داہنے بائیں گُل افشاں پھلجھڑی اور کچھ انار

بعض اس مجمع میں سنجیدہ ہیں بعضے بانگڑو دیکھ کر ان سب کو کرتے ہیں یہ باہم گفتگو
کا ہے ہو بھیا بساؤں تم کا بتلائیں کو دُ؟ جن کی نٹیُاں پڑے ہیں ہار سب شاعر ہیں یہ
کا طبلیا اور سر نگیا لوگ اِن کے ساتھ ہیں
پھر کس گنتی ہیں گجل یو سب تو کھالی ہاتھ ہیں

کیسے گائیں گے غزل

سوکھ ماں آئن رہے اب ہام نہ دیا کھب یہ برات بن پتُریا کے بھلامَے پھل ہیو کو نو ہے بات
یو تو اپنی سیر کھانی ماں گنوئی ہیں ساری رات ہم مکھت کاہے کا جاگی موڑ سے ہم برابرات

شعر خوانی

یوں اگر نچھیں تو ان سب کا اینسلا ناچ ہوئی
مسہر اماں ناچیں گے بے پتریا پھس پھسلا ناچ ہوئی

ان میں دیہاتی بھی اک شاعر تھے علامہ فہیم نام نامی آپ کا تھا مولوی عبدالکریم
گو زمینداری کے بک جانے سے تھی حالت سقیم تھی طبیعت پرسکوں اس سے کہ کھاتے تھے افیم
آپ جب مکتب میں پڑھتے تھے جب ہی سے شوق تھا
بیت بازی شاعری دونوں سے ان کو ذوق تھا

سر پہ پٹے کان کی لو تک پریشاں سر بسر اک دوپلی ٹوپی اونچی سی پرانی زیبِ سر
ٹانگ میں ہر دار پاجامہ انگرکھا جسم پر کھچڑی ڈاڑھی بیچ سے آدھی اِدھر آدھی اُدھر
ہاتھ میں ڈنڈا، نری کا اک چڑھواں پاؤں میں
آپ رہتے تھے وہیں اُجڑے ہوئے اک گاؤں میں

تھے ریسپشن کی کمیٹی کے یہی روحِ رواں بہرِ استقبال یہ تشریف لائے تھے وہاں
آپ ہر شاعر سے مل مل کر یہ کرتے تھے بیاں شاعرانِ نکتہ پرور میں بھی ہوں اہلِ زباں
تین سو غزلیں لکھیں میں نے مضامینوں کے ساتھ
انشاء اللہ آج سنیے گا سخن بینوں کے ساتھ

یوں تو اس قصبے میں کہنے کو بہت استاد ہیں آپ لوگوں کی دعا، مجھ سے کم استعداد ہیں
میری غزلیں اکثروں کو رنڈیوں کو یاد ہیں میں کہوں کیا آپ سے جب آپ سب نقاد ہیں
یہ ذرا واقف نہیں دہقانیانِ بے کمال
ہم سے پوچھیں تو بتا دیں ان کو شعراؤں کا حال

یہ ہیں از قسم مویشی شکل انسانوں کی ہے — آپ فرمادیں یہی توقیر مہمانوں کی ہے

رنڈیوں سے بھی جو کم عزت سخن دانوں کی ہے — حضرتِ والا کمی اتنی قدردانوں کی ہے

ہائے شعراؤں کو جانیں کیا تبادن اور ہری

قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

دیکھ تیری قدر یوں کرتے ہیں تیرے قدرداں — کوئی میلا ہو کہیں پر یا نمائش یا نہاں

جس میں سرکس بھی ہو دنگل میں لڑیں کچھ پہلواں — یاد کر لیتے ہیں بھولے سے تجھے بھی مہرباں

دیتے ہیں لالچ میڈل کا تیری عزت کے لئے

تھرڈ کا تجھ کو ٹکٹ ملتا ہے شرکت کے لئے

وہ بھی جب کافی ضمانت ہو کہ شاعر آئے گا — یہ کرایہ تو کہیں لے کر نہیں کھا جائے گا

ایک بھرتی کرنے والا خود ٹکٹ دلوائے گا — اپنی ہمراہی میں تجھ کو ریل پر بٹھلائے گا

پڑھ نہ لے جب تک غزل ہوتی رہے گی دیکھ بھال

بعد اس کے ایک دوڑا اور شاعر کا مآل

یہ بھی ہے شاعر کے ذمّے اک ضروری اور کام — جب غزل پڑھنے شریکِ بزم ہو یہ نیک نام

اپنے جوتوں کا کرے اپنی بغل میں انتظام — ورنہ ننگے پیر گھر آنا پڑے گا والسلام

بزم میں کچھ قدرداں اس قسم کے آ جائیں گے

چھانٹ کر اکثر نئے جوتے چرالے جائیں گے

تیری یاں دیکھنے کو جمع ہوتے ہیں عوام — گرد تیرے طائفے کے اک گنوردل اژدحام

وہ غزل پڑھنا خوش الحانی سے تیرا وقتِ شام — واہ وا کا شور پھر جھک جھک کے وہ تیرے سلام

جمع ہوتی ہے تجھے ساری خدائی دیکھنے

طرح کے مصرع کے دانے پر لڑائی دیکھنے

اس طرح تعریف کرتے ہیں تری اکثر گنوار — کاہے رگھو نندن کبھوں دیکھے رہیو ایسی بہار
یو بڑا ساعر پڑھے آدا ہے کونو جور دار — اس پڑھے ماں لام باندھس مچ گئی کو اگھار

جَون بریا پڑھس بانکی گجل جھلّائے کے
کوؤ جھومے لاگ کوؤ رہ گو اُمنھ بائے کے

یاک بریا اور ہم دیاکھا ہے کر پاندھان — جب گئین کمپو ماں جلیسن ہوئی جکا گنگا نہان
کانگرس کا ایک بلم ٹیریہ کینس بکھان — آل انڈیا مسہرا ہوئی ہے جبیں دیاکھے کسان

اُس سماں دیاکھا کہی کا تم تے ہم بھیّا کِدار
یاک بولا سب منیں بچھیاں جس بولیں سیار

اک کبڑیا سن کے یوں کرنے لگا اظہار رائے — یہ تو ساعر تھا پھسڈی اور بڑھیا کوئی آئے
جو گجل میں جلف کا ماسوک کی نکسا دکھائے — ہم سے سوکھینوں کے دل پر کچھ رعاب اپنا جمائے

ڈانٹ کے للکار کے ہر ایک سے مجھل میں پڑھے
جو گجل موکے پہ کہہ ڈالے مکابل میں پڑھے

بھائیو نوکار ساعر اس میں ہو چاہے کریج — راگ میں اور راگنی میں چاہیئے اس کو تمیج
جو کہیتی اور بڑھیتی جانتا ہو دونوں چیج — آج کل تے مجھل میں ہوتا ہے وہی ہر دل اجیج

آسک و ماسوک کی کھود بھی ادا دکھلائے جو
چوٹ دل پر دے کے سب تے مجھل کو بس گرمائے جو

بھائی مولا بکس جس بستی میں ہم آباد ہیں — اس جگہ ساعر بڑے بڑھیا ہیں مادر جاد ہیں
ان سبھوں میں یکہ بدلو اک جگت اُستاد ہیں — ان کو ہر موکے کی گجلیں منھ جبانی یاد ہیں

جس جگہ اُستاد نے دو تین گجلیں جھاڑ دیں
ساعروں نے ہو کے سرمندہ بیاجیں پھاڑ دیں

نام تو ہے سیکھ بدلو اور تکھلّس ہے بدل — کیا کہیں اللہ کا ہے اُن کے اوپر کیا پھجل
کا پھیے ایسے ملاتے ہیں وہ بڑھیا اور ڈبل — ایک گھنٹے میں کہو سو سیر کی کہہ دیں گجل

بھور کر دیں وہ کہیں پڑھنے جو بیٹھیں سام سے
کانپتے ہیں اور ساعر لوگ ان کے نام سے

یہ نمائش میں ابھی دیوے گئے تھے پارسال — ایک حکّانی گجل ایسی سُنائی بے مثال
حاکم اور تیسیل دار ایسے ہوئے سُن کے نہال — دے دیا انگا اُنھیں سونے کا جھٹ بے کیل و کال

اور جو ساعر نمائش میں گئے پھس ہو گئے
بس حکمت اُستاد بدلو گول ڈُس ہو گئے

پیسے والوں کی سمجھ میں آ گئی ہے اب یہ بات — صرف بے جا ناچ گانے کا ہے بالکل اہیات
جب کوئی جلسہ خوشی کا ہو کہیں پر ہو برات — منعقد بزمِ سخن ہوتی ہے تا کٹ جائے رات

پہلے اربابِ نشاط آتے تھے گانے کے لیے
اب تو شاعر جاتے ہیں غزل سُنانے کے لیے

گو کہ شاعر اور مغنّی میں تھا فطری ساز باز — پر جُدا رکھتا تھا ان دونوں کو فنّی امتیاز
تھا گلے پر اس کو اور اُس کو زباں پر اپنی ناز — محفلیں دونوں الگ تھیں اور جداگانہ تھے ساز

تھا جہاں نغمہ محل باتیں بنانے کا نہ تھا
بزمِ شعر و شاعری میں دخل گانے کا نہ تھا

تھا غزل معشوق سے کچھ دردِ دل کہنے کا نام — سادگیِ الفاظ کی حُسنِ ادا کا اہتمام
واردات قلب کی صورت گری کا التزام — اتنا ہی اس صنف میں تھا صرف اک شاعر کا کام

نالۂ دل کے لیے لَے کی ضرورت ہی نہ تھی
عشق کی فریاد کو لَے کی ضرورت ہی نہ تھی

کرتا تھا جذبات کی لفظوں سے یوں صورت گری　　جس کی کر سکتا نہ تھا کوئی مصوّر ہمسری
نغمہ سنجی کی مدد سے فکر تھی جس کی بری　　اب اسی کی شعر خوانی میں ہے زنگ ابتری

یہ نمک پاشی ہے اے بے درد دل کے گھاؤ میں
شاعری صورت دکھائے ارتھ میں اور بھاؤ میں

یاد آیا مے کہ شاعر کو زباں پر ناز تھا　　قوتِ تخئیل ہی سرمایۂ اعزاز تھا
لفظ ہی میں سوز تھا اور لفظ ہی میں ساز تھا　　نغمۂ شاعر کا روح القدس ہم آواز تھا

اب اگر قابو ہو اُن پہ تو ملے شاعر کو داد
سُر، رکھب، گندھار، مدھم، پنچم، اور دھیوت، نکھاد

جب سخن سنجوں میں کثرت ہو انھیں اصحاب کی　　محض نغمے ہی کو جو سمجھیں کمالِ شاعری
قلب پر جن کے اثر کرتی ہو تان اور گٹکری　　سوز سے ناآشنا دل دادۂ خنیاگری

رہتے ہیں بے چین جو لے کے لیے دُھن کے لیے
بھیرویں بے وقت کی ہے اب غزل اُن کے لیے

مٹ گیا تانیث اور تذکیر کا جب امتیاز　　اب نہ داڑھی ہے نہ مونچھیں اور نہ وہ زلفِ دراز
رفتہ رفتہ بڑھ گیا گر شوقِ ذوقِ نغمہ ساز　　شاعر اب آئیں گے محفل میں پہن کر پیشواز

ختم اس فقرے پہ ہو گی ہر غزل استاد کی
سنیئے میں ہوں جانکی بائی الہ آباد کی

تو نمونہ سر بسر اخلاق و خودداری کا تھا　　اک مصفّا آئینہ تو قدرتِ باری کا تھا
تو معالج نفسِ امّارہ کی بیماری کا تھا　　تو ذریعہ ملک اور ملت کی بیداری کا تھا

کتنی عبرت خیز شے اب عالمِ ہستی میں ہے
جس نے قوموں کو ابھارا تھا وہی پستی میں ہے

اک کشش پیدا کرے ہر دل میں تھا شاعر کا کام
قوم کی شیرازہ بندی تھی اسی کے پاۓ نام
انقلاب دہر سے برہم ہوا ایسا نظام
تفرقہ پردازیوں میں اب ہے وہ مشہور عام

شاعروں کی خود جماعت میں نفاقِ باہمی
ٹھیک ہے قولِ لسان القوم مولانا صفیؔ

"غیر سے غیروں کو اخلاقاً نہیں کچھ اجتناب"
"رہتی ہے اپنوں پہ بھی اپنی نگاہِ انتخاب"
"جب یہ حالت ہو تو کیوں دل کو نہ ہو اک پیچ و تاب"
"جملہ قوموں سے ہمارا ہے جداگانہ حساب"

"ہے جب ہی قومی ترقی معرضِ تعویق میں"
"اور سب ہیں جمع میں اُستاد ہم تفریق میں"

تو زبانی جانتا ہے شکوۂ دردِ فراق
باہمی اُلفت کو رکھتا ہے مگر بالاۓ طاق
تیرے دل کو اپنے ہم جنسوں کی شہرت جب ہے شاق
اپنے ہر طبقے میں تو ہے باعثِ بغض و نفاق

دل کے آئینے میں ہے گردِ کدورت دیکھ لے
خود تری دھندلی نظر آتی ہے صورت دیکھ لے

تو جو لے ناداں ادب میں ٹھونس کر مذہب کا رنگ
بن کے شاعر کر رہا ہے قافیہ فطرت کا تنگ
کیا بنانا چاہتا ہے اس کو بھی میدانِ جنگ
کیوں زمینِ شعر میں تو کھودتا ہے یہ سُرنگ

خانہ برانداز گر قصرِ ادب ڈھاۓ گا تو
ہو کے خود بے خانماں آخر کو پچھتاۓ گا تو

کیا شوالہ ہے ادب، مسجد کا یا مینار ہے
یا کوئی تسبیح ہے یا رشتۂ زنّار ہے
یہ خلافت کا قضیّہ تو نہیں لے یار ہے
باہمی آویزش ایسی شے میں بھی بیکار ہے

مشترک اک باغ ہے فکرِ سخن سب کے لیۓ
سیرگاہِ طبعِ موزوں یہ چمن سب کے لیۓ

شاعری اک ساقیِ فطرت کا فیضِ عام ہے — دیکھ کر دیتا ہے جتنا کہ ظرفِ جام ہے
مبدءِ فیاض کا در اصل یہ انعام ہے — جس کو جو چاہے عطا کر دے یہ اُس کا کام ہے
روح کو آلائشِ بغض و حسد سے صاف کر
قدرداں خونِ جگر کھانے کے خود انصاف کر

سُن تو اہلِ معرفت کہتے ہیں کیا اے ہم نشیں — یعنی شاعر خلق ہی ہوتا ہے بن سکتا نہیں
کچھ سمجھ لے پہلے پھر لڑنا چڑھا کر آستیں — ایک ہی ہیں ناظم و شاعر غلط ہے بالیقیں
طبعِ موزوں ایسی وہبی شئے سے کوسوں دُور ہے
شاعری جزویست از پیغمبری مشہور ہے

تو بڑا شاعر سہی تیری کوئی عظمت نہیں — ہند کی منڈی میں تیری جنس کی قیمت نہیں
سب کو ہے آرام قسمت میں تری راحت نہیں — پھر تری عزّت کرے گا کون جب دولت نہیں
"خرس باش و خوک باش و یا سگِ مردار باش"
"ہرچہ باشی باش عرفی اندکے زردار باش"

پیشہ ور جتنے ہیں ان کی ملک میں عزت تو ہے — کم سہی لیکن ہر اک صنعت کی کچھ قیمت تو ہے
ہر ضرورت پر کسی صنّاع کی حاجت تو ہے — جز ترے ہر اہلِ فن کی کچھ نہ کچھ اُجرت تو ہے
قسمتِ برباد تیری بن کے اُڑ جاتی ہے بھاپ
ہے صلہ تیرا یہی "کیا خوب فرماتے ہیں آپ"

سب کو ہے فکرِ معیشت پر تجھے کیا احتیاج — بس کہے جا شعر، باقی چھوڑ دے سب کام کاج
کہتے کہتے شعر گر ناساز ہو جائے مزاج — یاد رکھ فکرِ سخن بالمثل ہے اس کا علاج
یہ غذائے روح ایسی تقویت پہونچائے گی
شعر سُننے کو بڑھاپے میں جوانی آئے گی

عالم اسباب میں تو اس قدر بے کار ہے	تیری ہستی ملک و ملت کے لئے اک بار ہے
جب یہ حالت ہو کہ جس سے زندگی دشوار ہے	موت ہو پھر شاعری یا کم سے کم آزار ہے

ملک کی ناقدر دانی جب ترا دل توڑ دے
ہوش میں آ ہوش میں یہ فکرِ باطل چھوڑ دے

آج کل ہوتی ہے یوں نام و نمودِ شاعری	جمع کرلے پہلے کچھ شاگرد جاہل جُحبّتی
دُھن سکھا دے شعر پڑھنے کی انھیں اچھی بری	طرح میں کہہ کر غزل دو تین سو اشعار کی

رکھ لے کچھ اشعارِ چیدہ آپ باقی چھانٹ دے
جس قدر کترن ہو شاگردوں کو اپنے بانٹ دے

ایسے چیلے مل گئے تجھ کو اگر کچھ لے گرو	یہ پسینے پر ترے اپنا بہا دیں گے لہو
کوئی منھ اُن کے لگے گا کیوں بخوفِ آبرو	پھر تو دنیائے ادب میں ہر طرف ہے تو ہی تو

سب یہی تلمیذِ سحبانِ زمن بن جائیں گے
جانشیں کچھ ہوں گے کچھ اُستادِ فن بن جائیں گے

ہند بھر میں بھیجنا ہو شاعری کا گر پیام	جس قدر نکلیں رسالے سب میں بھیج اپنا کلام
رفتہ رفتہ ملک میں مشہور ہو جائے گا نام	شہرتِ بے جا کا ٹکا ہے یہی اک والسلام

محنتِ برباد کا بھی کچھ صلہ پا جائے گا
نام ہو گا اک رسالہ مفت ہاتھ آ جائے گا

ہر اڈیٹر اپنے اپنے طرز پر دے گا خطاب	مظہر الادجاع۔ مفتاح الجنوں۔ رقص الشباب
مرکز العشاق۔ مقیاس الطرب۔ کیف الشراب	ابتہاج العہد، علامہ۔ مزامیر الرباب

منبت الاشعار۔ زرّین العصر۔ یافوخ الخیال
مبدع الجذبات۔ خیام الزمن۔ جدّ الکمال

اب تو پیدا ہو رہے ہیں رشکِ غالب فخرِ میرؔ ۔۔۔ آتشؔ و ناسخؔ کو نو سیکھیے سمجھتے ہیں حقیر
کہہ گیا ہے اک پرانا شاعرِ روشن ضمیر ۔۔۔ شاعرانِ حال کیا مضمون نو پائیں امیرؔ

"ڈھونڈھتے ہیں پر تخلص بھی نیا ملتا نہیں"
ٹاپتے پھرتے ہیں سید ھا راستا ملتا نہیں

ہم نے مانا گو ہے تیری مادری اُردو زباں ۔۔۔ پھر بھی بے سیکھے نہیں آتی کوئی شے مہرباں
بچپنے سے ہو گیا انگریزیت کا درس خواں ۔۔۔ تو نے اُردو سیکھنے کا وقت ہی پایا کہاں

تجھ سے خود تیری زباں کو شکوۂ بیداد ہے
سن بگوشِ دل کہ اُردو مائلِ فریاد ہے

بحرِ رمل مثمن مقصور یا محذوف ۔۔۔ ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

یہ وکالت کر رہا ہے ضامنِ رنگیں بیاں ۔۔۔ اب توجہ سے سُنیں فریادِ اُردو قدرداں
آپ سے فریاد کرنے آئی ہے اُردو زباں ۔۔۔ گر مناسب ہو تو حضرت سن لیں اس کی داستاں
کہہ رہی ہے درد دل اپنا سنانے آئی ہوں ۔۔۔ مجھ سے جو روٹھے ہیں میں اُن کو منانے آئی ہوں
یاد ہیں وہ دن بھی جب عاشق زمانہ تھا مرا ۔۔۔ بچے بچے کی زباں پر اک فسانہ تھا مرا
اس سرے سے اُس سرے تک ملک میں پھیلی تھی میں ۔۔۔ جس کا کل ہندوستاں مجنوں تھا وہ لیلیٰ تھی میں
مجھ پہ مرتے تھے مسلماں اور ہندو تھے نثار ۔۔۔ فارسی بھی جھینپتی تھی دیکھ کر میرا سنگار
میں ہوئی صحبت میں شاہانِ سخن کی بار یاب ۔۔۔ روز بڑھتا ہی گیا ہر رنگ میں حُسنِ شباب
ایک دل بھی تھا نہ مجھ سے ہند میں برخاستہ ۔۔۔ ہر طرح کے خوش نما زیور سے تھی آراستہ
یا تو یہ عزت تھی میری یا یہ حالت ہو گئی ۔۔۔ ذکر غیروں کا ہے کیا اپنوں کو نفرت ہو گئی
میرے سر پہ ایسا بدبختی کا بادل چھا گیا ۔۔۔ عاشقوں کا نام بیگانوں میں میرے آ گیا

جب سے انگریزی کا لفظی ترجمہ ہونے لگا
مجھ پہ قبضہ ہو گیا الفاظِ نامانوس کا

جو نہیں اَب جانتا اہلِ عرب کا ایک حرف
وہ بھی ہر تحریر میں قاموس کر دیتا ہے صرف

غیر اگر اس پر بگڑتے ہیں تو کچھ بے جا نہیں
میری دلچسپی میں فرق آجائے یہ اچھا نہیں

آپ کیوں ترکیبِ نامانوس لائیں مہرباں
اور کیوں اپنی زباں کا چھوڑ دیں طرزِ بیاں

آپ انگریزی کا آخر کیوں تتبع کیجیے
اور الزامِ جہالت اپنے سر کیوں لیجیے

زیب دے سکتا نہیں ہو مجھ پہ انگریزی لباس
کیجیے بہرِ خدا اپنی زباں کا کچھ تو پاس

میری دلچسپی کو غائب کر رہے ہیں خود پسند
زعمِ باطل میں مجھے کرتے ہیں وہ گویا بلند

جاں بلب ہوں ہمنشیں سنتے نہیں نالے مرے
دشمنی کرتے ہیں مجھ سے چاہنے والے مرے

بے محل الفاظ لا کر کیوں مٹاتے ہیں مجھے
جو نہ ہو موزوں وہی زیور پنہاتے ہیں مجھے

مجھ کو اک ہیجا بنائیں لوگ ہیں اس تاک میں
کان میں پازیب لٹکا دی ہے چھاگل ناک میں

لفظِ عریاں ہو گیا ہے اتنا لوگوں کو پسند
میری عریانی پہ اب ہنسنے لگے ہیں دردمند

عقل عُریاں ہو گئی جذبات عُریاں ہو گئے
انتہا یہ ہے کہ احساسات عُریاں ہو گئے

کیجیے الفاظِ معنی دار سے زینت مری
لفظِ بے معنی سے بڑھ سکتی نہیں شوکت مری

نازِ رقصاں، رازِ رقصاں شعر میں سب بھر دیا
مختصر یہ ہے کہ ہر ساکن کو رقصاں کر دیا

گاہ چشمِ سُرمگیں کو آہوِ لرزاں کہا
اور اُس کے قافیے میں گریۂ خنداں کہا

ایک ساکت رَو کہا برقِ جہندہ کو کبھی
عصمتِ خالق کہا تقصیرِ بندہ کو کبھی

لفظِ مہمل کو نکاتِ شاعرانہ کہہ دیا
سرسری کی جا کہیں پر طائرانہ کہہ دیا

رات دن ہی لفظِ بے معنی فقط گڑھنے سے کام
رکھ لیا ہے نغمۂ خاموش سناٹے کا نام

مرتعش مرکز کا استعمال ہے دل کی جگہ
لفظ نقطے کا رکھا جاتا ہے منزل کی جگہ

لائے جو ترکیبِ نامانوس و الفاظِ غریب
بس وہی اُن کی نگاہوں میں ٹھہرتا ہے ادیب

پوچھو گر ترکیب جملے کی تو ہوتا ہے غضب   کہتے ہیں ہرگز نہیں یہ داخلِ علمِ ادب

جو قواعد جانے ہو سکتا نہیں ہے وہ ادیب   شعر وہ کیا جس کے معنی فہم سے کچھ ہوں قریب

شعر میں شاعر عُمق ہونے کا ذمّہ دار ہے   فاعلاتن فاعلاتن بحث یہ بے کار ہے

شعر تو جذباتِ تخلیقی” میں موزوں ہو گیا   دونوں مصرع ہو گئے دو بحر میں تو عیب کیا

ہے وہ سطحی چیز لکھے گر کوئی شُستہ زباں   کیونکہ بے سوچے سمجھ لیتے ہیں سب خُرد و کلاں

صاف بامعنی عبارت گر کسی نے کچھ لکھی   تو یہ کہتے ہیں کہ اُردو کی ترقی کیا ہوئی

گر کسی کے شعر میں رنگِ تغزّل آ گیا   وہ بڑا مجرم ادب سوزی کا ٹھہرایا گیا

طعن یہ ہے آپ میں تخلیق کی قوت نہیں   صاف سادے شعر تو شاعر کی ذہنیت نہیں

اس میں موسیقی نہیں ہے اور کوئی لے نہیں   جس سے کیفیّت ہویدا ایسی کوئی شے نہیں

شعر میں عریاں نہیں ہے جلوۂ لرزاں نہیں   پھر بھلا بے ان کے آ سکتی ہے شعریّت کہیں

شانِ تخلیقی نہیں لفظیں نہیں معنی تراش   صاف اُردو ہے کوئی مصرع نہیں ہے “کیف پاش”

نالۂ پُرغم کی ہیں بے کیف سم آمیزیاں   کچھ تبسّم ریزیاں ہوں کچھ ہوں خندہ بیزیاں

بحث کیوں اس کی کہ یہ فقرہ غلط ہے یا صحیح   ہو جو انگریزی کا لفظی ترجمہ وہ ہے فصیح

الغرض ہر طرح بے معنی بتاتے ہیں مجھے   دیدہ و دانستہ یہ ناداں مٹاتے ہیں مجھے

اک بہن ہندی ہے میری جس کا اب چمکا ہے بھاگ   حشر تک پرماتما قائم رکھے اُس کا سُہاگ

کیوں مخالف بنیئے اس کے بحث کو کیوں دیجے طول   لفظ جو مانوس ہو اُس کا اُسے کیجے قبول

غیر ملکی لفظ جو جاری زبانوں پر نہیں   اُس سے تو ہندی کے آساں لفظ بہتر ہیں کہیں

جمع ہیں اہلِ سخن فریاد کرنے آئی ہوں   زخم دل میں جو پڑے ہیں اُن کو بھرنے آئی ہوں

قلب زخمی ہو گیا ہے آنکھ سے بہتا ہے خوں   آپ کے آگے نہ روؤں میں تو پھر کس سے کہوں

چھوڑیئے للّٰلہ انگریزی کا اب طرزِ بیاں   بولیئے صاف آمن خدا کے واسطے اپنی زباں”

نظم نمبر ۶۹ — سنہ ۳۴ ۱۹ء — تعداد اشعار ۱۳

اُونٹیا لوجی

نوٹ: یہ نظم شیعہ عربی کالج لکھنؤ کے متعلق ہے جس کے اراکین انتظامی میں بعض دراز قامت بزرگ بھی تھے۔ اِن کے قد و قامت کے لحاظ سے اونٹ کی مشابہت کا دھوکا کھا کر شاعرانہ انداز سے مناسب الفاظ صرف ہوئے ہیں اس نظم کی سُرخی میں بھی اسی رعایت سے خاص جدّت طرازی کی گئی ہے اور ایک نیا لفظ بہ اندازِ ظرافت ایجاد کیا گیا ہے جس کا سرا اُردو اور باقی دھڑ انگریزی مسالے سے ترکیب دیا گیا ہے۔ انگریزی میں بیالوجی وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں جس کے معنی علم الحیوان کے ہیں لہٰذا اونٹیا لوجی سے شاعر کی مراد یہ ہے کہ اس نظم میں شتر صورت یا سیرت انسانوں کے خواص کی ضمناً تشریح کی گئی ہے اظہارِ خیال میں سرخی کی مناسبت سے تلازمے کے لئے مناسب الفاظ کا انتخاب محض تفننِ طبع کے لئے کیا گیا ہے۔ (صفی عفی عنہ)

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

چانسلر جامعۂ داہیہ کے اُشتر قد — پا چکے ہیں جو بعیرُ العلمائی کی سند

جن کے حصے میں شتر کینہ موروثی ہو — آپ کو مشرق و مغرب کے لڑانے میں ہو کد

اہلِ مغرب سے غضب کا ہے تعصب ان کو — شیر برطانیہ سے آپ کو ہے بغض و حسد

آپ حامی ہیں اسی سے عربک کالج کے — چاہتے ہیں کہ ملے اونٹ کے بچّوں کو مدد

لیکن اُن بچوں کا ہو داخلہ اس کالج میں — اشترِ جنگِ جمل جن کا ہو جدِّ امجد

تا شتر غمزۂ قومی کی ہوں کامل تصویر — والدہ ناقۂ لیلےٰ ہو یہ ہوں اس کے ولد

اونٹیا لوجی کی تعلیم کے دلدادہ ہوں — بدگہر ہوں کہ نہ ہوں نیک وہ ہوں چاہے بد

قوم کی گاڑھی کمائی کا وہ کھا کر چارہ — بلبلاتے ہوں شتر خانے میں اپنے از حد

ایسے بچّوں کے لئے قید لیاقت کی نہیں
اُن کو مل جائے گی فوراً ہی فضیلت کی سند

منتخب کر دیں جنھیں خواجہ لکھوٹ پوری
پُشت خار الفضلا حامِل ریشِ بَرگد

مگر اس شرط سے جو ہوں متعلم اس کے
دل میں ہو اُن کے نفاق اور طبیعت میں حسد

فائدہ جب ہے کہ جب قوم لڑے آپس میں
ہر اک اسکیم میں ہے آپ کا اتنا مقصد

گم ہوئی چشم بصیرت سے بصارت اس طرح
گھٹ کے روباہ بنا بیشہ کالج کا اسد

نظم نمبر ۷ — ۲۵ مئی ۱۹۳۴ء — تعداد اشعار ۸۰

فغانِ لکھنؤ

نوٹ سرفراز اخبار لکھنؤ میں ایک نظم کسی صاحب نے شایع کرائی تھی جس میں مسلمانان لکھنؤ کی بے جا مدح سرائی کی تھی درحالیکہ واقعے کے خلاف وہ نظم تھی اور ضرورت اس کی تھی کہ موعظانہ انداز سے اصل حقیقت اور اُن کی صحیح زندگی کا خاکہ پیش کیا جائے تاکہ حسبِ ضرورت اصلاح کی طرف اُن کی اور بہی خواہانِ قوم کی توجہ مبذول ہو۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے یہ نظم کہی گئی تھی۔

(صفی عفی عنہٗ)

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

مرحبا اے اہلِ دل اے قدردانِ لکھنؤ — نظم کس خوبی سے کی ہے داستانِ لکھنؤ
آپ کے زورِ بیاں سے زخم دل رسنے لگا — سنیئے اب کچھ دردِ دل اے مہربانِ لکھنؤ
باادب کچھ عرض کرنا چاہتا ہے یہ حقیر — بندۂ ناچیز ننگِ شاعرانِ لکھنؤ
سچ کی تلخی اس گزارش میں اگر محسوس ہو — منہ بنا کر ٹال جائیں نکتہ دانِ لکھنؤ
عیب جو جس میں ہو اُس کے منہ پہ کہنا چاہیئے — ہے یہی اصلاحِ قوم اے مُصلحانِ لکھنؤ
قصۂ پارینۂ ماضی سے اب کیا فائدہ — دیکھیے کس حال میں ہیں مسلمانِ لکھنؤ
غم تو اس کا ہے کہ مستقبل بہت تاریک ہے — ہوش میں کیونکر سے آئیں سرگرانِ لکھنؤ
خانہ جنگی ہے مسلمانوں میں برپا رات دن — منظرِ جنگِ جمل ہے اب میانِ لکھنؤ
فیصلہ جن کا نہ تیرا سو برس تک ہو سکا — اب وہ بحثیں طے کریں گے عامیانِ لکھنؤ
کیا مُبلّغ اور واعظ کا یہی اک کام ہے — لڑ مریں بے کار باہم مسلمانِ لکھنؤ
دین کا تنور روشن ہو تو پھر روٹی پکے — بیٹھے بیٹھے خوب سوچیں مفلسانِ لکھنؤ

جمع ہو چندہ بکیں اخبار ہنگامہ مچے — جیل میں جائیں بلا سے جاہلانِ لکھنؤ
گرم بازارِ وکالت ہو رقم جیبوں میں آئے — پھر چھپے رستم کریں طے ہفت خوانِ لکھنؤ
بعض کے دل میں بھرا ہے لیڈری کا ولولہ — بے پیئے مخمور ہیں نو دولتانِ لکھنؤ
دیکھتے ہی دیکھتے لو، بن گئی بادِ نسیم — یہ ہوا کیونکر نہ ہو وجہِ خزانِ لکھنؤ
اب تو دو ملا میں ہے اسلام کی مرغی حرام — دونوں کے دونوں ہیں میرِ کاروانِ لکھنؤ
پوسٹر بازی میں ہیں مصروف و سرگرم عمل — ایسے ہی ہوتے ہیں قومی مصلحانِ لکھنؤ
ناقہ صالح کی صورت بیچ میں اسلام ہے — پے اسی کو کر رہے ہیں سرکشانِ لکھنؤ
آل و اصحابِ نبی قبروں میں زخمی ہو گئے — چل رہی ہے اس طرح تیغ زبانِ لکھنؤ
لڑ رہی ہے جاہلوں کی فوج بے سردار کے — دم بخود ہیں دونوں جانب عالمانِ لکھنؤ
خطرے بڑھتے جا رہے ہیں اور حکومت ہے خموش — اب تو دار الحرب ہے دار الامانِ لکھنؤ
ہے بہت مذموم یہ کھانے کمانے کا طریق — جس سے خطرے میں پڑیں باشندگانِ لکھنؤ
دشمنِ اسلام دنگل دیکھتے ہیں دور سے — ساکھ لڑ کر کھو رہے ہیں پہلوانِ لکھنؤ
انقلابِ دہر کہتے ہیں اسی کو اہلِ عقل — ہو گیا نیچا زمیں سے آسمانِ لکھنؤ
لکھنؤ کے باغ میں کیونکر نہ آ جائے خزاں — سو رہے کنجِ لحد میں باغبانِ لکھنؤ
یادِ ایامے کہ دار السلطنت تھا یہ مقام — صلح جو اور امن پرور تھے شہانِ لکھنؤ
درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے مدام — مفتیانِ لکھنؤ اور عالمانِ لکھنؤ
یوں مبلغ اور واعظ کی کہیں کثرت نہ تھی — در پئے ایذا نہ تھے یوں جاہلانِ لکھنؤ
سنی شیعہ کا کہیں پیدا نہ ہوتا تھا سوال — اس قدر شیر و شکر تھے ساکنانِ لکھنؤ
محفلِ میلاد اور بزمِ عزا دونوں جگہ — بیٹھتے تھے مل کے سب باشندگانِ لکھنؤ
غیر مسلم تک نہایت شوق سے سنتے تھے ذکر — جب بیاں کرتے تھے کچھ اہلِ زبانِ لکھنؤ

اُن کے منہ سے پھول جھڑتے تھے ٹپکتا تھا نہ زہر — عہدِ ماضی میں تھے جتنے خوش بیانِ لکھنؤ

ہوتی تھیں باہم مسلمانوں میں رشتہ داریاں — یوں نہ تھے آپے سے باہر خود سرانِ لکھنؤ

جب یہ اسلامی اخوّت مدتوں قائم رہی — دل میں گھبرانے لگے خود مطلبانِ لکھنؤ

تفرقہ جب تک نہ ہو آپس میں پوچھے ان کو کون — بے نشاں کیونکر نہیں نام آورانِ لکھنؤ

سب سے پہلے شہر میں پھیلا بلا فصلی بخار — اور عدالت تک گیا شورِ اذانِ لکھنؤ

اس سے پہلے کیوں ہوا آخر نہ اس پر احتجاج — کیا تقیے میں تھے سُنّی عالمانِ لکھنؤ

فتنہ پردازوں نے ڈھونڈھا تفرقے کا راستہ — گھٹ چلی افسوس یکرنگی کی شانِ لکھنؤ

ایک عرصے تک تو اس کی پھلجھڑیاں بجھتی رہیں — سرد ہو کر رہ گیا پھر دیگدانِ لکھنؤ

آ گئے وہابیت کے جب یہاں خفیہ قدم — اور اُن کو مل گئے کچھ قدردانِ لکھنؤ

مذہبی سُنّی سے پھر ہونے لگا قومی تسکار — پھر سجی ایماں فروشوں نے دکانِ لکھنؤ

فتنہ پھر سن سات میں ایسا نیا پیدا ہوا — جس کو سُن کر چونک اُٹھے حاکمانِ لکھنؤ

تفرقہ اسلام کا جھنڈے کے اوپر چڑھ گیا — بن گئے بالے میاں پیرِ مغانِ لکھنؤ

دب گئی قانون کے چھینٹے سے کچھ اُس وقت آگ — پھر ہوا دیتے رہے دامن کشانِ لکھنؤ

جب خدا کے گھر پہ قابض ہو گیا ابنِ سعود — پھر تو سر چڑھنے لگے وہابیانِ لکھنؤ

مرقدِ آلِ نبی و قبرِ عثمانِ غنی — کُھد گئے لیکن نہ چونکے سرگرانِ لکھنؤ

سبّ و شتمِ آلِ احمد عینِ سُنّت ہو گئی — پاٹا نالہ بن گیا اک نہروانِ لکھنؤ

اک طرف اعلانِ جنگ اور اک طرف اس کا دفاع — گتھ گئے آپس میں باہم مسلمانِ لکھنؤ

حملہ شیعوں پر یہ خالی اک سیاسی چال ہے — آج تک سمجھے نہ جس کو ساکنانِ لکھنؤ

یہ عزاداری کا استقبال تو ہے اس لئے — تا بھڑک جائیں نہ فوراً سُنّیانِ لکھنؤ

ورنہ خود احناف پر وہابیوں کی چوٹ ہے — عارضی سُنّی ہیں حنالی شیعیانِ لکھنؤ

آگے چل کر فاتحہ پر گیارھویں کے ہو گی زد — وہ بھی بدعت ہے برائے نجدیانِ لکھنؤ

صحبتِ میلادِ ختم المرسلین بھی ہو گی بند — بدعتی ہو جائیں گے میلاد خوانِ لکھنؤ

پوچھیے گا تھا کہاں پر شاہ مینا کا مزار — نجد بن جائے گا جس دن خاکدانِ لکھنؤ

قبر عثمانِ غنی جو کر چکے ہیں بے چراغ — ہیں اسی مسلک کے نجدی بدویانِ لکھنؤ

کھود ڈالیں گے یہ باغِ مولوی انوار کو — یہ مٹا دیں گے قبورِ کاملانِ لکھنؤ

خانقاہیں نقب سے مسمار کر ڈالیں گے سب — ٹھوکریں کھاتے پھریں گے صوفیانِ لکھنؤ

پہلے کاکوری پہ حملہ ہو گا پھر اجمیر پر — اور قوت پا گئے گر کوفیانِ لکھنؤ

پھر کہاں لطفِ چراغاں پھر کہاں بزمِ سماع — نجد کا جنگل بنا جب بوستانِ لکھنؤ

پھیل جائیں گے جو رفتہ رفتہ مسلم آئیے — اور یہی ہو جائے گی اس وقت شانِ لکھنؤ

اب تو بدعت ہے فقط رونا کسی مظلوم پر — کل سبق خود دے گا دار الامتحانِ لکھنؤ

بل کے روئیں گے مسلماں میتِ اسلام پر — آج تو بغلیں بجا لیں لیڈرانِ لکھنؤ

اپنے ہاتھوں خود مٹاتے ہیں عزاداری کی شان — ہیں بری اس جرم سے کب شیعیانِ لکھنؤ

کیا عزائے سبطِ پیغمبر اسی کا نام ہے — جمع ہو کر کوچہ گرد و جاہلانِ لکھنؤ

کاٹتے ہیں وقت بے کاری میں اپنا اس طرح — اک کمیٹی میں بنا کر درمیانِ لکھنؤ

روز اک ایجاد ہوتی ہے نئی ماتم کی دھن — منہمک ہیں اس میں اکثر نغمہ خوانِ لکھنؤ

ماتمی نظموں میں اکثر "تھیٹر" کی دھنیں — یہ تماشا ہو رہا ہے اب میانِ لکھنؤ

"حیو حیو" ہے کہیں پر اور کہیں پر "دوئے دوئے" — اس طرح کرتے ہیں ماتم نوحہ خوانِ لکھنؤ

بن گیا اک "کاٹھ" تک شبیہِ ذو الجناح — واہ کیا کہنا مرے زندہ دلانِ لکھنؤ

تین فٹ لمبا علم تھا کس مجاہد کا بتاؤ — یہ نشانِ کربلا ہے یا نشانِ لکھنؤ

کون ہاتھی پر علم رکھ کر چلا وقتِ جہاد — یہ بتائیں تو سہی تاریخ دانِ لکھنؤ

دل بڑھایا جا رہا ہے اُن کا استقبال سے
جو مٹاتے ہیں عزاداری کی شانِ لکھنؤ

سُوزنا جائز تھیٹر کی دھنیں مقبولِ عام
واہ کیا کہنا تمھارا مفتیانِ لکھنؤ

کون ٹوکے واعظانِ خوش بیاں خاموش ہیں
ہم سے آزردہ نہ ہوں تا سا کنانِ لکھنؤ

کیا یہی آقا کی سیرت تھی جو تم میں وصف ہے
شیعیانِ لکھنؤ اے مومنانِ لکھنؤ

ماتمی تم میں بہت ہیں یا نمازی یہ بتاؤ
کتنے قرآں خوان کتنے نوحہ خوانِ لکھنؤ

کیا حسینؑ ابن علیؑ نے جان دی تھی اس لیے
جز بکا سب چھوڑ بیٹھیں شیعیانِ لکھنؤ

میں نہ واعظ ہوں نہ ناصح بخش دیں میری خطا
جان کر منجملۂ دیوانہ گانِ لکھنؤ

یہ کلام اپنا فقط مجذوب کی بڑ ہے ظریف
میرے منہ سے کیوں سُنے کوئی فغانِ لکھنؤ

نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۱۷ ۶ر اکتوبر ۱۹۳۴ء تعداد اشعار ۱۲

بَرقِ تکلم

بحر ہزج مثمن سالم ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ہماری زندگی کیا کیا سبق دیتی ہے عبرت کے
جو ہوتی چشم بینا قلبِ غافل پر اثر ہوتا

نہ ہوتا میکدہ یہ صحنِ عالم گر حقیقت میں
بھلا یوں ایک سے پھر دوسرا کیوں بے خبر ہوتا

سدھارے لکھنؤ سرکاریاں اندھیر برپا ہے
ہے تنہائی تو اس میں روشنی کا کیوں گزر ہوتا

نمازِ مغربین آخر پڑھوں کیونکر اندھیرے میں
نہ کہتا کچھ جو مجھ کو ترکِ واجب کا نہ ڈر ہوتا

شفیق محترم حضرت بہادر میرزا صاحب
غضب ہوتا اگر مختار تھوڑا سا بشر ہوتا

ابھی جن عارضی چیزوں پہ قبضہ اس کو حاصل ہو
انھیں سے جانچ لیتا گر کوئی اہلِ نظر ہوتا

مدار زندگی انسان کا جن نعمتوں پر ہے
جو اس کے بس میں ہوتیں ایک عالم نوحہ گر ہوتا

یہ پہلے اپنے ہمجنسوں کے اوپر بند کر دیتا
دکھاتا سب کو قدرت کچھ بھی یہ قادر اگر ہوتا

ہوا چلتی فقط ہر صاحبِ دولت کے گھر میں
ہم ایسے مفلسوں کا جھونپڑا گویا سقر ہوتا

نکلتے چاند سورج صرف قصرِ اہلِ ثروت پر
لحد سے بھی غریبوں کا مکاں تاریک تر ہوتا

برستا ابر بھی جا کر امیروں کی زراعت پر
غریبوں کا فقط آنسو سے دامن بھی کے تر ہوتا

ہوا بادِ دشتی پانی کہاں ملتے غریبوں کو
اگر خلاقِ عالم بھی کوئی انجینیئر ہوتا

ظریفؔ اس کی شکایت کیا یہی دستورِ عالم ہے
تہی دستانِ قسمت کا کوئی کیوں چارہ گر ہوتا

نوٹ۔ ظریف مرحوم ریاست محمود آباد کے قلعۂ معلیٰ میں مقیم تھے۔ قلعۂ مذکور کے جس کمرے میں ان کا قیام

تھا اس میں برقی روشنی اور پنکھے کا انتظام تھا۔ لیکن ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ راجہ صاحب محمود آباد لکھنؤ چلے گئے بہادر مرزا صاحب انجینیر ریاست عالیہ نے اپنی طبیعت سے بہ نظر خیر خواہی ریاست بجلی کے تار کے سلسلے کو جہاں اور کمروں سے کاٹ دیا اس کمرے سے بھی تار کے سلسلے کو منقطع کر دیا جس میں ظریف مرحوم مقیم تھے جس کی وجہ سے روشنی اور ہوا کی تکلیف ہونے لگی اس موقع پر دوستانہ شکایت کے عنوان سے یہ نظم ظریف مرحوم نے انجینیر صاحب موصوف کی خدمت میں لکھ کر بھیج دی نظم بے حد سبق آموز ہے۔

(صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۲۷۸ — ۱۳؍ اگست ۱۹۳۴ء — تعداد اشعار ۱۱

الکشن سرکس

نوٹ۔ ظریف مرحوم نے اس نظم میں حضرت آتش مرحوم کے مشہور شعر کی تضمین کی ہے۔ الکشن کو ایک سرکس قرار دے کر اچھی اچھی جوڑیں پھڑکائی ہیں اور اس الکشن کے سبب سے باشندگان ہندوستان میں جو رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں اس پر خوب روشنی ڈالی ہے۔ (صفی عفی عنہ)

بحر متقارب مثمن سالم — ارکان فعولن فعولن فعولن فعولن

الکشن کے سرکس کو اب دیکھیے گا — کہ ہوتے ہیں کرتب وہاں کیسے کیسے
سیاسی قلابازیاں کھانے والے — ہیں نٹ کھٹ حماقت نشاں کیسے کیسے
سیہ مست ہیں نشۂ لیڈری میں — مریدانِ پیرِ مغاں کیسے کیسے
کوئی مولوی ہے کوئی مالوی ہے — اُٹھے لے کے انگڑائیاں کیسے کیسے
اکھاڑے میں کونسل کے لکھوانے والے — ہوئے جمع پیر و جواں کیسے کیسے
ہیں تیار لڑنے پہ شہ زور پٹھے — بجیت ان میں ہیں پہلواں کیسے کیسے
گھمنڈ اس کو دولت پہ جرأت پہ اُس کو — اکٹھا ہوئے بدگماں کیسے کیسے
لڑے گا جو ناترس شورِ اذاں سے — تو اُٹھیں گے فتنے یہاں کیسے کیسے
مرے ناتواں ہند کے رہنے والو! — تمہارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے
بہار و خزاں کے اثر دیکھنا ہیں — تجھے باغِ ہندوستاں کیسے کیسے

"زمینِ چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے"

نظم نمبر ۷۳ — ۱۹۳۵ء — تعداد اشعار ۲

آزمائش ممبران کونسل

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

گورنر سے تقرب ہو تو کب خطرے میں لاتے ہیں
اگر چیمبر کے ممبر کب لوئر چیمبر میں جاتے ہیں

ظریف اس کی شکایت شیوۂ اہلِ وفا کب ہے
الگ بیٹھے ہوئے ہم وضع داری آزماتے ہیں

نوٹ۔ یہ قطعہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو لوئر چیمبر کو اس بنا پر پسند نہیں کرتے کہ گورنر کے تقرب سے دوری ہو جائیگی

(صفی عفی عنہ)

نظم نمبر ۷۴ — ۱۹۳۵ء — تعداد اشعار ۵

گرانباریِ مصارفِ تعلیم

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

گراں تعلیم ہے بالفعل اسٹوڈینٹس ارزاں ہیں
جگہ ہر مدرسے میں کم ہے اور لڑکوں کی کثرت ہے

زمانہ طالب العلمی کا جب انکا رہیں گزرے
تو کہیے پاس ہو جانے کی آخر کون صورت ہے

کریں گے تکملہ تعلیم کا کس طرح بیچارے
کہ نصب العین پہلے ہی سے جب کسبِ معیشت ہے

ظریف نکتہ رس کا قول سچ ہے حضرتِ مہدی
جو حاصل کر چکے تعلیم اب ان کی یہ حالت ہے

کمائی عمر بھر کی کھو کے بی۔اے کی سند لی
ال۔ال بی پاس ہونے پر تو اب فاقوں کی نوبت ہے

نوٹ۔ مہدی حسن صاحب سرکار راجہ صاحب بہادر ریاست محمود آباد کے پرائیوٹ سکریٹری ہیں انھیں سے اس قطعے میں تخاطب ہے اور طلبہ کی اقتصادی حالت پر اظہار تاسف کیا گیا ہے۔ (صفی عفی عنہ)

نظم نمبر ۷۵ — ۲۲ر نومبر ۱۹۳۵ء — تعداد اشعار ۱۱

لکھنؤ یونیورسٹی کا جانور خانہ

نوٹ۔ لکھنؤ یونیورسٹی میں طلبہ نے جو مشاعرہ ۱۹۳۵ء میں منعقد کیا۔ اس صدارت کے لیے جناب راجہ صاحب محمود آباد سے وعدہ لیا۔ ظریف مرحوم نے بھی اس مشاعرہ میں حسب وعدہ شرکت کی لیکن وہاں طلبہ کی طرف سے خلاف آداب مجلس حرکات کو دیکھ کر وہ بے حد متاسف اور متحیر ہوئے اور اس نظم میں وہیں کی حالت کو باختصار دکھایا ہے تاکہ سبق آموز ہو۔ (صفی عفی عنہ)

بحر متقارب مقبوض اثلم شانزدہ رکنی — ارکان فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن

خیال تھا دل میں آؤ اک روز چل کے دارالعلوم دیکھیں — یہ لوگ کس قسم کے مہذب ہیں جن کی تعلیم مغربی ہے

مشاہدہ جا کے ہم نے بزم ادب کا اُن کی کیا تو دیکھا — ام اے بی اے ہوں لاکھ ہوں پر انسانیت کی ان میں بہت کمی ہے

نہ صدر محفل کا احترام اور نہ مہمانوں کا پاس خاطر — کریں خفیف اپنے میہماں کو یہ شان اخلاق ہی نئی ہے

تھے جمع گھوشال۔ گھوش، متر، کہیں سنرجی، کہیں چٹرجی — کہ جن کو اردو سے مس نہ مَس کچھ در اصل اک بغض للّٰہی ہے

مشاعرے کی بنا جنھوں نے یہاں پہ کی یہ سمجھ تو لیتے — فضا موافق ہے یا مخالف، مذاق شعر و سخن کا بھی ہے!

برائے تفریح اور اشغال کم نہ تھے اس سے فائدہ کیا — زبان اُردو ذلیل کی جائے کیوں جو اک رشتہ مادری ہے

بھلا یہ بزم سخن تھی یا مغربی کبڑیوں کی اک منڈی — جہاں یہ ہر سمت شور و غوغا ہے یا ہنسی اور دل لگی ہے

حرام خود دار کو ہے شرکت جب ایسی بزم سخن ہو جس جا — غزل سرائی در اصل ایسی جگہ پہ توہین شاعری ہے

کلام شاعر کا لطف ہی کیا جہاں پہ ہوں بد تمیز سامع — کہ جیسے ہوں جمع بھینس کے پڑوے اُن میں اک بین بج رہی ہے

پروفیسر جب کہ دم بخود ہوں تو پھر ڈسپلن ہو کہاں سے — ہر ایک آزاد بے نتھا بیل ان کی شائستگی یہی ہے

پڑھے لکھوں کی یہ ہیئت دیکھ کر کہیں گے ظریف اکثر
زولاجیکل گارڈن کی اک شاخ لکھنؤ یونیورسٹی ہے

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۷۶ | سنہ ۱۹۳۶ء | تعداد اشعار ۱۴

مہاجن نوازی

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

اے مہاجن پرور اے ہندوستانِ زیر بار — اے کسانوں کے وطن سرمایہ داروں کے شکار

تیری آبادی میں کثرت سے انھیں کی بے شمار — جن کے جسمِ ناتواں میں قرض کی دق کا بخار

کیا امیدِ زندگی کیا آسرے بہبود کے
جرمس اس کثرت سے ہوں جب داور در سود کے

ریڑھ کی ہڈی تری ہندوستاں تھے کاشتکار — قرض کی دق نے عمل کرکے کیا اس کو نزار

سود کیسا اصل کا بھی اٹھ نہیں سکتا ہے بار — اقتصادی چل گئی ایسی ہوا ناخوش گوار

جنس کی قیمت گھٹی معیارِ زر کا بڑھ گیا
ضعف میں قرضے کی تپ کا اور پارہ چڑھ گیا

خودکشی کرتے لیجیے گر زندگی دشوار ہے — توڑنا قانون نافرمانیِ سرکار ہے

حال مظلوموں کا اب ناقابلِ اظہار ہے — ہو ادائے قرض کیونکر جب کہ اتنا بار ہے

مالیہ کل صوبۂ یوپی کا ہے جب نو کرور
اس پہ بارِ قرض سنیے تین اوپر سو کرور

ہر مریضِ ناتواں جب ہوگیا از حد نڈھال — بعدِ مدت آگیا رشکِ مسیحا کو خیال

رک سکے زورِ مرض بیمار کچھ تو ہوں بحال — بل کی صورت کونسلوں میں جب کہ آیا یہ سوال

کر کے زرپاشی انھیں ہمدرد صادق کرلیا
دق کے کیڑوں کے طبیبوں کو موافق کرلیا

ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا سلطنت کا جب نظام — واں دو دو پٹ کی حدوں میں سود ہوتا تھا تمام
آ کے جب قانونِ انگریزی نے ڈھیلی کی لگام — سود کی رفتار سرپٹ ہو گئی بے روک تھام

ٹیکس کے جاکی نے چڑھ کر چال اتنی تیز کی
اب اسے کوڑے کی کچھ حاجت نہ کچھ مہمیز کی

ایک کے دو دو کے دس اور دس کے سو سو کے ہزار — گردشِ ایام کی صورت نہیں جس کو قرار
پھنس کے اس چکر سے نکلے کس طرح اک قرض دار — قرض قانوناً ہو جب دریائے ناپیدا کنار

کون سی صورت ہے پھر اس ملک میں بہبود کی
جس جگہ حد ہی نہ ہو قانون میں کچھ سود کی

لالہ سانول داس رستوگی تھے جج اک ذی وقار — لال جی مل منصرم پھمّی نرائن پیش کار
اور منسا رام ناظر بے مروت ہوشیار — اہل عملہ اور جج تھے سب یہی سرمایہ دار

ظاہراً نوکر تھے باطن میں بہت خوش حال تھے
تھے مہاجن رشتہ دار ان کے یہ مالا مال تھے

اور خفیفہ کی عدالت گھر کی لونڈی کا تھا نام — جذبۂ انسانیت نے کر کے رخصت کا سلام
اندھے کی لاٹھی جسے انصاف کہتے ہیں عوام — دے کے اُن کے ہاتھ میں پورا کیا تھا انتظام

جج کی آنکھوں پر جو چشمہ تھا حکومت کا لگا
رحم و ہمدردی کا کوئی تال حیف اس میں نہ تھا

ڈگریاں دینے پہ گویا آپ نے کھا کر اُدھار — جج کا پیشہ کر لیا پڑھ لکھ کے جب بے اختیار
دائن و مدیون کی جیسے ہی ہوتی تھی پکار — آپ ڈگری دے کے ہلکا اپنا کر دیتے تھے بار

بد دماغ ایسے کرے مدیوں اگر کچھ عرضِ حال
آدمی کو حکم ہوتا تھا اسے باہر نکال

فیکٹری کالج کی ڈھالے جب کہ بے گنتی وکیل ‏ بی اے ہونا پیشگی جب ہو ال ال بی کی دلیل
اس جماعت کی ہو پھر کیا کھانے پینے کی سبیل ‏ کیوں نہ ہر بھوکے بھلے مانس کی نیت ہو ذلیل
گھومتے ہیں اب گون پہنے ہوے اس تاک میں
بس چلے تو یہ موکل کو ملا دیں خاک میں

ہے موکل سے فقط پیشی کی ہمدردی انھیں ‏ وہ پلیڈر فی ادا کر دیں مریں بھاڑا جئیں
پیروی جب ہنسیں اجلاسوں پہ اک دن میں کریں ‏ پھر ٹھکانے کی بھلا یہ کیا کہیں اور کیا سنیں
ان کا مطلب ہے موکل کو فقط صورت دکھائیں
بحث پھر کر دیں دو ٹپی صرف آئیں بائیں شائیں

سب نہیں اس قسم کے ان میں بھی ہیں مستثنیات ‏ بے کس انساں کی مدد ہے جن کا مقصود حیات
سیکڑوں ہیں ان میں ایسے با مروت با صفات ‏ اپنے ہم جنسوں کو دیتے ہیں بلاؤں سے نجات
پیروی کرنے کو یہ جاتے ہیں آڑے وقت میں
فی سبیل اللہ کام آتے ہیں آڑے وقت میں

ایک جانب تخت پر بیٹھے ہیں عرضی نویس ‏ کچھ چھپے کچھ سادے فارم بکس پر دس بیس تیس
اتنی نازک طبع جیسے پونڈروں کے ہوں رئیس ‏ مکر و چالاکی میں شیطاں ان سے انیس اور یہ بیس
ناک کی پھنگی پہ چشمہ اور قلم اک کان میں
ہیں یہ جنس مشترک شیطان اور انسان میں

چشم بر جیب موکل مسلہ زیر نظر ‏ ایک جانب تخت پر ہیں کچھ محرر جلوہ گر
سامنے رکھا ہوا بکس وکالت تخت پر ‏ جلوہ فرما اس طرف یا در موکل سب ادھر
فون ٹن پن جیب میں لب پر پلیڈر فی کا ذکر
آنکھیں چاروں سمت اور دل میں پھنسا لینے کی فکر

یہ رجز خوانی کہ بھائی کیا بتائیں تم کو حال ہیں وکیل ایسے ہمارے بابو جی گرجادیال
کھولے منُہ، بالسٹران کے سامنے یہ ہے مجال؟ سوجھے ایڈوکیٹ کو کیا ایسی چلتے ہیں یہ چال

یہ کلب میں روز ٹینس کھیلتے ہیں جج کے ساتھ
چیف جسٹس تک ملا لیتے ہیں اکثر اِنسے ہاتھ

دعویٰ ان کی معرفت جس جس مہاجن نے کیا جج نے صورت دیکھ لی ان کی جہاں کہنے لگا
لیجیئے قرقی کا ہے یہ حکم قبل از فیصلا قرق کیجیے جاکے کل اسباب اس مدیون کا

ہے ہی کھاتے پہ اس دعوی کا جب دار و مدار
کچھ شہادت کی ضرورت ہی نہیں ہے زینہار

نوٹ:- سود در سود لے کر ہندوستان خصوصًا لکھنؤ میں مہاجنوں نے وہ آفت ڈھا رکھی تھی کہ صوبے کی کونسل میں سود کے متعلق بعض ہمدرد ممبروں کو ایک بل پیش کرنے کی ضرورت ہوئی اسی موقع پر ملک کے حالات سے متاثر ہوکر یہ نظم کہی گئی اس نظم میں سود کی وجہ سے تباہی و پریشانی کا نہایت صحیح خاکہ کھینچا گیا ہے اور عدالت خفیفہ جہاں قرض داروں پر ڈگری ہوتی تھی وہاں کے جج، وکلا، عرضی نویس محرّروں کے کارناموں اور زندگی کی تصویر بڑی خوبی سے دکھائی گئی ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۷۷ — ۶ ار جولائی ۱۹۳۶ء — تعداد اشعار ۳۰

ساکنانِ محمود آباد سے خطاب

نوٹ افتخار ملک و ملت خان بہادر راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب والیٔ محمود آباد کی مسند نشینی کے بعد ریاست میں اصلاح و ترقی و رعایا کے سود و بہبود کی بہت سی تدبیریں عمل میں آئیں از آں جملہ ریاست کے قلعۂ معلّٰی کے سامنے جو ایک پارک رعایا کی تفریح کے لیے تیار کرایا گیا تھا اس میں لاؤڈ اسپیکر لگایا گیا اور اس کے ذریعے سے تقریر نظم اور مفید باتوں کی اشاعت کا انتظام کیا گیا۔

نظر نقی مرحوم نے یہ نظم اُردو داں طبقے کے لیے اور ایک دوسری نظم دیہاتی زباں میں بطور "آلہا" دیہاتی طبقے کے لیے کہہ کر دونوں چیزیں بذریعہ لاؤڈ اسپیکر لوگوں کو سنائیں اور ضمناً ان دونوں اردو اور ہندی نظموں میں لاؤڈ اسپیکر کے فوائد کا بھی خاص طور سے ذکر کر دیا ہے۔ دونوں نظموں میں حاکم اور رعایا کے تعلقات کو نہایت سہل اور دل پسند الفاظ میں ظاہر کیا ہے اور کلِّم النّاس علیٰ قدرِ عقولھم کو ملحوظ رکھا ہے۔ نصیحتیں بہت دلکش پیرائے میں کی ہیں۔

(صفی عفی عنہٗ)

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

ساکنانِ قصبۂ محمود آباد السّلام — لاؤڈ اسپیکر سے میں پہونچا رہا ہوں یہ پیام
سوچیئے دل میں کہ ہے کتنی مسرت کا مقام — آپ کی تفریح کا یہ سب ہوا ہے انتظام

روز آکر کیجیے تفریح دل بہلائیے
اپنے والی کو دعائیں دیتے خوش خوش جائیے

پارک میں روز آیئے تفریح کو بالاتفاق
متحد رہیئے کہ آپس میں نہ پیدا ہو نفاق
ہو مزاج دوستانہ تابعِ حسن مذاق
اس طرح پر ایک کی بات ایک کو گزرے نہ شاق

گفتگو یوں کیجیئے جس میں دل آزاری نہ ہو
باہمی اُلفت بڑھے آپس میں بیزاری نہ ہو

مختلف ملکوں کے اخبار آپ سنیئے شام کو
منڈیوں کے بھاؤ بیپار آپ سنیئے شام کو
نغمہ ہائے فرحت آثار آپ سنیئے شام کو
مختلف لکچر بھی ہر بار آپ سنیئے شام کو

آپ کے آقا کا ہے مقصود بیداری رہے
ساکنوں پر فرض ہے یہ مشغلہ جاری رہے

غور تو کیجے کسی قصبے میں ہے اس کی نظیر
یوں رعایا کا ترقی خواہ ہو اُس کا امیر
آپ کی راحت سے خوش وقتِ مصیبت دستگیر
درحقیقت آپ پر ہے رحمتِ ربّ قدیر

قدر کیجئے آپ یہ نعمت غنیمت جانیئے
اپنے والی کی اطاعت کیجے کہنا مانیئے

سب سے پہلے اپنے خالق کی عبادت فرض ہے
اور اُس کے بعد خلق اللہ کی خدمت فرض ہے
پھر ولی نعمت جو ہو اُس کی اطاعت فرض ہے
راستی واجب ہے انساں پر دیانت فرض ہے

صبر و استقلال سے آقا کی خدمت کیجیئے
جو عطا ہو لیجیئے اُس پر قناعت کیجیئے

ہے جو قسمت میں ملے گا آپ کو بے قیل و قال
گر لیا مکر و دغا سے سوچیئے اس کا مآل
کاٹھ کی ہانڈی چڑھانے کا نتیجہ انفعال
جھوٹ سے بچیئے اگر ہے اپنی عزت کا خیال

سچ کی تلخی گو ہے ظاہر میں بہت ناخوش گوار
پر ترقی کا ذریعہ ہے یہی انجام کار

بھائی بھائی کی طرح آپس میں الفت کیجئے	عزم و استقلال سے کسب معیشت کیجئے
باہمی خلق و تواضع اپنی عادت کیجئے	اپنی عزت ہو گی جب اوروں کی عزت کیجئے

چاہیئے شرکت ہر اک ہم جنس کے دُکھ درد میں
اک کشش اُلفت کی پیدا تاکہ ہو ہر فرد میں

ہندو اور مسلم کا پیدا ہی نہ ہو کوئی سوال	اُلفتیں بڑھتی رہیں گھٹتا رہے رنج و ملال
ایک کو ہو دوسرے کے رنج و راحت کا خیال	متحد رہنے کی دکھلا دیجئے زندہ مثال

رہیئے مل جل کر ترقی کا اسی میں راز ہے
دیکھیئے یورپ کو اپنی اِس صفت پر ناز ہے

شرع کی ٹٹی سے کھیلیں مولوی جن کا شکار	وہ ہمیں بدبخت ہیں بے مصرف و بے اعتبار
غیر قوموں کی نظر میں بے حقیقت اور خوار	خانہ جنگی سے جنھیں فرصت نہیں لیل و نہار

ہم لڑے مرتے ہیں تیرہ سو برس کی بات پر
غیر قومیں ہنس رہی ہیں اب انھیں حالات پر

خانہ جنگی کا ہر اک تہوار ہے اب اشتہار	اُٹھ رہا ہے شور ناقوس و اذاں کا بار بار
تعزیہ داری کہیں ہے رام لیلا پر گُہار	استعانت پر پولس کی آپ کا دار و مدار

یہ وہ باتیں ہیں جنھیں خود آپ طے کر لیجئے
اپنے اپنے طرز پر غم اور مسرت کیجئے

آپ شرکت کیجئے غم میں خوشی میں ہم کریں	میل جول آپس کا یہ فرمائیے کیوں کم کریں
اتحاد اس طرح سے لازم ہے اب باہم کریں	جو لڑانا چاہتے ہوں دیکھ کر ماتم کریں

جب گلے مل جائیں گے ہم آپ بھائی کی طرح
مفسدہ پرداز پھٹ جائیں گے کائی کی طرح

دل میں خواہش ہو اگر کچھ بھی نمود و نام کی　　محنتوں میں صرف کیجیے ہر گھڑی آرام کی
فکر اب لازم ہے ہر اک شخص کو انجام کی　　چند باتیں کہہ رہا ہے آپ ہی کے کام کی

اک نمک خوارِ ریاست خادمِ زار و نحیف
آپ لوگوں کی ترقی چاہنے والا ظریفؔ

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو۔

نظم نمبر ۸۷ ۔ ۱۶؍ جولائی سنہ ۱۹۳۶ء ۔ تعداد اشعار ۱۴

آلھا

لکھے جرنیل کبیشر سب تے سنو رے بھیا بات ہمار
اے محمود آباد رہنیا تمھرے کرمن کے بلہار

دیا بھئی اس نارائن کی پایو بڑا اگنی سردار
دُکھ کی تمھرے ناؤ کھویّا آن پھنسی جب توں منجدھار

امیر احمد راجہ صاحب آن داتا دھرما اوتار
چھن چھن باڑھے دھن دولت او سکھی رہے سارا پروار

دیا دان بھرا جب صاحب پارک کہن رہے تیار
جہہ ماں آئے براجو تم سب کھانہ دنربل جور بیار

تمھرے جیو بھلاوے کھاتن راجہ صاحب کینہ بچیار
لوڈ اسپیکر لائے لگائن جہتے بانی سنو ہجار

سما چار ملکن ملکن کے گھری ٹپّا بھجن ملار
سنو آئے پارک ماں بھیّا رہو آنند بنو ہشیار

سُن سُن سیکھو کام کی باتیں گانٹھ ماباندھو کہا ہمار
ہنس ہنس کے دُکھ کاٹ دیو سب یہی دھرم ہی پرکھن کیار

بانکے بنڈ بھوجن کے سُن سُن اُڈ ے جیا تو ہار
سپہے سمے آنکھن ماں پھرے مانو بھوج کھڑی تیّار

باجا بینڈ چلے سب جو ادھار چرمر چرمر باندھ کتار
دھرے بندکیا کاندھے اوپر بیٹی ماڈا رہے تروار
ڈاکے پاچھے کھڑ بڑ کھڑ بڑ چلیں گھوڑ ونا کے اسوار
سب پاچھے ٹھُنکت ٹھمکت سینا پتی بڑے سردار
ایک آنند کی بات سنائی لکھس رہے پنھیر اکھبار
بڑے لاٹ صاحب دے ڈارن تین سانڈ بلگر تیار
ڈھونڈھ دِہن برگوّن کیرا بچّہ ہوئیہن بے سُمار
بیو دودھ گوّن کا بھیتا کینھیو گھیو کا بھی بیپار
ایک بات ہم تُمتے پوچھی بُرا نہ مانیو کہا ہمار
بن چارہ ڈانگر ہوئی جھیں بچہ بلگر ہوئیں ہجار
کہو چرھیو کہاں جائے کے جب بڑھئے اِنکا پرِدار
جنگل سب ہے گورنمنٹ کا اُہماں تمھرا کون اِجار
دیکھیو کھیت ماں نہر کا پانی بروا ہوئی گے سب ٹیار
کربی چارہ کہاں تے لیھیو گھٹت جات ہے پیداوار
دیا جو آئی بڑے لاٹ کا ہوئی لاگا گاؤن سنگار
پارک بن جھیں گاؤن ماکھیل کود ہو ہیئے چھوں آر
دھک دھک دھک موٹر چلیھیں چھکڑا ہو جھیں نے کا
ہر ہن پر ٹکس بندھ جیسے جہکے گھر ہوئیھیں دوئی چار
سگرے چھپرا کو ہکن لگھیں جب لگھیے بجلی کا تار
آگے چل کے بمبا ہوئیھیں پکا پانی پیہیں گنوار

چھپر اماں ٹب رکھے جھیں سابن کی ہوئی بھرمار
کھوں تولیا لٹکا ہوئی انگوچھا ہو جیھیں کھار

ہل جو تیھیں سب بوٹ پہن کے موڑ پہ ٹوپی چھجّے دار
ہل کی مٹھیا ایک ہاتھ ماں ایک ہاتھ ماں ڈبا سگار

چائے توس سب مانگے لگیھیں بھُرہیں اُٹھ کے لودھ چار
سام کا ہوئی ڈنر چھپر اماں پھنکیھیں لہالا اور جوار

ایک منئی کی آمدنی اٹھارہ پائی آہے تھار
آپ رھیّا پہلے سدھریا پھر ہو جیھے گاؤں سدھار

بلہاری انگریجی پڑھ پڑ کیھو مہیرین کا سنگار
ڈاڑھی مونچھ منڈا یو آپن ایسے پہین پر پھٹکار

چال چلے ہنسا کی کوّا ہو کر نو ہے بیوھار
سوٹ بوٹ اور ٹائی کالر ڈھونڈ ہیں کلوا بیر ہمار

ام اے بی اے کی ڈگری لے گھومیں گلی گلی ہتّیار
نو وانٹڈ پھتر پر لاگے یہ کیسے ہتیھیں رُجگار

آملیکیسن لیئے پھرت ہیں بنگلن بنگلن یہ دُکھیار
کھوں نہ ہو ئیے اب سُنوائی گٹ پٹ گٹ پٹ کریں ہجار

بھوکھن مریھیں یہ کا کریھیں دینھی بھئی سکل بیکار
نربل دکھیارو دے لاگے پہلے کینھ نہ سونچ بچار

ڈنر طیبیلو گمدر بھانجو را کھو آپن دینھ سدھار
محنت تے مجبد دری ہیھو کر دبڑ ھیکم بنو لہار

چال چلو پرکھن کی آپن سیکھو بانک پٹا تروار
گورنمنٹ جب بھرتی کریھے سینا ماں ہوہیھو سردار
ستّ بچن بولو جب بولو راکھو ٹھیک بنج بیوہار
کرہ اُپاس پڑے جب اوسر کاہو تے مت کیوُ اُدھار
بن ہمّت کے بکتّ ناہیں ڈرٹ اور بلّا ہوئیں ہجار
آپن بھُجا کی آسا راکھیو مانگیو بھیک نہ ہاتھ پسار
پھینّن ماجوڈوبے رہیو کبھو نہ ہوئیھے بیڑا پار
نیند کے ماتے کروٹ بدلو دیکھو ہے چھوُں اُدر گھار
سنا تھیاٹر کیر وکھیّا بدھ ماتے چھیلا زنار
ٹکٹ کھریدکے رات کا جاگیں دن کا سوویں ٹانگ پسار
مہرارو کی ساری باندھی سیس پھول اور چندن ہار
چندا سب گنجی کردیھے تم پہ دیا کرے کرتار
لیئے پھرد مہرارو آپن گلی گلی او ہاٹ بجار
تم سندر سوداگر آہیو بیانچو سودا نگد اُدھار
مل جیھیں پینا گیا پھر تو بڑے بڑے مانس دوئی چار
جینٹلمین بھئو بن جیھو آدر ہوئی بہت تہار
کونسل کی ممبر ہو نیھئے جب گھروالی بھئی نار
کانونی بل پاس کریھئے گٹھ بندھن ہوئیھے بیکار
تم ہو اک لیڈی سے آیو لندن جائے سمندر پار
بڑے صجیوا پھر ہو جیھو ڈرہیں تم تے سکل گنوار

ارے گسیّاں اب کا ہوئی بھارت ماتا کہے پکار
ہمرے پوت کپوت بھئے سب بگیار اکھواب کرتار
بتھا گتھا ساری سن لینھو چونکو نیند تے ہوہسیار
دھیان لگاؤ پرمیسر سے تب ہو جیھے بیڑا پار
ماپھ کرو جو ہم کہہ ڈارا کچا چٹھا رہے تمہار
رہو آنند کھوسی سب مل جل راجہ کی بولو جے کار

نوٹ ہندی میں آلہا ایک ایسی زور دار رزمیہ قسم کی نظم ہوتی ہے جس کو خاص لے اور طرز میں گاتے اور پڑھتے ہیں اور اس سے دلوں میں جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے یہ نظم جس کا نام آلھا رکھا گیا ہے اُس موقع کے لئے کہی گئی تھی جب ظریف مرحوم راجہ صاحب محمود آباد کی سرکار میں ملازم تھے اور اسی دوران میں موجودہ راجہ صاحب (جناب خان بہادر راجہ امیر احمد خاں صاحب بالقابہ) کی گدی نشینی کی تقریب کا جشن منایا گیا تھا اور قلعہ معلیٰ کے سامنے محمود آباد کا عظیم الشان پارک نہایت سلیقے سے سجا گیا تھا اور بحکم راجہ صاحب اس میں لوڈ اسپیکر لگا دیا گیا تھا تاکہ ریاست کے غریب اور دیہاتی کاشتکار اور رعایا جن کو مختلف مقامات کی تقریر اور گانا ریڈیو وغیرہ کے ذریعے سے سننے کو نہیں ملتا۔ یہاں انھیں اس سے مفت فائدہ اُٹھانے کا موقع ملتا ہے اس نظم میں دیہاتی زبان کے ذریعے سے اُس پیشین گوئی کا اظہار کیا ہے جس کی طرف اصلاح و ترقی کے ساتھ زمانہ مائل ہے۔ ہل جوتنے اور کسانوں کی وضع اور لباس اور خورد و نوش میں آگے چلکر کیسے تغیرات کا اندیشہ مغربی تمدن کی آمیزش سے ہوگا اُس کا خاکہ صحیح صحیح کھینچ کر بتایا گیا ہے۔ ظریف مرحوم نے خود ہی پڑھ کر پارک میں یہ نظم سنائی تھی۔ چونکہ دیہاتی زبان میں تھی نہایت کامیاب ہی۔ (صفی عفی عنہ)

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۷۹ ۲۷ ر دسمبر ۱۹۳۶ء تعداد اشعار ۱۷

بے فکری شیعیانِ ہند

بحر ہزج مثمن سالم ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

نمائش گاہِ عالم میں ہمیں رفعت سے کیا مطلب
اجی شیعہ ہیں ہم کو صنعت و حرفت سے کیا مطلب

امیر المومنینؑ کا نام لے کر بھیک مانگیں گے
خدا رزّاق ہے اپنا تو پھر محنت سے کیا مطلب

فقط تیغ زباں سے چھپ کے اکثر کام لیتے ہیں
جہاد اپنے یہاں ساقط ہے اب جرأت سے کیا مطلب

اُکھاڑا بابِ خیبر مرتضیٰ نے بس یہ کافی ہے
ہم اُن کے نام لیوا ہیں ہمیں طاقت سے کیا مطلب

تھیٹر کی دُھنوں میں نوحہ خوانی کام ہے اپنا
عزاداری اسی کا نام ہے رقّت سے مطلب

اُڑھا دی چاندنی اِکّے کا ٹٹّو بن گیا دلدل
ہنسے کوئی کہ روئے دیکھ کر شدّت سے کیا مطلب

تمہ اک ہاتھ میں اِک ہاتھ سے ماتم تو کرتے ہیں
گلوری پان کی کلّے میں ہے غیرت سے کیا مطلب

نظر گردوں کی جانب چوک کے اور ہاتھ سینوں پر
ہماری سینہ کوبی دیکھئے نیت سے کیا مطلب

علم اِک پُر تکلف سج لیا جب مانگ کر چندہ
بنالی انجمن اپنی الگ ملت سے کیا مطلب

حسینؑ ابن علیؑ کے نام پر ہم رونے والے ہیں
ہمیں اس برگزیدہ ذات کی سیرت سے کیا مطلب

ہماری قوم ہے تقسیم در تقسیم کی شائق
رہے چاہے فنا ہو مرکزی قوت سے کیا مطلب

مکمل قوم ہے ہر فردِ واحد جب کہ شیعوں میں
تو یہ فرمائیے پھر اس کو جمعیت سے کیا مطلب

خدا کی شان مافوقُ البشر ہیں ہستیاں ہم میں
انھیں ہم خاطیوں کی بزم میں شرکت سے کیا مطلب

بھلا جس قوم میں مخدومِ مادر زاد ہوں اکثر
پھر ایسی ہستیوں کو قوم کی خدمت سے کیا مطلب

سواری ہے ہماری اونٹ گاڑی شیعہ کالج کی
ہمیں تعلیم کی گھوڑ دوڑ میں سرعت سے کیا مطلب

جنھوں نے دیدہ و دانستہ خود کر لی ہوں بند آنکھیں
وہ کیوں پھر درس عبرت لیں انھیں عبرت سے کیا مطلب

ظریف اصلاح ناممکن ہے جب افرادِ ملت کی
تمھیں اس قوم غفلت کیش کی حالت سے کیا مطلب

نوٹ۔ دسمبر ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا اجلاس امام باڑہ غفراں مآب لکھنؤ کے صحن

میں زیرِصدارت خان بہادر عالی جناب راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب والی ریاست محمود آباد منعقد ہوا۔ اور اسی زمانے میں ایک سرکاری صنعتی نمائش بھی قریب ہی وکٹوریہ پارک میں ہو رہی تھی اور اس موقع پر اچھا خاصا اجتماع کانفرنس کے اجلاسوں میں ہو گیا تھا۔ چنانچہ ظریف مرحوم نے غفلت شعار شیعوں کے نمائشی جوش اور ان کی گری ہوئی حالت کا صاف صاف نقشہ دکھا کر اسے شیعہ کانفرنس کے جلسے میں پڑھا اور اس کا بہت اثر ہوا لیکن وہ حضرات جو مشفقانہ نصیحت اور مثل آئینہ صاف صاف اپنے عیوب دکھانے والے ہمدرد اور مخلص کی سچّی باتوں میں تلخی محسوس کرتے ہیں نیز وہ طبقہ جو بلّیؔ کی طرح صاحبِ خانہ کے اندھے رہنے کی دعا میں مصروف رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ یوں ہی نمائشی رسوم و قیود میں مبتلا رہیں تاکہ ان کے رزق میں یہ سب بے محنت حصہ لگاتے رہیں۔ ایسے لوگوں کی مشترکہ سازشوں سے اس نظم اور اس قسم کی دوسری اصلاحی نظم پر جو اسی کانفرنس میں ظریف نے پڑھی تھی بعض ماتمی کمیٹیوں کے چھوٹے چھوٹے جلسوں میں ناراضامندی کا اظہار کیا گیا۔ اور اس لیئے ظریف مرحوم کو ایک اور نظم موسوم بہ "تنقیدِ شیعہ ادارات" لکھنا پڑی جو اسی مجموعے میں شامل ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۸۰ ۔ ۱۵ ؍ جنوری ۱۹۳۷ء ۔ تعداد اشعار ۱۵۸

تنقیدِ شیعہ ادارات

نوٹ ۱۹۳۶ء کے اجلاس آل انڈیا کانفرنس میں جو بمقام لکھنؤ آصف الدولہ کے امام باڑے میں بصدارت عالیجناب خان بہادر راجہ محمد امیر احمد خاں والی ریاست محمود آباد منعقد ہوا تھا دو اصلاحی نظمیں ظریف مرحوم نے پڑھی تھیں لکھنؤ کی ماتمی انجمنوں نے بجائے اس کے کہ اپنے عیوب پر مطلع ہو کر اُنھیں ترک کرتیں اس کا بُرا اثر لیا اور بعض بعض چھوٹی کمیٹیوں نے دس پانچ آدمیوں کا ایک جلسہ کر کے نفرت کا ووٹ بھی پاس کیا۔ لیکن اس طفلانہ روش سے ایک ریفارمر کیا متاثر ہو سکتا ہے چنانچہ اسی کے بعد ظریف نے یہ مبسوط نظم لکھ کر شیعہ اداروں کی خرابیوں پر روشنی ڈالی ہے اور بحیثیت ایک مصلح کے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

قطعہ

بحر ہزج مثمن سالم ۔ ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ظرافت میں ہم اپنی قوم کا افسانہ کہتے ہیں ۔ کھری کہتے ہیں جب کہتے ہیں آزادانہ کہتے ہیں
وہی بربادکُن شے خانہ جنگی نام ہے جس کا ۔ اُسے شیعہ لغت میں ہمتِ مردانہ کہتے ہیں

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف ۔ ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

السّلام اے حامیانِ حَیُّو حَیُّو دوئے دوئے ۔ جاگ اُٹھیں دنیا کی قومیں تم نہ چونکے خوب سوئے
داغِ بدنامی تمھارے کس طرح پر کوئی دھوئے ۔ اس کی کب اصلاح ممکن ہے جو سچ کہنے پہ روئے

خاک پہونچاؤ گے تم دنیا کو پیغامِ حسین
صاف لے سکتے نہیں ماتم میں جب نامِ حسین

پنجتن کے نام پر تھی اِک پُرانی انجمن — جمع ہو کر اُس میں ماتم دارِ سلطانِ زمن
نوحہ خوانی کرتے رہتے تھے بہ اندازِ کُہن — یاد تھا اُن کو وہی اپنے بزرگوں کا چلن

معتدل ماتم تھا اتنی تیز رفتاری نہ تھی
اُس کمیٹی میں بہ طرزِ نو عزاداری نہ تھی

تفرقہ پرداز لوگوں سے نہ جب دیکھا گیا — انجمن سازی کی پھیلی لکھنؤ میں اِک وبا
کہیے اس کثرت سے کیا حاصل جو مقصد ایک تھا — فخر ہے اس پر عزاداری کو ٹکڑے کر دیا

ہو سکا باہم نہ ایسی چیز پر جب اتحاد
واہ کیا کہنا ترا اے قومِ شیعہ زندہ باد

ایک دستہ دوسرے کے جب مقابل ہو گیا — اور دریائے عزا دونوں میں حائل ہو گیا
اک طرف طوفاں اٹھا اک سمت ساحل ہو گیا — یوں ڈھیوڑ اُٹھی نکلنا لفظ مشکل ہو گیا

لہریں آوازوں کی کوسوں دور تک جانے لگیں
حیوّ حیوّ کی صدائیں کان میں آنے لگیں

ساٹھ ضربیں فی منٹ ماتم کا اب معیار ہے — ایک سَو دس جو لگائے وہ بڑا دیندار ہے
ہاتھ پسٹن اور سلنڈر صدرِ ماتم دار ہے — ماتمی صَف یا عزا ئے نو کی موٹر کار ہے

سبطِ پیغمبر کا نوحہ بن گیا بچّوں کا کھیل
یوں بڑھی رفتارِ ماتم جس طرح طوفان میل

صاحبِ بستہ بنے ہیں بینڈ کے اب ماسٹر — لے کے اک چھوٹی سی لکڑی ہاتھ میں با کرّ و فر
حلقۂ ماتم میں ہو جاتے ہیں اکثر جلوہ گر — کچھ اشاراتِ مقرّر ہیں اُنھیں پر بیشتر

ٹھادگن لنگڑی ڈھوڑ پر دے کے گردش ہاتھ کو
رکھتے ہیں قابو میں اپنے ماتمی جذبات کو

ہَوّا اک نیا اب تو بنایا ہے امام
کیا عزادارِ حسین ابن علی کو اس سے کام
اُس کا ماتم تم کرو بس دور سے اپنا سلام
ہم پہ ایسے امام کا واجب نہیں ہے احترام

خود کر دیں یوں مسخ اسمِ پاکِ فرزندِ رسولؐ
اور پھر اُمید اس کی بھی کہ راضی ہوں بتولؑ

جو نہ ہو عالم یہ علم اس کی سمجھ میں آئے کیا
سوز ناجائز سہی ہم کیا ہماری رائے کیا
جمع ہوں اضداد جب پھر کوئی تعجب لائے کیا
پوچھتے ہیں غیر جب کہیے انھیں سمجھائے کیا

جب کہ ماتم میں تھیٹر کی دُھنیں ہوں کارساز
اور استقبال سے مل جائے فتوائے جواز

یہ اہانت عالمانِ دین کی ہے کس قدر
جاہل اپنے عیب کی اُن کو بناتے ہیں سپر
جھوٹا توہینی عمامہ سر پہ اُن کے باندھ کر
مفسدہ پرداز کرتے ہیں ہمیشہ شور و شر

دوسروں کو ہم نوا اپنا بنانے کے لیے
اک نیا ھَوّا بنایا ہے ڈرانے کے لیے

جاہلوں کی ذہنیت کیوں اس قدر برباد ہو
عالمانِ دین کا معیار کچھ ارشاد ہو
وہ بھی عالم ہے کسی عالم کی جو اولاد ہو؟
فقہ پڑھ لے کچھ دنوں چاہے کم استعداد ہو؟

آڑی ٹوپی جس نے دی سر پر وہ عالم بن گیا
باندھا عمامہ تو خود ایمانِ سالم بن گیا

لکھنؤ تجھ سے بہت جاپان پیچھے ہے ابھی
اس نے گو ہر چیز کی بہتر سے بہتر نقل کی
بن سکا لیکن نہ اسٹیشن اُس سے مولوی
ماشاء اللہ تو نے کس خوبی سے پوری کی کمی

ڈھال دی ایسی جماعت ایک درجن بھر حسین
اصلی اور نقلی ہیں جن کے فرق رتی بھر نہیں

تجھ میں مٹی کے کھلونے خوب بنتے ہیں مگر — رفتہ رفتہ اب ترقی کر گیا تو اس قدر
مولوی ایسے بنا دیتا ہے عمامہ بہ سر — دیکھ کر حیران ہو جائے جنھیں عقلِ بشر

جس عبا بر دوش کا کھٹکا دبے پر تول اُٹھے
اِک ذرا اونچے پہ رکھ دیجے تو منھ سے بول اُٹھے

دیکھ یہ صنعت گری کا تجمل کچھ اچھا نہیں — اس نمائش میں ابھی تک ایک بھی بھیجا نہیں
سچ ہے گو مفلس ہے تو انعام کی پروا نہیں — کوئی باہر کا خریدے ہاں یہ وہ سودا نہیں

خود تری بستی میں ہو جاتی ہے جب کافی کھپت
لے کے اِک اسٹال کھائے صرف کی کیوں تو چپت

چھوڑیے نقلی کو اصلی بھی اگر ہوں لوئی — لازمی ہوتی ہے اُن میں باہمی گرگ آشتی
اتفاقاً آ گیا باہر سے جب اِن میں کوئی — کچھ نہ پوچھو پھر کہ پڑ جاتی ہے کیسی کھلبلی

ڈرتے ہیں اُس کے رگڑنے سے ملمع اُڑ نہ جائے
خوف ہے تقلید کی ردا اُس طرف کو مڑ نہ جائے

پیر دوں سے حکم ہوتا ہے اجی بابی ہے یہ — ہے یہ جاسوسِ حکومت اور وہابی ہے یہ
یہ چلا جائے کسی صورت سے بیتابی ہے یہ — نائبوں کی عہدِ انگریزی میں نوابی ہے یہ

سامنے تو چاپلوسی پیٹھ پیچھے زہر خند
حلقۂ تقلید میں پھیلی ہوئی رپودری کمند

ممبری کا ہو الکشن سے کہیں گر انتخاب — جلوہ فرما خیر سے اُس میں بھی ہوتے ہیں جناب
قابلیّت پوچھو ممبر کی تو اس کا یہ جواب — مردِ مومن ہیں فقط واللہ اعلم بالصواب

ایک خادم کو شریعت کے بھلا کیا اس سے کام
ہر جھٹے ہیں پیر نے لکھوائے ہر دفتر میں نام

واقعی جو عالمِ جیّد ہیں ان کا مرتبہ — اس سے بالاتر ہے تصنیفات اُن کا مشغلہ
اتقا و زہد تک محدود ان کا ولولہ — نشرِ احکامِ شریعت اُن کا زاد و راحلہ
کامل الاخلاق اور بذل و سخاوت میں فرید
وہ نہیں ہیں" پائے مردانِ مُلاّ کس ندید"

مشرقی کالج کی چل کر لیجیے کچھ دیر سیر — چل رہا ہے کتنی تیزی سے یہ پیروں کے بغیر
جائیں کالج یار ہیں شاگرد گھر ہی میں بخیر — پاس ہو جائیں گے سب تحصیل سے ہو جن کو بیر
علم میں جھینگر سے بڑھ کر کامراں کوئی نہیں
چاٹ جاتا ہے کتابیں امتحاں کوئی نہیں

علم کی تحصیل کے شاگرد ہی ہیں ذمہ دار — ہیں معلّم اِس ادارے کے فقط تنخواہ خوار
قوم کو اُن کی لیاقت پر ہے پورا اعتبار — یہ ملازم کب ہیں اِن کو خود ہے پورا اختیار
درس دیں چاہے نہ دیں کالج میں آئیں یا نہ آئیں
یا الٰہی یہ صدا پوتوں پھلیں دودھوں نہائیں

آئیے اب چل کے دیکھیں واعظوں کا مدرسہ — اِک رئیسِ قوم دوراندیش بانی جس کا تھا
مستند عالم کی مرضی پر ابھی تک یہ چلا — جائزہ تو لیجیے کتنی ترقی کر گیا
جو مبلغ اس سے نکلے آج تک اسلام کے
دیکھیے وہ کام کے بھی ہیں کہ خالی نام کے

سیر کرنا دعوتیں جا جا کے کھانا اور ہے — صرف چندے سے جمع کرنا اور اُڑانا اور ہے
دوسروں کو راستے پر اپنے لانا اور ہے — محض قرآں اور حدیثوں کا سنانا اور ہے
کے زبانیں جانتے ہیں واعظانِ نکتہ رس
یا فقط اپنی زباں اللہ بس باقی ہوس

صرف آخر اس کا کیوں ہتا ہے آمد سے سوا
کیا سبب کیا کوئی چندہ لیکے اس کا کھا گیا؟
کون امین ایسا تھا دیکھیں ہم ہیں مشتاق لقا
یاں محصل اور مبلغ ایک ہی ہوتا ہے کیا؟

جس قدر چندے سے آئے ہاتھ اُس کے مال و زر
وہ رقم سب ہے مبلغ کا فقط زادِ سفر

گر محاسب کوئی جائے جانچنے اُس کا حساب
سب مبلّغ اور ملازم اُس پہ فرمائیں عتاب
قاعدے قانون کی ہو اس جگہ مٹی خراب
ٹھیک ہے جو کچھ کہ خود ارشاد فرما دیں جناب

ہے بجا وہ صرف سب جس کی سند کوئی نہ ہو
اختیارات اُن کے اتنے جن کی حد کوئی نہ ہو

گرچہ مالِ وقف کا مصرف یہ ہیں محمود ہے
اُس کی پھر اصلاح کرنا لغو ہے بے سود ہے
جس کا جی چاہے وہ حلوا چکھے جو بے دود ہے
نام لے اصلاح کا تو وہ شقی مردود ہے

منصرم کرتا پھرے لاہور میں لوگوں سے جنگ
"خانۂ ملاح در چین است و کشتی در فرنگ"

اس ادارے کا ہے بانی شخص شرعی بے پناہ
اختلافی مسئلہ تھا عقدِ قاسم کا جواز
رکھ دی ایسی شرط جس سے بند ہوا دوں کی راہ
تولیت مخصوص حلقے میں رہے بے اشتباہ

تولیت میں وقف کی ہو ایک عالم کی بھی شرط
رسم مہندی کا جواز اور عقدِ قاسم کی بھی شرط

گھر کی ہے جب فیکٹری تو کیوں نہ ہوں پھر بے نیاز
اور بیرونی مگر ہم مجتہد ہیں خانہ ساز
کس لیے جائیں عراق اور کیوں کریں سر حجاز
اب مقلد تک ہمارے پیچھے پڑھتے ہیں نماز

تولیت کے مستحق عالم کے نور العین بھی
کیا کسر جب ہم رضی اللہ فی الدارین بھی

اس ادارے پر بھی کیجے منصفانہ اک نظر
عالموں ہی کے رہا جو عمر بھر زیرِ اثر
دخل دُنیادار کو اُس میں نہ تھا اک بال بھر
شعبہ بیت المال نے کر لی ترقی کس قدر
اُس میں دولت بڑھ رہی ہے کتنی طغیانی کے ساتھ
ہند بھر کا مال آجاتا ہے آسانی کے ساتھ

ہیں وظیفہ خوار بیوائیں ہزاروں اور یتیم
قوم بھر پر اُس کے بانی کا ہی احسانِ عظیم
دنگ ہیں اُس کی ترقی دیکھ کے قومی فہیم
کہتے ہیں بے ساختہ ہٰذا صراطٌ مستقیم
تقویّت کو قوم کی محفوظ گنجینہ ہے وہ
دیکھتی ہے منھ ترقی خود کہ آئینہ ہے وہ

جا کے ٹھاکر گنج تک یہ پاک مورت دیکھیے
اُس کا دفتر اور عمارت خوبصورت دیکھیے
صاف ہے ہر چیز ہو کر بے کدورت دیکھیے
تاجرانہ شعبہ اس کا بے ضرورت دیکھیے
ہے کھپت دنیا سے عقبیٰ تک جو اُس کے مال کی
آج تک جنت میں ہے دوکان آٹے دال کی

مجلس شوریٰ میں رہتے گر یہ روحانی طبیب
لکھنؤ بھر کے اقلاً ایک درجن کے قریب
اور دنیادار سب بے دخل ہو جاتے غریب
دیکھتے اُس کی ترقی شیعیانِ خوش نصیب
شرق سے تا غرب ہوتی آج شہرت آپ کی
بے رضا ایران پر ہوتی حکومت آپ کی

گر مسلّط خاطی اک انسان ہو جاتا نہ یوں
خطّۂ ایران کفرستان ہو جاتا نہ یوں
بڑھتی آبادی کبھی ویران ہو جاتا نہ یوں
اسلحہ اور فوج سے میدان ہو جاتا نہ یوں
شامت آئی تھی جو نکلا عالموں کے ہاتھ سے
رشکِ پیرس بن گیا اب ظالموں کے ہاتھ سے

ہائے ایراں، وہ تری لمبی قبائیں کیا ہوئیں عہدِ دقیانوس کی کہنہ ردائیں کیا ہوئیں
مانگنا خیرات دینا بد دعائیں کیا ہوئیں وہ مرغن اور فسنجانی غذائیں کیا ہوئیں

باعثِ بربادی و وجہ تباہی بن گیا
مولویت چھوڑ کر فوجی سپاہی بن گیا

مشغلہ تیرا بجز محراب اور منبر نہ تھا مالتی دستے تھے تجھ میں فوج اور لشکر نہ تھا
بردبار اونٹوں کی کثرت تھی کوئی موٹر نہ تھا وعظ کا چرچا تھا پالی ٹیکس پر لکچر نہ تھا

خانہ جنگی میں پھنسا تو ہو گیا کچھ کشت و خوں
کثرتِ باغور سے ورنہ فضا تھی پرسکوں

ہوٹ زر زیلن کی پہلے تو تجھے حاجت نہ تھی چاند ماری اور قواعد کی کہیں شدت نہ تھی
عیش و عشرت سے بسر ہوتی تھی یوں محنت نہ تھی کارخانوں اور مشینوں کی کبھی کثرت نہ تھی

تار برقی اور ٹیلی فون سب بے کار تھے
نامہ بر تیرے یہاں اکثر شتر اسوار تھے

یاد آیا مے وہ ملایانِ مکتب بے شمار اور وہ شاگردانِ ذرعہ فی قطار اندر قطار
قول ملا اسجدوا الی قبلہ ام اے نابکار اور رٹنے کی بات شاگردوں کا کہنا بار بار

"واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بہ خلوت می روند آں کارِ دیگر می کنند"

اس طرح تعزیت سے نکلتا ہی کوئی یوں ترقی کی طرف تیزی سے چلتا ہے کوئی
دیکھ تجھ پہ دور ہی سے ہاتھ ملتا ہے کوئی حرکتیں یہ دیکھتا ہے اور جلتا ہے کوئی

دست بوسی کرنے والے کس طرف سر ہو گئے
ایک دم نظروں سے غائب حوض اور کرہ ہو گئے

تو تو کافر ہو گیا اور ہم ابھی دیں دار ہیں   یہ عنایت کم نہیں تجھ پر کہ ہم غم خوار ہیں
تجھ کو پھر ویسا بنا سکتے نہیں ناچار ہیں   اس لیئے خود ملک و ملت کے لیئے ہم بار ہیں

خوف ہے ایسا نہ ہو تیری ترقی دیکھ کر
شیعیانِ ہند کے دل پر بھی ہو جائے اثر

غور کر تقلید کا ہے اک پہاڑ اس تل کی اوٹ   ہم یہاں سے بیٹھے بیٹھے تجھ پہ جو کرتے ہیں چوٹ
پڑ گئی تیری ترقی سے ہمارے دل میں کھوٹ   پاس کرتے ہیں اسی سے تجھ پہ ہم نفرت کی ووٹ

قوم کو افسانے کہہ کہہ کر سلا دیتے ہیں ہم
تیرے ماتم دار شیعوں کو رلا دیتے ہیں ہم

جوش وقتی شیعیان ہند میں ہے اس قدر   دوڑ پڑتے ہیں یہ پہلے ہی سے ہر آواز پر
شیعہ کالج کی ذرا تاریخ پر کیجے نظر   جلسۂ موتی محل کچھ یاد ہے المختصر

جس میں دنیادار اور دیندار تھے دونوں شریک
اب اسی کالج کو مانگے سے نہیں ملتی ہے بھیک

کامل الایمان ان کے ساتھ مدت تک رہے   وعظ فرمایا کیئے تائید میں فتوے دیئے
بعد اس کے خود بخود اپنے مشاغل میں پھنسے   اپنی اپنی مسجدیں تعمیر کیں اور ہٹ گئے

عالمانِ دین کی توہین کیا کرتا تھا وہ ؟
کفر اور الحاد کی تلقین کیا کرتا تھا وہ ؟

کیا سبب تھا خود بخود اس سے خفا کیوں ہو گئے   آخر اس کی سرپرستی سے جدا کیوں ہو گئے
قبلۂ تلقیں آہ غائب رہنما کیوں ہو گئے   کربلا میں دے کے مٹی سب ہوا کیوں ہو گئے

شیعیت کے ناخدا منہ اپنا اپنا موڑ کے
بھاگے دریا پار خشکی میں سفینہ چھوڑ کے

بات یہ ہے اُس کی شرکت میں وجاہت کچھ نہ تھی　　سب پڑھے لکھے وہاں پر تھے جہالت کچھ نہ تھی
اُن کو آمنّا و صدقنا کی عادت کچھ نہ تھی　　مغربی تعلیم تو تھی آدمیت کچھ نہ تھی
اُس کی آمد سے کبھی خمس و زکوٰۃ آیا نہیں
کوئی طالبِ علم فطرہ تک کبھی لایا نہیں

معتمد اغیار سے رکھتا تھا خفیہ سازباز　　ہوگیا تھا وہ قیادت سے سبھوں کی بے نیاز
ماسٹر پڑھتے نہ تھے آکر جماعت میں نماز　　مختصر تو یہ ہے باقی اور ہیں شکوے دراز
سب نے سرایا تو دستِ معتمد میں رکھ دیا
ایک لاوارث کا مردہ تھا لحد میں رکھ دیا

آنریری کام کرنا زیب دیتا ہے اُسے　　فکرِ دنیا سے خدا جس شخص کو فارغ کرے
استقامت اور وجاہت اُس کو قدرت سے ملے　　جو قدم بڑھ جائے آگے پھر نہ وہ پیچھے ہٹے
جب اُٹھا تھا کام کرنے ہر طرف طوفان تھا
یاد تو ہوگا کہ سرسیّد بھی اک انسان تھا

کتنے عالم ساتھ تھے اور کتنے دینی مقتدا　　کس نے اُس کے عزم کی تائید میں فتویٰ دیا
زہر کس کس نے نہ اُگلا گالیاں دیں برملا　　کہئیے اُس نے بھی کبھی توہین کا دعویٰ کیا
قوم کے حق میں جو کرنا تھا اُسے وہ کر گیا
کالج اس کا اب ہے یونیورسٹی وہ مر گیا

کچھ نہیں میل اور لڑائی میں بہانہ بازیاں　　سب شتر غمزے ہیں خالی اور حیلہ سازیاں
محض شخصیت جتانے کے لئے طنازیاں　　صاف گویں پر فقط لفظی کلوخ اندازیاں
خوف کیا اس کو جو ہو اصلاح میں سینہ سپر
اور ابھرے گی صدائے حق دباؤ جس قدر

ٹھنڈے دل سے پی گیا سقراط پیالہ زہر کا — حضرتِ عیسیٰؑ نے سچ کہنے کی کیا پائی سزا؟
شاہدِ عادل ہیں اس کے واقعاتِ کربلا — تھی خطا اتنی کہ سچا تھا غریبِ نینوا؟

سچ کی تلخی قوم کو اُس وقت بھی تھی ناگوار
قتل کر ڈالا گیا فرزندِ شاہِ ذوالفقار

کوفیوں کے پاس دو اخبار بھی ہوتے اگر — قتل کا الزام رکھ دیتے شہیدوں ہی کے سر
کوفی و شامی اڈیٹریوں پہ تحصیلِ زر — سُرخیاں لکھتے کہ چھپتا خونِ ناحق کا اثر

حال ہی کی طرح ہوتے با اثر ماضی کے ووٹ
پاس ہوتے مصلحِ اعظم پہ ناراضی کے ووٹ

بعض اخباری ڈکیتوں سے خدا سب کو بچائے — روٹیاں چلتی نہیں جن موذیوں کی بے لڑائے
بھیڑیے کی خاصیت کمزور کو جو پھاڑ کھائے — دیکھا طاقتور تو ہٹ جاتے ہیں پیچھے دم دبائے

قوم کے گرگٹ ہیں ان کے رنگ کا کیا اعتبار
ہوشیار اِن کاغذی بازی گروں سے ہوشیار

مشغلہ دلچسپ اِن کا برہمیِ اتحاد — کاغذی تلوار لے کر قوم سے کرنا جہاد
تبرّی پرچے کی بڑھ جائے جو برپا ہو فساد — وہ مقلد ہیں کہ جن سے کانپتا ہے اجتہاد

اصل تو یہ ہے اصولی ہیں نہ اخباری ہیں یہ
قومِ شیعہ کے لئے ہیضے کی بیماری ہیں یہ

مفسدہ پردازیوں کی ہو کہاں تک روک تھام — گالیوں کا اور تبرّے کا اچھوتا اہتمام
رکھ دیا بے غیرتوں نے مجلسِ شوریٰ کا نام — اور یہ کینہ پروروں کے دل میں جوشِ انتقام

ایسے قومی دشمنوں پر کیا کوئی لعنت کرے
سچ تو یہ ہے بس کہ جھوٹوں پر خدا لعنت کرے

ختم کر بس ختم کر اے دل یہ قومی داستاں　　بے خبر ہیں سُننے والے شیعہ ہندوستاں
جس قدر چاہے جھنجھوڑ ان میں بیداری کہاں　　مبتلائے موت ہیں کہنے کو ہے خواب گراں

شرم آتی ہے ہمیں کہتے ہوئے اب جعفری
قبرِ جعفر کھُد گئی ہم لوگ زندہ ہیں ابھی

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۱۸۱ — ۳۷ سنہ ۱۹ء — تعداد اشعار ۳۶

دہلی امامیہ ہال

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

کو تزّ آ شاموں کا مجمع ہے نئی دہلی میں
کہ سُنے انجمن اثنا عشری کی روداد

ہے یہ تجویز بنے ایک امامیہ ہال
تا ضرورت پہ وہاں جمع ہوں قومی افراد

دے عزا خانے کا بھی کام یہ دارالشوریٰ
لوگ تا واقعۂ کرب وبلا رکھیں یاد

ایک مسجد بھی ہو تعمیر بقدر وسعت
راج دھانی میں کریں گھر کو خدا کے آباد

میں نہ واعظ ہوں نہ ناصح فقط اس قوم کی فرد
دل جلا شیعہ ہوں سُن لیجیے میری فریاد

قوم پستی میں ہے اور حوصلے اُس کے ہیں بلند
پاس پیسہ نہیں تجویز مگر بے تعداد

طلب الکل کا نتیجہ ہے فقط فوت الکل
یہ سبق ہائے مگر قوم کو رہتا نہیں یاد

کام کیا دے گی بھلا متحدہ قوت سے
قوم وہ جس میں کہ آپس ہی میں ہو بغض و عناد
دیکھیے منفرداً ایک کا اک شاکی ہے
قومیت شیعوں میں باقی ہے فقط نام نہاد

اس کے ہر جزو کو دعویٰ ہے کہ میں ہوں اک قوم
میری تجویز پہ لازم ہے کہ سب کر دیں صاد
قوم کے پاس نہیں جب کوئی تنظیمی فنڈ
کہیے پھر کون سنے روز نرالی فریاد

اغنیا کتنے ہیں اور قوم کی حاجت کیا کیا
کچھ تناسب بھی ہے ان دونوں میں کیجے ارشاد
کتنے ہیں اس قسم کے افراد جو امداد کریں
انگلیوں پر ابھی گن لیجیے اُن کے اعداد

بعض ان میں بھی ہیں اس قسم کے اہلِ ثروت
جن کو دولت کی بدولت نہیں اللہ بھی یاد
روزہ فاقہ ہے نماز اُن کو اُٹھا بیٹھی ہے
سب سے پہلے وہی بھاگیں جو ملے حکمِ جہاد

ریس کے گھوڑوں کی فہرست تو از بر ہو گئی
کتنے ہیں قرآن میں پارے یہ نہیں مطلق یاد
ماں کی آغوش سے اسکول نے جب گود لیا
ہسٹری جاگرفی پڑھ کے بڑھی استعداد

جب کہ انگلش کی گرامر پہ ہوا اُن کو عبور
کھو گئے ایسے کہ اُردو نہ رہی مطلق یاد
فخر یہ بیٹھ کے آپس میں کریں گے گٹ پٹ
جیسے فی الاصل یہ انگریز ہیں اک مادر زاد

مشرقی نسل سے خود اور زباں مغرب کی
کیسے سمجھیں گے وہ کیا معنی لفظِ فریاد
کیا غرض اُن کو عزا خانے سے اور مسجد سے
سینما کھولیے دل کھول کے دیں گے امداد

غور تو کیجیے جب آمدنی ہو محدود
اور فیشن کے مصارف ہوں اندھا دھند زیاد
قومی کاموں میں بھلا لیں گے وہ کیوں دل چسپی
اپنے ہم جنسوں سے رکھتے ہوں جو نفرت کا مواد

اب رہے چند نفر قوم کے سچے ہمدرد
کھینچ لائی ہے جنھیں آپ کی قومی فریاد
اِن میں موجود ہے اس قوم کی وہ بھی اک فرد
محترم صدر نشیں والیِ محمود آباد

ایک ہمدردِ بنی نوع، مکمل انسان
قابلِ غور ہے فرماتے ہیں جو کچھ ارشاد
انفرادی کسی قوت پہ بھروسہ نہ کرو
جب کہ درکار ہو تم کو کوئی قومی امداد

تاکہ اسلام مساوات کا پابند رہے
غیر اقوام کی تقلید سے ہو کر آزاد
نام بے کار ہے کچھ کام کرو کام کرو
وقت کی قدر کرو اس کو نہ کرنا برباد

اپنے پیروں پہ کھڑے ہونے کی عادت ڈالو
رفتہ رفتہ نہ اپاہج ہو ہماری اولاد
یا علیؑ کہہ کے اگر ہاتھ لگا دیں سب لوگ
نصب ہو جائے عزاخانے کا سنگِ بنیاد

"وعدہ آسان ہے وعدے کی وفا مشکل ہے"
یاد رکھنے ہی کے قابل ہے یہ قولِ اُستاد
محض اس واسطے بدلی گئی یہ رسمِ کہن
نظر انداز نہ ہوں شیعوں کے مفلس افراد

صدقِ نیت ہو ہر اک کام میں معصوم کی طرح
اور آپس کا بھلا دیجیئے اب بغض و عناد
ہو حمیت تو مری قوم مکمل کر دے
طفلِ نادار یہاں رکھے گا سنگِ بُنیاد

اپنی جیبوں کی طرف اب متوجہ ہو جیئے
معذرت خواہ ہے دیوانہ ظریفِ ناشاد

نوٹ :- نئی دہلی کے اُس حلقے میں جہاں مختلف قوموں کو اپنی اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر کے لئے

دہلی امپرود منٹ ٹرسٹ سے آراضیاں ملی ہیں، وہاں شیعوں نے بھی امام باڑے اور مسجد کی ضرورت کے لیئے ایک اچھا خاصہ زمین کا ٹکڑا حاصل کیا ہے۔ اس آراضی پر عمارت جو تعمیر ہو رہی ہے اس کا نام امامیہ ہال رکھا گیا ہے۔ عالیجناب راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب والی ریاست محمود آباد کے ہمراہ ظریف مرحوم بھی دہلی میں تھے جب اس عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور اُسی موقع کے لیئے یہ نظم کہی گئی تھی۔ (صفی عفی عنہٗ)